



اشاعت خاص
ماہنامہ
القاسم

تذکرہ و سوانح

علامہ

شبیر احمد عثمانی

زیر پرستی

عبد اللہ القیوم حقانی

جامعہ ابوہریرہ پرنٹ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ



عالمی اسلامی تحریکوں اور جامعہ ابو ہریرہ کاترجمان

اشاعت خاص

علاء شہیر عثمانی

القیوم

تذکرہ و سوانح
حضرت مولانا

خانی آباد
نوشہرہ

جلد 9 / رمضان شوال ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ / اکتوبر نومبر دسمبر 2005ء / صفحہ 876

مولانا عبد القیوم حقانی

☆☆☆

درجہ مسجل

حافظ محمد قاسم

رابطہ کیلئے

جامعہ ابو ہریرہ، برادری چھوٹ آفس
خانی آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

بدل اشتراک

سازش 150 روپے
نی خبر 15 روپے
بذریعہ دیہی 180 روپے
دیہی سماج 30 امریکی ڈالر

☆☆☆

بذریعہ راش / چیک

اکاؤنٹ نمبر 21399-8
حبیب بینک نوشہرہ کینٹ

☆☆☆

فون نمبر

(0923) 630237

فکس : 630094

جملہ حقوق بحق القاسم اکیڈمی محفوظ ہیں

نام کتاب علامہ شبیر احمد عثمانی "نمبر
تالیف مولانا عبدالقیوم حقانی
کمپوزنگ جان محمد جان رکن القاسم اکیڈمی
صفحات 439 صفحات
تاریخ شہادت ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ / جنوری 2006ء
ناشر القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ براج پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

- ☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، الشہر پارک ٹرسٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد سبیلہ چوک کراچی
- ☆ مولانا سید محمد حقانی، مدرس جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلا تھ مارکیٹ، ریلوے بازار، راولپنڈی
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰۱ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
- ☆ مکتبہ بخاری، صابری مسجد گلستان کالونی، مرزا آدم خان روڈ، لیامی کراچی
- ☆ مولانا خلیل الرحمن راشدی صاحب، جامعہ ابو ہریرہ، چنوں موہم، ضلع سیالکوٹ
- ☆ اس کے علاوہ اکوڑہ خشک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے



فہرست مضامین

۶	مولانا حافظ محمد ابراہیم قاسمی	ہدیہ تحریک
۷	مولانا عبدالقیوم عثمانی	نقشب اول
۹	تذکرہ وسوانح اور جامعیت	باب اول
۱۱	جناب عبدالرشید عراقی	”انجمنی دسواچی خاکہ“
۳۳	علامہ سید سلیمان ندوی	بیکر علم و عمل
۶۲	پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی	شیخ الاسلام کا علمی مقام
۸۵	مفتی تقی عثمانی مدظلہ	شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی
۹۳	مولانا قاری محمد طیب قاسمی	ایک عثمانی شخصیت
۱۰۰	شیخ الحدیث مولانا فیض احمد عثمانی	علامہ عثمانی، ایک جامع شخصیت
۱۱۹	سیرت و کردار	باب دوم
۱۲۱	منشی عبدالرحمن خان	سیرت و اخلاق کی چند جھلکیاں

- علامہ عثمانیؒ ایک ناقابل فراموش شخصیت فشی عبدالرحمن خان ۱۴۱
 علامہ عثمانیؒ اور علامہ بخاریؒ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ۱۶۱

باب سوم اوصاف و کمالات ۱۶۵

- پاکستان کے شیخ الاسلام جناب الطاف حسن قریشی ۱۶۷
 اسلام کا درخشندہ آفتاب مولانا میاں جمیل احمد بالا کوٹی ۱۷۹
 عثمانی خلوص کے درخشندہ نقوش جناب احسان دانش ۱۸۳
 بزم شیخ الہند کے گہر تابدار محمد سعید الرحمن علوی ۱۸۵
 شیخ الاسلام کے اوصاف و کمالات محمد اکبر شاہ بخاری ۲۰۱

باب چہارم تفسیر عثمانیؒ، عظمت و افادیت ۲۲۳

- فوائد عثمانیؒ جدید تعلیم اور عصری تقاضے مولانا ابو محمد ایاز ملک انوی ۲۲۵
 علامہ عثمانیؒ اور ان کے علمی جواہر پارے مولانا سلیم بہادر ملک انوی ۲۵۳
 ترجمہ شیخ الہند اور تفسیر عثمانیؒ مولانا حکیم انیس احمد صدیقی ۲۶۵
 تفسیر عثمانیؒ ایک عہد آفرین تفسیر جناب عرفان اکبر ۲۷۰
 تفسیر عثمانیؒ کا تعارف اور ترکیبی عناصر مولانا ولی رازی ۳۰۳
 علامہ عثمانیؒ کے تفسیر جواہر پارے شیخ الحدیث مولانا فیض احمد ۳۱۵

باب پنجم سیاسیات ۳۳۱

- مملکت پاکستان کے ایک معمار حافظ خلیل الرحمن راشدی ۳۳۳
 تحریک پاکستان میں علامہ عثمانیؒ کی مساعی، محترمہ پروفیسر ریحانہ مجسم قاضی ۳۳۵

۳۵۲ تحریک پاکستان کے نامور مجاہد جناب محمد اکبر شاہ بخاری

۳۶۹ باب ہشتم افادات

۳۷۱ شیخ الاسلام کے افادات و مرشادات مولانا محمد مالک کاندھلوی

۳۸۳ تصانیف کا مختصر جائزہ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

۳۸۹ علامہ عثمانیؒ اور مسئلہ حیاتِ حبلی مولانا محمد ثاقب انور

۳۹۴ شاد برج حدیث علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی

۴۲۱ باب ہفتم سفر آخرت

۴۲۳ مہر علم کا غروب (ادارہ)

۴۳۵ باب ہشتم منظوم خراج عقیدت

۴۳۷ بیادِ شیخ الاسلام مولانا عثمانیؒ پروفیسر ریحانہ مجسم فاضلی

۴۳۹ نگہائے عقیدت پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی



مولانا حافظ محمد ابراہیم قاسمی

ہدیہ تبریک

جلد "القاسم" کی خصوصی اشاعت "شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی" پر منکوم تاثرات

اور برادر محترم مولانا حمید القیوم عثمانی صاحب کو ہدیہ تبریک

شیخ عثمانیؒ پہ آئی یہ اشاعت لاجواب
علم قرآنی میں حتیٰ ان کی مہارت لاجواب
وہ خطیب بے بدل ان کی فصاحت لاجواب
ان کی محنت سیر اسلامی ریاست لاجواب
وید و زب و خراب صورت بڑ شہامت لاجواب
ایک اکسیر نمایاں وجہ فرحت لاجواب

انتخاب اک بے مثل و بے شراکت لاجواب
وہ تکلم اور عقد میں امام وقت تھے
تھی حدیث مصطفیٰؐ میں چار سو بھی ان کی دھوم
ان کے احسانات جیسا ملک و وطن پر بے شمار
یہ مجلہ خصوصی جہد عثمانی سے وہ
عقد علمی ہے سہر تشنگان علم و فن

پیش کرتا ہے یہ قاسمی ہدیہ تبریک آج

اس محبت کو سلام و یہ عقیدت لاجواب



حرفِ آغاز

الحمد للہ حضرتہ العجلالۃ والصلوۃ والسلام علی خاتم الرسالۃ، اما بعد !
پیش نظر خصوصی اشاعت ”علامہ شبیر احمد عثمانی“ نمبر ”ہے۔ مقصد شخصیت پرستی
نہیں اور نہ کسی بزرگ کی پوجا پاٹ کی دعوت ہے، اصلی ارادہ نیت کا تعلق اور شعور یہ ہے کہ
حضرت علامہ عثمانیؒ کی زندگی میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا تذکرہ اور جن کا تحریری
نقل میں محفوظ کر دیا جانا لوگوں کے لئے مفید بلکہ بے حد مفید ہوگا، جو امت کے لئے ایک
مستقل نصیحت اور وصیت کا کام دے گا۔ اسی لئے اس کی پوری احتیاط کرنے کی کوشش کی گئی
ہے کہ اس میں جو کچھ مجھے اس کا اصلی رُخ اسی افادیت کی طرف ہو، تاہم اگر جگہ جگہ غیر
ارادی طور پر قابلِ تقلید اور قابلِ استفادہ باتوں کے حوالہ سے کسی شخصیت کا تذکرہ ہو اور اس
کی بڑائی اور عظمت کا کوئی پہلو اس تذکرے سے پیدا ہو تو اس کے لئے ذہن نے اس آیت
سے تسلی پائی۔

وَاللّٰهُ الْعَزِزُّ وَالرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنِيْنَ۔ (مائدہ: ۸۰)

اور عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور ایمان والوں
کے لئے۔

خصوصی اشاعت کے مضامین انتخاب افادیت اور نافعیت کیسی ہے یہ فیصلہ تو خود

قارئین پڑھ کر کریں گے۔ ہم خدام کے لئے یہی باعث سعادت ہے کہ اپنی بے بساختی نا تجربہ کاری اور وسائل کی شدید قلت کے باوجود جیسے تیسے بن سکا "حضرت علامہ شبیر احمد حقانی" پر خصوصی اشاعت کا اہتمام کر ڈالا۔

ہنبذا لارباب الکمال کما لہم و للعاشق المسکین ما یتجمع

اکتوبر 05ء سے دسمبر تک القاسم کی اشاعتیں نمبر کی نذر ہو گئیں اور الحمد للہ جنوری 06ء کے شروع میں تین ماہ کے پرچوں کے عوض ایک ضخیم اور عظیم تاریخی دستاویز نذر قارئین ہے۔ قارئین کے خطوط، انتظار اور اشتیاق 'القاسم کی اشاعت میں التوا و تاخیر' قارئین کی طرح ہم خدام کے لئے بھی صبر آزما تھے۔

مگر ایک اندازہ یہ بھی ہوا کہ ماہنامہ القاسم سے عام قارئین سمیت علامہ مشائخ، اساتذہ اور اکابر کو بھی خصوصی تعلق خاطر ہے کہ وہ بار بار فون پر خطوط سے اور پیغامات سے رابطے میں رہے۔ تا آنکہ خصوصی نمبر آج ان کی نگاہ محبت کا منظور نظر ہو رہا ہے۔

ناپاسی ہوگی کہ اس خصوصی اشاعت کے سلسلہ میں تعان کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، مصعب کتب کثیرہ کا تذکرہ نہ کیا جائے، جنہوں نے مضامین کی فراہمی، انتخاب اور ترتیب میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ اسی طرح القاسم اکیڈمی کے رکن جناب شفیق عالم کشمیری، مولانا سلیم بہادر ملکاٹوی، سلطان القاسم سلطان فریدی بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے وقت نکال کر جامعہ ابو ہریرہ میں قیام کر کے صحیح کا مصب ترین کام انجام دیا۔ جان محمد جان نے کمپوزنگ اور مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابو ہریرہ نے عمدہ زیر طباعت سے آراستہ کرنے میں مخلصانہ کردار ادا کیا۔

عبد القیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ
برائے پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ



باب : ۱

تذکرہ وسوانح اور جامعیت

جناب عبدالرشید عراقی صاحب

اجمالی وسوانحی خاکہ

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تعلق علمائے دیوبند سے تھا۔ ان کے حالات زندگی اور اس کی دینی و علمی اور قومی و سیاسی خدمات کا تذکرہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی مختصر تاریخ بیان کی جائے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام :

دارالعلوم دیوبند کا قیام اس وقت عمل میں آیا، جب نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں اسلام میں دینی علوم رواں کے آخری سرے تک پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ / مطابق ۱۸۶۶ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر دارالعلوم دیوبند کا افتتاح مولانا محمود صاحب نے کیا۔ مولانا محمود بڑے عالم و فاضل تھے، دیوبند کے رہنے والے تھے۔ میرٹھ میں پڑھاتے تھے، مولانا محمد قاسم نانوتوی نے انہیں دیوبند بھیجا تھا۔ مولانا محمود کو دارالعلوم دیوبند کا پہلا مدرس مقرر کیا گیا اور صرف ایک شاگرد سے تدریس کا آغاز ہوا اور یہ شاگرد تھے، مولانا محمود حسن جو بعد میں شیخ الہندؒ کے نقب سے ملقب ہوئے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ استاد اور شاگرد دونوں کا نام محمود تھا۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا خاندان :

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے والد محترم کا نام مولانا فضل الرحمن عثمانی تھا۔ مولانا فضل

الرحمن عثمانی جید عالم دین تھے اور انکا شمار دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ مولانا مملوک علی (م ۱۲۶۷ھ) سے مستفیض تھے۔ جید عالم دین ہونے کے علاوہ فارسی، دور آورد کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ۱۸۵۷ء میں بریلی میں انیسکڑ مدارس تھے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔

مولانا فضل الرحمن عثمانی نے تین نکاح کیے۔ پہلی بیوی سے اولاد نہ ہوئی۔ دوسری اور تیسری بیوی سے اولاد ہوئی۔ دوسری بیوی سے مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی، مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور حافظ غلیل الرحمن عثمانی پیدا ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی تیسری بیوی سے تھے۔ مفتی حقیق الرحمن عثمانی بانی ندوۃ المصنفین دہلی مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی کے صاحبزادے تھے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ

۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ہوا۔ دارالعلوم دیوبند سے جملہ علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔

فرائض تعلیم کے بعد کچھ عرصہ دارالعلوم میں معین المدرس رہے اور اس کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمات بھی مولانا محمد یعقوب مدرس (م ۱۳۰۲ھ) کی نگرانی میں انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ اندکوٹ (میرٹھ) چلے گئے اور کئی سال تک اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم مقرر ہوئے۔ ایک سال بعد آپ کو دارالعلوم کا مفتی مقرر کیا گیا اور اس کے ساتھ تدریسی خدمت بھی ان کے سپرد کی گئی اور ساری زندگی دارالعلوم دیوبند میں گزار دی۔ ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر جامعہ اسلامیہ دہلی (سورت)

چپے گئے۔ اوائل جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ ذابھیل سے دیوبند تشریف لائے اور دستہ میں طبیعت ٹھیل ہوئی اور ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ نومبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا اور دارالعلوم کے قبرستان میں مولانا محمد قاسم کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مولانا حبیب الرحمن عثمانی :

۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی بڑے تبحر عالم دین اور عربی زبان کے زبردست ادیب تھے۔ کافی عرصہ تک مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۳۳ھ) کی خدمت میں رہے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء دارالعلوم دیوبند کے نائب مجتہم بنائے گئے ۱۳۴۰ء مطابق ۱۸۲۵ء مولانا حافظ احمد بن مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۳۳۷ھ) کی بی بی انہ سالی کی وجہ سے مجتہم کے جہدے سے سبکدوش ہو گئے تو آپ کو دارالعلوم کا مجتہم بنایا گیا۔

مولانا حبیب الرحمن عثمانی جامع لکھنات تھے۔ مطالعہ کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ سید محبوب احمد رضوی تاریخ دیوبند میں لکھتے ہیں کہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ

”اگر مجھ پر کسی نے علم کا اثر پڑتا ہے، تو وہ مولانا حبیب الرحمن ہیں۔ مولانا سید سلیمان مدنی سے ان کے علمی تبحر اور عربی ادب پر وسیع مطالعہ اور مضمومات کا مترقبہ کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ :

”مولانا حبیب الرحمن عثمانی ایک مشہور عالم، تبحر اور عربی کے ادیب تھے۔ دیگر علوم کی طرح عربی نظم و نثر پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی۔ اسلامی تاریخ سے بھی ان کو دقیقہ کامل تھا۔ اردو ادب میں ان کا سلیقہ خاص تھا۔ ۴۲ برس ۱۳۵۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۹ء دیوبند میں انتقال کیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ مطابق ستمبر ۱۸۸۷ء بمبجور میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں ان کے والد مولانا فضل الرحمن عثمانی بمبجور میں انسپکٹر مدارس تھے۔

آغاز تعلیم

آپ کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔

اساتذہ :

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے بداء سے انتہا تک جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل

کی، ان کے نام یہ ہیں

- ۱۔ حافظ محمد عظیم دیوبندی ۲۔ حافظ تاجدار خاں ۳۔ فاضل منظور احمد
- ۴۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن ۵۔ مولانا امام رسول ۶۔ مولانا حکیم محمد حسن
- ۷۔ مولانا محمد حسین شیر کوٹی ۸۔ مولانا محمد رسول ۹۔ مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری
- ۱۰۔ مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی ۱۱۔ مولانا حافظ محمد احمد نالوتوی۔

اساتذہ کا تعارف :

دلیل میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے اساتذہ کا تعارف پیش خدمت ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ :

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دارالعلوم دیوبند کے پہلے مدرس تھے۔ مولوی محمودؒ کے علاوہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے والد کا نام مولانا ذوالفقار علی تھا اور مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ فراغت کے بعد بریلی کاٹ میں پروفیسر تعینات ہوئے۔ بعد میں ڈپٹی انسپکٹر بنادیئے گئے۔ عربی ادب پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ پٹن

پانے سے بعد دوح بند میں - ترمیری مجسٹریٹ رہے اور دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے۔ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۰۳ء کو ۸۵ سال کی عمر میں رانی ملک عدم ہوئے۔

مولانا محمود حسن نے ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۳ء تعلیم سے فراغت پائی اور اسی سال دارالعلوم دیوبند میں مدرس چہارم کی حیثیت سے سہ ماہی کا تقرر ہوا، جس میں بدعتی ترقی پاکر ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور چالیس سال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے کلمہ کی فہرست طویل ہے۔

مولانا محمود حسن ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء حج بیت اللہ کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔ انہوں نے طرابلس کے بعد جرمنی و ترکی متحدہ ہو کر برطانیہ سے تہرہ آ رہے تھے۔ شیخ الہند - برطانوی حکومت کا ہندوستان سے تختہ لٹنے کا پروگرام بنایا اور ایک زبردست تحریک چلائی جس تحریک کو بدعت کشی کی رپورٹ میں "زہنی رد مال" کی تحریک کا نام دیا گیا۔ یہ تحریک بہت زیادہ مؤثر تھی مگر زہرہ کی اور مولانا کا کام ہو گئے۔

شیخ الہند مکہ معظمہ میں حج کی سعادت سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لائے تو شریف حسین دہلوی نے آپ کو انگریزوں کے اشارے پر گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دیا۔ آپ کو پہلے مصر لایا گیا۔ اس کے بعد لٹاٹے جایا گیا، جو برطانوی قہر میں جتنی بھرموں کے لئے محفوظ ترین مقام سمجھا جاتا تھا۔ آپ تقریباً پانچ سال لٹاٹے میں قید رہے۔

رمضان ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء آپ کو رہا کیا گیا اور بھیج دیا گیا۔ وہاں پہنچ کر تحریک خلافت میں حصہ لیا، جسکی صحت کمزور ہو چکی تھی۔ انہی دنوں مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ میں جامعہ ملیہ قائم کیا اور اس کالنگ بنیاد آپ نے رکھا اور افتتاحی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ انگریزی حکومت کے ساتھ بائیکاٹ کر دیا جائے۔

اس کے بعد دہلی آئے، جہاں مرض اور ضعف میں اضافہ ہوا۔ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان اور ڈاکٹر عتیق احمد انصاری کے زیر علاج رہے، مگر وقت موعود آچکا تھا۔ ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۱۶ء کو ڈاکٹر انصاری کی کوشش پر دہلی میں وفات پائی۔ میت کو راجہ بد لے جایا گیا اور مولانا محمد قاسم نالوتوٹی کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسی رہے۔ انھوں اطر میں لکھتے ہیں کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن بن مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نفع دینے والے علوم میں سب سے بڑے عام درمنا فریں میں فقہ اور اس کے اصول کا بہت اچھا مکتہ تھا اور اس کے اصول و قواعد کو بڑا اچھا جاننے والے تھے۔

مولانا غلام رسولؒ

”پہلے صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۸۳ء-۱۹۲۷ء میں کاسن وفات ہے۔ ولد محترم کا نام عبدالہر راق تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ حضرت شیخ الہند سے مستفیض تھے۔ موم عقیدہ منطق و فلسفہ میں کمال رکھتے تھے۔ ۱۳۷۰ھ-۱۸۹۰ء میں بطور مربی مدرس دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہوا، اور ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء تک دارالعلوم میں تدریس فرماتے رہے۔ بڑے قناعت پسند، نرم دل، شفیق اور متبع سنت تھے۔ ۱۸/محرم الحرام ۱۳۳۷ھ، ۹/ربیع دیوبند میں انتقال کیا۔“

مولانا حکیم محمد حسنؒ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے چھوٹے بھائی تھے۔ دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ طب کی تعلیم مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کے برادر اکبر حکیم عبد المجید خان سے حاصل کی۔ فرہنگ تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند ۱۳۰۲ھ-۱۸۸۵ء میں ان کا تقرر بحیثیت مدرس اور طبیب ہوا۔ اس لئے کہ علما دارالعلوم کے لئے طبیب کی ضرورت

تھی، جو یہ رطل و کا علاج معالجہ کرتے تھے۔ آپ نے ۳۳ سال تک دارالعلوم میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں پڑھائیں۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء دیوبند میں انتقال کیا۔

مولانا محمد یحییٰ شیر کوٹی

مولانا محمد یحییٰ شیر کوٹی طبع بخیر کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ فرغت تعلیم کے بعد بعض مدت میں تدریس فرمائی، پھر ان کو دارالعلوم میں بدایہ میں۔ ان کو تمام علوم میں مہارت تھی، لیکن علم ہیئت اور ریاضی میں استاد کامل تھے۔ ۱۳۳۴ھ / ۱۹۰۷ء میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی میں جہدہ میں بیمار ہوئے اور ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ / ۱۹۰۷ء میں راجی ملک عدم ہوئے۔

مولانا محمد سہول بھگپوری

مولانا محمد سہول کا وطن بھگپور (بہار) تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، بعد ازاں کال پور میں مولانا شرف علی تھانوی، مولانا محمد اسحاق بردواہی اور مولانا محمد فاروقی جیہ کوٹی رحمہ اللہ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے بعد حیدرآباد دکن چلے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا مظہر اندلیزی، مولانا عبدالحق، مولانا عبدالحق، مولانا عبدالحق سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد اہل تشریف سے مراد حدیث کی تحصیل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ الہند سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں اکتساب فیض کیا۔

فرائض تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تدریس پر مامور ہوئے اور آٹھ سال تک دارالعلوم میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ عربیہ بہار تشریف لے کر مدرسہ طہارت، مدرسہ عربیہ ملت میں تدریس فرمائی اور ان تینوں مدارس میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۲۰ء میں مدرسہ عربیہ ملت دیوبند میں پرنسپل مقرر

ہوئے۔ آپ ۴۶ برس تک صوبہ بنگال اور آسام اور بہار کے شہروں میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۳۵۰ھ تا ۱۹۳۱ء تا ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ ۱۳۱۳ھ جب ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء کو اپنے وطن میں وفات پائی۔

مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ

۲۔ سید مرتضیٰ حسن چاند پوری ضلع بکھور کے رہنے والے تھے۔ ان کا س ولادت ۱۲۸۵ھ تا ۱۸۶۸ء ہے۔ ان کے والد حکیم سید بنیاد علی اپنے دور کے مشہور طبیب تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی۔ ۱۲۹۷ھ تا ۱۸۸۰ء دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۴ھ تا ۱۸۸۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت تعلیم کے بعد عرضہ دارالنگ چاند پور، دربھنگہ اور مراد آباد کے مدرسوں میں درس و تدریس کا شغل جاری کیا۔ ۱۳۲۸ھ تا ۱۹۴۰ء میں دارالعلوم دیوبند آ گئے اور ان کو ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا اور اس کے ساتھ تدریس کا شغل بھی جاری رکھا۔ دارالعلوم میں اس کی تدریسی مدت تقریباً ۴۲ سال کے قریب ہے۔ رفقہ الشی ۱۳۷۱ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۵۱ء چاند پور میں انتقال کیا۔

مولانا حافظ محمد احمدؒ

۳۔ علامہ محمد احمد مولانا محمد قاسم خان قوٹلی کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کا س ولادت ۱۲۷۵ھ تا ۱۸۶۴ء ہے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل دارالعلوم دیوبند سے کی۔ فراغت تعلیم کے بعد ۱۳۰۳ھ تا ۱۸۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳۶۳ھ تا ۱۸۹۶ء میں آپ کو دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ آپ کے دور میں دارالعلوم اوج بہت سے بہت زیادہ ترقی کی۔ آپ بڑے اعلیٰ وجاہت تھے۔ طلباء و مدرسین آپ سے مرعوب تھے۔

۱۳۳۶ھ تا ۱۹۱۳ء میں اعلیٰ حضرت میرٹھ علی خاں نظام دکن نے آپ کو ریاست

حیدر آباد کا مفتی عظیم مقرر کیا اور آپ تیس سال تک ۱۳۳۳ھ تا ۱۳۶۶ھ میں حکومت آصفیہ کے مفتی عظیم رہے۔ اس کے بعد واپس دارالعلوم دیوبند آ گئے۔ حافظہ صاحب نے ۴۵ سال دارالعلوم دیوبند کی خدمات انجام دیں۔

۱۳۴۷ھ تا ۱۹۶۸ء میں حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ۳۳ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۶۸ء انتقال کیا اور حیدر آباد دکن میں قبرستان 'خطہ صاحبین' میں پرہیزگار کئے گئے۔

تکمیل تعلیم :

مولانا شبیر احمد عثمانی ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ تا ۱۹۰۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۵ھ تا ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔

تدریس :

فرائض تعلیم کے بعد آپ نے تدریس کی زندگی کا آغاز کیا اور مدرسہ فتح پوری دہلی میں آپ کا تقرر بحیثیت صدر مدرس ہوا۔ اس مدرسہ میں آپ نے ۳۲۸ھ تا ۹۱۰ھ تک تدریس فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند میں :

شوال ۱۳۲۸ھ تا ۱۹۱۰ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی کو دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا اور اس کو حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم چڑھانے پر مامور کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے ۳۴۶ھ تا ۱۹۶۸ء تک تدریس خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی :

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ آپ اپنے

دور کے بلند پایہ عالم دیں اور محدث تھے۔ آپ کے دارالعلوم کی انتہی مہمکنی سے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر ختلاف پیدا ہو گئے، جس پر آپ نے دارالعلوم سے استعفیٰ دے دی۔ حضرت مولانا سید محمد نور شاہ کشمیری صاحب کے ساتھ مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی بھی دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس :

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) تشریف لے گئے اور وہاں آپ جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی بھی آپ کے ہمراہ ڈابھیل چلے گئے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نے ۳ صفر ۱۳۵۴ھ، ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو بحال بد میں انتقال کیا۔ تو ان کے بعد مولانا عثمانی جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً دو سال تک آپ جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس رہے۔

دارالعلوم دیوبند واپسی :

۱۳۵۸ھ، ۹۳۵ء میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ حضرت تھانوی کی تحریک پر آپ دوبارہ دارالعلوم دیوبند واپس آ گئے اور آپ کو دارالعلوم کا مستم مقرر کیا گیا۔ اس منصب پر آپ ۱۳۶۲ھ، ۱۹۴۳ء تک فارغ رہے اور اس دوران جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے بھی تعلق رہا۔

تلاشہ :

مولانا عثمانی کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں بسر ہوا۔ ان کے علاوہ کئی تعداد دیوید ہے، لیکن میں یہاں صرف مشہور و مخلصانہ کے نام درج کرتا ہوں جو اپنے دار میں علم و فضل کے اعتبار سے یکساں روزگار تھے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی مولانا حبیب الرحمن اعظمی مولانا محمد
دریس قادری مولانا مفتی محمد شفیع دہلوی مولانا محمد یوسف بخاری مولانا
ملفوظات مفتی دار احسن عثمانی۔

علمی تجر

علم و فضل کے اعتبار سے مولانا شبیر احمد عثمانی جامع الکلمات تھے۔ ان کی ساری
زندگی تبلیغ اسلام میں گزاری، سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ
علم و فضل، فہم و درست، تدبر اور اصابت رائے کے لحاظ سے مولانا عثمانی کا شمار
بہندوستان کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا۔ وہ زبان اور قلم دونوں کے یگانہ شہسوار تھے۔
ان کے بلند پایہ ادیب اور بڑی بحر تکمیل خطابت نے، ملک تھے۔ فصاحت و بلاغت، عام
مرد، اہل پرورش و تشبہات و انداز ہوں اور نکتہ قریبی کے لحاظ سے ان کی تحریر و تقریر دونوں
مرد و عجمیں۔ وہ جملہ حاضر و پرہیزی گہری مہربانی نظر رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی تحریر و تقریر
عوام و خواص دونوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ عظیم الشان جہوں میں ان
کی تصنیف، شیخ عابد، تقریروں کی یاد آج بھی اہل ذوق کے دلوں میں موجود ہے۔ حضرت شیخ
ابنہد سے اپنی حیات کے آخری دنوں میں جامعہ ملیہ کی تاسیس کے وقت تو خطبہ دیا تھا۔ اس
سے بھی ار پڑھنے کا شرف مولانا عثمانی ہی کو حاصل ہوا تھا۔

تصانیف

مولانا شبیر احمد عثمانی بلند پایہ خطیب و مقرر اور مدرس ہوئے۔ وہ ساتھ ساتھ دور
مصنف بھی تھے۔ اسلام، سید علیہاں تدوین لکھتے ہیں کہ
مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحریر بڑی شستہ ہوتی تھی۔
نائب تصانیف درج ذیل ہیں

علم الکلام، عقل و نقل، اعیان القرآن، حجاب شرعی، الشہاب الثاقب، شیخ سعدی کے ترجمہ قرآن پر حواشی، فتح البہر شرح صحیح مسلم (عربی)، فضل الہادی شرح صحیح بخاری (اردو)۔

حواشی قرآن مجید

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود حسن نے قرآن مجید کا ترجمہ اور اس پر حواشی لکھنے شروع کئے، ترجمہ مکمل کر لیا اور حواشی سورۃ تک لکھتے کہ ان کی رعایت کا یہ نہ ہو یا ہو گیا۔ بقیہ قرآن مجید کے حواشی مولانا عثمانی نے مکمل کئے۔ یہ سن کا حکیم میں کارنامہ ہے۔ اس حواشی کی بڑی شہرت حاصل ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ

مولانا شیخ احمد عثمانیؒ کے مضامین اور چھوٹے رسائل تو متعدد ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآنی حواشی ہیں، جو حضرت شیخ الحدیث کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چمپے ہیں۔ اس حواشی سے مرحوم عثمانی قرآن مجید کی تفسیروں پر عبور اور عوام کے ہنسیں ترے کے لئے اس کی قوت تبیین حد بیاں سے بالا ہے۔ اس کے ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ ان حاشیوں میں انہوں نے جو بجا اپنے ایک معاصر (سید سلیمان ندوی) کی تحنیف کا حوالہ صاحب ارض القرآن کے نام سے دے کر اس بات کا ثبوت ہم پہنچایا ہے کہ وہ معاصرانہ رقابت سے کس قدر ویر تھے جس نے اپنے صنف درس میں ان کے حواشی کی افادیت کی ہمیشہ تعریف کی ہے اور اس سے پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

نمونہ حواشی :

مولانا عثمانیؒ نے حواشی کا ایک نمونہ عطا فرمایا

قُلْ إِنَّمَا أَمْرٌ عَلَيْكُمْ بِتُوحَىٰ إِلَٰهِي إِنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لِّمَن كَانَ
 بِرَحْمَةِ لِّقَاءِ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ إِنَّهُ كَانَ
 ذَوَّوَالْحُرْمَةِ (البقرہ ۲۱۰)

ترجمہ: تو سب میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم کو حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک
 معبود ہے پھر جس کو امید ہو مٹنے کی اپنے رب سے سوا وہ کرے کچھ کام نیک اور شریک نہ
 کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔

حواشی

یہی میں تمہاری طرح بشر ہوں خدا نہیں، جو خود بخود ذاتی طور پر حق معلوم و محسوس
 حاصل ہوں، ہاں اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف دینی کرتا ہے، جن میں
 اصل اصول علم توحید ہے، اس کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ سے
 ملنے کا شوق ہو اس سے سامنے حاضر کئے جانے کا خوف ہو، اسے چاہئے کہ کچھ بھلے کام
 شریعت سے موافق نہ جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہر و باطن کسی کو کسی وجہ میں بھی
 شریک نہ کرے، پہلی شریعت کی طرف سے دیا وغیرہ شرک خفی سے بھی بچتا رہے کیونکہ جس
 عبادت میں غیر اللہ کی شریعت ہو وہ عبادت کے منہ پر داری جائے گی۔ اللھم عناصر ضرور
 اعلیٰ۔ اس آیت میں اشارہ مرد یا کردنی کا علم بھی فتاویٰ اور عطائی سے۔ ہم خداوندی کی
 طرف ذاتی و عریض فتاویٰ ہیں۔

فتح الہیہ شرح صحیح مسلم

مولانا مفتی دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھل میں صحیح مسلم کا درس دیتے
 رہے۔ صحیح مسلم سے آپ کی بہت زیادہ تعلق تھا، چنانچہ آپ نے بھی نقطہ نظر سے صحیح مسلم
 کی شرح بنام فتح مہم بھی، لیکن آپ یہ شرح مکمل نہ کر سکے۔ اب یہ شرح مولانا محمد تقی
 خان نے مولانا مفتی محمد تقی دیوبند کی مدد سے مکمل کی ہے۔ مکمل شرح مطبوع ہے۔

مولانا سید سلیمان مدنی لکھتے ہیں کہ

صحیح مسلم کی شرح کبھی کا خیال اس کو اپنی نو جوانی سے عہد سے تھا۔ صحیح بخاری کی شرح تو احباب میں سے حافظ بدر الدین عینی نے بہت پہلے لکھ کر حنابلہ کی طرف سے حق ادا کر دیا تھا، مگر صحیح مسلم کی کوئی شرح حنفی عقد نظر سے اب تک نہیں نکلی گئی تھی۔ اس سے مرحوم نے اپنے دست و بازو سے آزمایا۔

مؤتمر عالم اسلامی مکہ معظمہ میں شرکت (۱۳۳۳ھ، ۱۹۲۶ء)۔

جنگ عظیم اس میں شریف مکہ نے جو اس وقت ترکوں کی طرف سے مکہ کاوی تھا، اس سے بخاری کی نو انگریزوں نے شریف حسین کو بخاری حکومت دے دی۔ ترک تمام عرب ممالک سے بے دخل ہو چکے تھے۔ سرزمینِ حجاز پر بقیہ شریف حسین کی حکومت تھی، لیکن اندرونِ خارجہ انگریزوں کا اقتدار تھا کہ قدرت سے سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کو عز کیا اور شریف مکہ کو شکست دے کر حجاز پر قبضہ کر لیا اور شریف مکہ کو ترکوں سے بخاری کا حاصل کیا۔

سلطان عبدالعزیز قبیلہ بھٹی تھے، اسیوں نے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کے بعد قرآن مجید کو مسدود کر دیا اور ان تمام حرات جو پابند تھے، اس کو بیست روپیہ میں کر دیا۔ سلطان عبدالعزیز کا یہ نظریہ تھا کہ

مسلمان یہاں "کر قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور اسلام میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے اس مآثر کو ختم کیا گیا ہے۔

سلطان عبدالعزیز کے اس اقدام سے اتنے مسلمان تباہ و برباد ہوئے اور مشرق سے لے کر مغرب تک اضطراب اور پریشانی کی لہر دوڑ گئی اور کسی ملک میں سلطان عبدالعزیز کے خلاف احتجاج شروع ہو گیا، چنانچہ سلطان بن سعود نے ممالک اسلامیہ سے

ہاویہ جیوں کے لئے مانتھر عالم ملائی کا اجلاس طلب کر لیا اور اس میں درج ذیل ممالک کے وہ سوسے شریک ہوئے۔

نمبر شمار	نام ملک	تعداد اہل نمائندگان
۱	نپال	۶
۲	ہندوستان	۱۳
۳	بھوت	۵
۴	روسی	۹
۵	الطین	۳
۶	ات	۳
۷	شام	۴
۸	مصر	۴
۹	چا	۴
۱۰	افغانستان	۳
۱۱	ترکی	۲
۱۲	سوڈان	۱
۱۳	یمن	۲
	کل میزبان	۶۷

سلطان عبدالعزیز نے ہندوستان کی تمام جماعتوں کو اپنے نمائندے بھیجنے کی اجازت دی تھی۔

مرزا کی مجلس طاقت

۲۔ جمعیت عالم ہند

۳۔ آلِ نذریہ بل حدیث کانفرس

مرکزی مجلس خلافت کے چار نمائندے تھے۔

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی (سربراہ وفد)

۲۔ مولانا محمد علی جوہر

۳۔ مولانا شوکت علی

۴۔ محمد شعیب قریشی

جمعیت مہائے ہند کے پانچ نمائندے تھے۔

۱۔ مولانا مفتی کاشمیر اللہ دہلوی (سربراہ وفد)

۲۔ مولانا شمس محمد عثمان

۳۔ مولانا احمد سعید دہلوی

۴۔ مولانا محمد عرفان

۵۔ مولانا عبدالحکیم صدیقی

۶۔ آلِ نذریہ بل حدیث کانفرس کے چار نمائندے تھے۔

۱۔ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ مرتضوی (سربراہ وفد)

۲۔ مولانا عبدواحد غزنوی

۳۔ مولانا سید اسماعیل غزنوی

۴۔ حافظ حمید اللہ دہلوی

مجلس خلافت اور جمعیت مہائے ہند کا وفد چہار سے پہنچی سے جدو کے سے روانہ

ہوا۔ تمام صدیوں تک کے دو دوری قعدہ ۱۳۲۳ھ کی بدلتی تاریخوں میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

اس سفر کی رویداد مولانا سید سلیمان دہلوی نے اس طرز میں بیان کی ہے کہ

۹۲۶ھ میں جب سلطان اس معبود نے مکہ معظمہ میں تکیہ اسلامی ہمارے

اور بندہ وستان کی مختلف خطوں کی طرف سے وفد بھیجے گئے، تو خلافت کے وفد کی صدرت
تیسرے شمل میں وراہ راہ پنجاب کے صدر سے اس حاکم کے حصہ میں آئی اور اس کے
محمد عیسیٰ شہزاد علی، شعیبہ قشچی ہوئے اور جمعہ۔ اگلے دن کے وفد کے صدر مولانا کاکایت
اللہ دہلوی اور محمد علی احمد سعید، مولانا عبدالحکیم صدیقی اور مولانا عرفان مرحوم تھے۔ یہ کل
ولید ایف بی جہاز پر تھوڑا کھوڑا ہوا، اور اس طرح اس سفر میں مولانا شہیر احمد عثمانی مرحوم کو
بہت پاس سے دیکھنے کا موقع ملا۔ طبیعت میں بڑی نزاکت تھی اور بات بات میں وہ چیز
ظاہر ہوتی تھی۔ اس کے رفقاء سفر اس کی بڑی رعایت کرتے تھے۔ یہ یعنی صاحب علم
جو بزرگ میں اس کے شاعر تھے اس کی خدمت کرتے تھے اور یہ خدمت پورے سفر حجاز
میں انہوں نے کی۔

بدوستان کے معظّمہ تک ہم سب ایسا لاری میں آئے۔ جب کہ معظّمہ قریب ڈالو
محرم پر قریب نیست طاری تھی۔ انہوں نے (خ) قرآن کا ۱۷۰۰ ہائے حاتم اور ہم سب قریب
کے ۱۷۰۰ میں تھے، جیسے جیسے کہ معظّمہ قریب آتا تھا، ان پر گریہ کا غلبہ ہوتا تھا۔
چوٹ پھوٹ رہے تھے۔ یہ سب کا دوسرا ٹی تھا۔ (پیدائش ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء میں کیا تھا)
ماہ معظّمہ میں موٹر کے جسے ایک ماہ کے قریب ہوتے رہے۔ ان میں ہم لوگ
شریف رہے اور کٹر موٹر، ناشر احمد عثمانی بھی شریک ہوتے تھے، سب سفر میں مجھے
مدرسہ و مدرسہ عربیہ قریب قریب پر بھی طرح طرح تھے۔ سلطان سے خلعت اور جمیع
کے قریب ساتھ لے کر آیا، مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس
موقع پر سب سے پہلے کہا کہ وہ بندے عطا دہ اور انہی مسلک پر اچھی اور شریک گفتگو کی اور
سلطان سے ملنے گئے۔

ماتر عام ملوکی سے اجلاس میں ۳۰ دکانداروں سے کئی تقریریں ہوئیں اور مطالبہ کیا کہ ساری تجاویز کا بہت مشورہ اور مطالبہ اس مقرر کے لئے کیا گیا ہے جو

قریباً کہ "میں آپ کا ممنون ہوں، آپ کے خیالات اور بیانات میں بہت رقت اور جذبہ ہے اور وقتِ سال پر مشتمل ہے۔"

مؤتمرِ عالمِ اسلامی کے آخری اجلاس میں مولانا عثمانیؒ کی تقریر

سلطان ابن سعود کے عدل اور دیانتداری کا اعتراف

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

حضرات! میرا عقیدہ ہے کہ آپ کی وہ تمام قراردادیں جو آپ نے مؤتمر میں منظور کی ہیں، درودِ باری شکوہ جو آپ کے مابین جاری رہی، اس وقت تک بے سود ہے کہ رکابِ مؤتمر کے مابین، حوت اور دھاتی کے رشتے ستوارہ ہو جائیں۔ اگر آپ کے توسط سے مسلمانانِ اُتارِ عالم اخوت و ملاقات کے ایسے مقامِ رشتے میں سرِ بوجہ ہو جائیں گے تو میں بخلی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے جدا کرنا جاری ہے اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ہم میں سے ہر ایک مرد عامۃً مسلمانوں کے حالات کی گہرائی رکھے اور اپنے عزیز اوقات میں سے ایک حصہ اسلام کے مصالحِ عمومی پر غور و خوض کرنے اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے اسباب و وسائل تلاش کرنے کے لئے وقف کر دے۔ میرے نزدیک اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے بڑا ذریعہ اور سب سے بڑا وسیلہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو عطا فرمایا ہے اور اس کے بحول کی تعلیم سے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ سرزمینِ مقدس باغیوں اور جانوں کی خدمتوں سے پاک ہوگئی ہے۔ بے مسکن آ رہو گئے ہیں کہ حوتِ اسلامیہ کی توثیق و تجدید شریعتِ محمدیہ کے احیاء اور کلمۃ اللہ کے علاوہ کے لئے بلا خوف و خطر جد و جہد میں جوق و جوق آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس عظیم، عظیم کا انصراف صاحبِ اجلاتہ عبد العزیز بن سعود، نصرہ اللہ و یدہ و روح سے کے ماتحتوں کا مہربان تھا۔

مردمِ سلام اور قبیلہ مسلمانین کو شریف حسین اور اس کے پیلوں سے آرا کرانے اور بد میں میں عالمِ سلام کے پلہ ایسے آراوانہ جہاز کا درود رکھوئے کی توفیق اللہ تعالیٰ سے انہیں عطا فرمائی اور اب مسلمانوں کا عالم خدا کے کمر میں بیٹھ کر اپنے مصالح و منافع سے باخبر مشورہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے خوف کو دس میں بند دسے کر سلامت کنہ وہی سلامت سے بے پرواہ ہو سکتے ہیں اور یہ سب سے بڑا نصل اور سب سے بڑا کرم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے سلطان عبدالعزیز کو سرفراز فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ خاص ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے قربہا قرآن سے کسی فرد کو مشرف نہیں فرمایا۔ ذلک الفصل واللہ یونہ من یشاء واللہ ذو العظیم۔

حضرات! ہم نے مواتر کے سارے حالات مشاہدہ کئے۔ ان کے کیف و کم کا سارہ منظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ جہاں پر کبھی املاط کا نقشہ طالعہ اور عالم طاری ہو جاتا تھا اور کبھی استیلاص و کسیدگی چھا جاتی تھی اور بعض اوقات ہم آپس میں کسی باتیں کرنے لگتے تھے جس سے دوسری کہ دورت پیدا ہوے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا تھا، بلکہ کمرسی بھائی کو محسوس ہوا کہ وہ تو بید نہیں کہ وہ بعض باتوں کو اپنی توہین و تذلیل پر مبنی کرے۔ لیکن ہمیں مسلمانوں سے جس غفلت رکھنے کا حکم ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام غصے اور ہنسوں سے بھرے اپنی قوم کی طرف الپس تھے۔ تو رات دن دواغ اور ملین پردے پکا اور اپنے بھائی کو دڑھی دوسرے جلا رکھینے لگے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ معذرت پیش کی کہ اے میرے ماں جاتے بھائی، مجھے سر درد دڑھی سے جلا رہا ہے۔ مجھے ارقہ کہ کہیں تم یہ نہ کہے بلکہ تم نے ہی اسرائیل میں تعزیرہ ال دیا۔ جس آرم میں سے کسی نے مواتر میں اپنے بھائی کی دادرسی جلا رکھی ہے، تو غصہ کے فرد نے سے بندہ رہے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ کہے

رب اعظم لی ولا خفی و لا خفا فی و حمتک و انت ارحم الراحمین۔

(اسے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے، ہم پر اپنی رحمت نازل فرما تو سب سے زیادہ رحمت کرنے والا ہے)

مومنوں کا قصہ کی سیکی شاں ہے، وہ لوگ جن کے سینوں میں دوست احدا میں شہر ہے اور دلوں میں کی غرض و غایت اصلاح ہے، ان کا یہی شیوہ ہے، مہندوئین عالم اسلام کی ایک اجتماع جس طریق پر وقوع پذیر ہو، اس کی نظیر زمانہ سابقہ میں مفقود ہے، پس ہم لازم سے کہ اس شہر کے پروردگار کا جس نے ہمیں خوف سے مامون اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے مال مال کیا، اس عظیم الشان احسان پر کبھی شکر بجا میں۔ اس کے بعد ہم حالاتِ مسلمان عدل و عزیر کا شکر یہ ادا کرنا ضروری ہے، جن کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے یہ جلیل القدر کام سر انجام دیا۔ بدو مقدمہ کے خادم کی حیثیت سے ان کو حاصل عزت و عظمت حاصل ہے اور خصوصاً جب کہ عظمتِ مسلمان عرب، دیانت داری، وسعتِ قلب اور حسنِ اخلاق کی گونا گوں صفات سے متصف ہیں۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ خدائے راشدین و سلف صالحین و ائمہ متہدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے متبع ہیں۔ مزید برآں اللہ نے ہمارے مامون، سرکشوں اور قتلِ طریق کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیا ہے۔ حج و زیارت کے راستے ہانگل مامون ہو گئے ہیں، جن لوگوں نے مکہ و مدینہ کے، میں سفر کیا ہے، ان سے ہاتھ و آوازِ شہادت کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ شہادت دینے والے مختلف جماعتوں اور فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں، ایک ایک حقیقت میں وہ سب متفق اللسان ہیں کہ راستے ہانگل مامون ہیں۔

جس طرح حجاز کی حکومت کو عالم اسلام پر سیادت و قیادت میں برتری حاصل ہے، اسی طرح اس پر ذمہ داریاں بھی اسی نسبت سے زیادہ اور وسیع ہیں۔ حکومتِ حجاز ان اسلامی قایم سے جو سوتر میں مدعوں گئی ہیں، وسیع و بڑا ہے اور میر جاز موتر کی روح رواں ہے، اگر کہ میں خدا پیدا ہو گیا تو ساری موتر پر فدا داری ہو جائے گا۔

حصہ سے ، مؤخرترجی کی کامیابی زیادہ ترجیحی مقامی حکومت کی استقامت اس کی توجہ اور اس نے اس حساب پر منحصر ہے کہ وہ صرف کد کی ہیں ، بلکہ سارے مسلمانوں کی خدمت سے اور مسلمانان عالم اور حکومت مجازہ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق ہیں ۔ حکومت میرا ان حقوق کے ادا کرنے میں خوب حد ، دیاستداری ، صبر بالحق ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے ۔

ان فرض کی بجائے توری میں حکمت ، تسہیل ، فرخندگی ، میاشی اور تدریج کی ضرورت ہے تاکہ کسی نئی بات کے ارادہ کرنے سے کوئی بات پیدا ہو جائے ، جو اس سے بھی زیادہ بدی ، زیادہ ضرورہاں اور زیادہ پریشان کن ہو ۔ ہم ان بدعات و منکرات کے رد و جو سبائی نمائندگی میں اور ن بد و مظهرہ میں پھیل چکی ہیں ، نہ انہیں کچھ ، بلکہ تہذیبی امر یہ ہے کہ ہمتر مقصد کو مقدم رکھا جائے ، جب دو آفتیں پیش نظر ہوں اور ان میں سے ایک کو اختیار کرنا منگھائے حالت ل بدی ہو ، توں دو مصیبتوں میں سے اس مصیبت کو بدیہ بخوری اختیار کر لینا چاہئے ، جو مقبلہ ہلکی ہو اور مصائب و آفات سے نجات حاصل کرنے میں صحت و آسائش کا شیوہ اختیار کرنا چاہئے اور حلو و تعفی سے بچنا چاہئے ، کیونکہ تعفی فی اندیشہ ہی پہلے دلوں کے لئے باعث بلاآت بنا ہے ، کسی چیز پر شرکت و بدعت یا گمراہی کا عقیدہ رکھنے میں حدی نہیں ملنی چاہیے ، مفاسد کا موازنہ شریعت کے مصالح عامہ کے نقطہ نظر سے کرنا چاہئے ۔

حکمرات : آپ میری تقریر کا مقصد جانتے ہیں تفصیل کا موقع نہیں ہے ۔ عظمہ و اسطفا نے تہذیبی ، توں کو شرف و سعادت بخش اور تہذیبی تصرفات کو پسند کیا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ہم علماء و مجتہدین کے ساتھ بحث و مباحثہ کریں ۔ ہم نے اکثر علماء سے ساتھ گفتگو کی جس قدر تجارت و خیال ہے ، ہوا ہے ، امید ہے وہ ضرور بار آور ہوگا اور

مسئلوں میں اعتدال پیدا ہونا چاہئے گا۔ مؤخر کو چاہئے کہ یک زبان ہو کر حکومت جی کو اس
بیاد کی اصول کا احسان کرے۔ بہت کی سوز میں جو تاثیر ہوتی ہے وہ امر اس میں نہیں
ہوتی۔ لہذا ذکر فان الذکر ی نفع العوامین۔

تھیں خلافت کے محرم علی برادر ن (مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی) صاحب
عبد العزیز کے بھتیجن میں سے تھے اور خلافت کی وجہ صرف یہ تھی کہ بن دوں بھائیوں
تعلق بریوی مسند سے تھا اور بریلوی طبقہ سلطان بن سعود کا خلیفہ تھا۔

مولانا محمد علی جوہر نے سلطان بن سعود کے خلاف اپنے اخبار ہندو میں آڑ بھڑکائی
لکھے، مولانا طرغی خان سلطان بن سعود کی موافقت میں تھے۔ نبیوں نے مولانا محمد جوہر
کی تردید میں اپنے جبار میدان میں مصداق لکھے اور اس کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانی
کی آخری تقریر جو انہوں نے مؤخر عالم اسلامی سے آخری اجلاس میں کی تھی، اخبار زمیندار
میں شائع کی۔

مولانا شبیر احمد عثمانی "دی تھدہ ۱۳۴۴ھ سے شروع میں تک معظم روایت ہوئے
اور صفر ۱۳۴۵ھ میں واپس ہندوستان تشریف لائے۔

جمعیتہ العلماء کا قیام

جمعیتہ العلماء کے قیام کے سلسلے میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
”حیات سلیمان“ میں لکھتے ہیں کہ

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں ایک عرصہ دراز تک علماء ہی پیش پیش
رہے۔ دراصل اس تحریک نے بنی وہی تھے اور سب سے پہلے ان ہی نے انگریزوں کے
خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ سید احمد شہید بریلوی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید سے لے کر
شیخ الہد مولانا محمود حسنؒ و مولانا حسین احمد علیؒ تک ہر ایک اس سلسلہ جاری رہا۔ اور

سے بھی بہت پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے تیوریوں کے دور زوال میں جب مسلمانوں کی حکومت ختم نہ ہوئی تھی، انگریزوں کے روز افزوں اثرات اور اس کے نتائج کو محسوس کر رہے تھے اور اس سے آگاہ کیا تھا اور اس کے روکنے کی کئی علمی و عملی کوششیں بھی کیں۔ حضرت شیخ الہند نے اس زمانہ میں ہندوستان میں سیاسی انقلاب کی کوشش کی، جب عام دور سے ہندوستانی آزادی کے صحیح مفہوم سے بھی آشنا نہ تھے۔ اس کے لئے قید و بند اور جلاوطنی کی مصیبتیں تھیں۔ اس لئے ہندوستان کی سیاسی و بیداری کے بعد اس کی آزادی کے لئے نومبر ۱۹۰۹ء میں جمعیت العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔

جمعیت العلماء کے قیام کے سلسلہ میں دہلی میں متعدد علمائے کرام جمع ہوئے اور ایک جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا ابوالوفا شاہ اللہ امرتسری کی تحریک اور مولانا مسیح الزمان دہلوی کے کرم کی تائید سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی اس جلسہ کے صدر قرار پائے۔ اس جلسہ میں درج ذیل علمائے کرام شریک ہوئے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا سلامت اللہ راج پوری، مولانا ابوالوفا شاہ اللہ امرتسری، شیخ محمد امجدی، مولانا اسد اللہ سندھی، مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، مولانا محمد میمن، مولانا خوجہ غلام نظام الدین، مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا محمد امجدی سیالکوٹی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا سید کمال الدین، مولانا قاسم بخش، مولانا حاج محمد، مولانا محمد ابراہیم درویش، مولانا خدا بخش، مولانا مولانا بخش، مولانا عبدالکیم گیلوی، مولانا خیر الزماں، مولانا محمد ارم، مولانا محمد صادق، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا سید ساجد، مولانا محمد عبداللہ، مولانا آزاد سبحانی۔

جن علمائے کرام نے جمعیت العلماء کے قیام میں بہت زیادہ دلچسپی لی، ان میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا آزاد سبحانی اور شاہ عبداللہ

مرقسری رحمہ اللہ جمعین شامل تھے۔

جلسہ میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری نے تحریک کی کہ جمعیت علمائے ہند سے لئے بالنقل کوئی عارضی صدر اور عارضی ناظم مقرر کر لیا جائے تاکہ اس وقت ضروریہ کے انصراس کی ایک آسان سہیل میسر ہو جائے اور صدارت کے لئے میں مولانا کفایت اللہ دہلوی اور نظامت کے لئے مولانا حافظ احمد سعید دہلوی کا نام پیش کرتا ہوں۔ اس کی تائید مولانا سلامت اللہ راج پوری، مولانا مظہر الدین اور مولانا محمد اکرم خان نے کی۔ چنانچہ اتفاق رائے سے یہ تجویز منظور کر لی گئی۔

اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ دبیر کی آخری تاریخوں میں جمعیت العلماء کا اجلاس امرتسر میں منعقد کیا جائے۔ چنانچہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اسلامیہ مسلم ہائی سکول امرتسر میں جمعیت العلماء کا پہلا اجلاس مولانا عبد الہادی فرنگی محلی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

جمعیت العلماء کا دوسرا اجلاس

جمعیت العلماء کا دوسرا اجلاس ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پانچ سو سے زیادہ علمائے کرام نے شرکت کی۔ چند مشہور علمائے کرام یہ تھے۔
مولانا عبد الباقی مرگئی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا آزاد بھائی، مولانا عبد اللہ الکافی، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا فضل اللہ درازی، مولانا حبیب الرحمن عثمانی، مولانا خلیل الرحمن سہارنپوری، مولانا سید مرتضیٰ حسن مراد آبادی اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ جمعین۔

جمعیت العلماء کا تیسرا اجلاس :

جمعیت العلماء کا تیسرا اجلاس بمقام لہور ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۱ دسمبر ۱۹۲۰ء

مطابق ۸ تا ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ صدر مجلس استقالیہ مولانا عبدالقادر قصوری تھے۔ اس اجلاس میں ایک اہم قرارداد پاس ہوئی، جو مولانا حبیب الرحمن عثمانی نے پیش کی تھی۔ قرارداد یہ تھی

”مسلمانوں کا کسی غیر مسلم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنا جس سے کفر کی شرکت برہمی ہو اور اسلام کی قوت کو صدمہ پہنچتا ہو قطعاً حرام ہے اور اس صورت کی حرمت متفق علیہ ہے۔ اس کے جواز کے لئے میلے (مومن) اور مسلمانوں کی باہمی جنگوں سے استدلال کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

اسی قرارداد کی تائید سب سے پہلے مولانا شبیر احمد عثمانی نے کی۔ بعد ازاں مولانا محمد فاضل مولانا سید مرتضیٰ حسن، مولانا محمد اسحاق مراد آبادی، مولانا ابوالوفاء شاہ، اللہ امرتسری، مولانا عبدالقادر قصوری اور دوسرے علما نے کرامت کی۔

اس اجلاس میں یہ بھی طے پایا تھا کہ تنظیم جماعت مسلمین کے لئے امیر الہند کا انتخاب کیا جائے اور اس کے لئے ایک سب کھٹی بنائی گئی جو امیر شریعت کے اختیار سے فرائض کا مسودہ تیار کر کے جمعیت کے آئندہ اجلاس میں پیش کرے۔ اس سب کھٹی کے ایک رکن مولانا شبیر احمد عثمانی تھے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی ”جمعیت العلماء کے تمام اجلاسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔“ اپ ۱۹۳۲ء تک جمعیت العلماء سے وابستہ رہے اور ۱۹۳۵ء میں اس کی رکنیت سے عہدہ ہو گئے۔ عہدہ کی وجہ جمعیت العلماء متحدہ قومیت کی حامی تھی اور مولانا عثمانی ”دو قوی نظریہ“ کے حامی تھے۔

جناب سید محبوب رضوی تاریخ دیوبند میں لکھتے ہیں کہ سیاست میں مولانا عثمانی ”اولاً جمعیت العلماء ہند کے ساتھ شریک تھے۔ اس سے پہلے وہ خلافت کمیٹی کے اہم رکن رہ چکے تھے۔ ۱۳۳۲ھ، ۱۹۱۴ء میں جنگ بلقان کے زمانے

میں انہوں نے ترکوں کے لئے چھو جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ مولانا مٹنیؒ سالہا سال تک جمعیتِ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کے ذریعہ رہے۔ جمعیتِ علماء ہند کے صوبائی اہل کے رہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ آخر میں ان کو متحدہ قومیت کے مسئلے پر جمعیتِ علماء ہند سے اختلاف پیش آیا اور وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

جمعیتِ علماء اسلام کا قیام :

جمعیتِ علماء ہند متحدہ قومیت کی حامی تھی۔ اس نے اس نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی۔ مولانا مٹنیؒ متحدہ قومیت کے مخالف تھے اور ردِ قومی نظریے کے حامی تھے۔ اس بنا پر آپ نے جمعیتِ علماء سے علیحدگی اختیار کر لی اور جمعیتِ علماء اسلام کے نام سے علیحدہ جماعت قائم کی۔ آپ کے ساتھ مولانا ظفر احمد مٹنیؒ اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ درکنار دوسرے علماء کرام شامل تھے۔ مولانا مٹنیؒ کو صدر بنایا گیا اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نائب صدر بنائے گئے۔

جمعیتِ علماء اسلام کا تاسیس اجلاس اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں منعقد ہوا۔ مولانا مٹنیؒ حاضر تھے۔ اس لئے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ اجلاس مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا میر سیالکوٹیؒ کے صدارتی خطبہ سے پہلے مولانا مٹنیؒ کا پیغام پڑھا کرنا یا گیا۔ مولانا مٹنیؒ نے اپنے پیغام میں فرمایا

اسلامی نقطہ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطرِ ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اس کے کھل اور آفری قانون کو اس کی زمین پر رائج کر کے التزام کر لیا ہے۔ وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری جس نے اپنے اوپر ایسا التزام نہیں کیا، اس کا شرعی نام کافر ہوا۔

”لعمریک کافر و منکم مومن“

اسی اسی نقطہ نظر سے لاجالہاں غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی اور اب

اس چیز کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے احراجات سے کوئی قومیت متحد و متحدہ معنوں میں نہیں بنتی۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے اپنا صدارتی خطبہ "تہوں و معاشرت اسلامیہ" کے عنوان سے ارشاد فرمایا۔ جس میں آپ نے کتاب و سنت کی روشنی میں آزاد و خود مختار مملکت کے قیام کے لئے پاکستان کو اسلامیان ہند کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، دینی اور ملی ضرورت قرار دیا۔ مولانا سیالکوٹی نے اپنے خطبہ میں ہندو مت و مذہب کا پختہ مارٹم کیا اور کانگریسی درارتوں کے قیام کے بعد ہندو ازم کے قیوم اور مسلمانوں پر مظالم کی تصویر کشی کرتے ہوئے گاندھی کے کردار کو بے نقاب کیا۔

مولانا عثمانیؒ کا پیغام اور مولانا میر سیالکوٹی کا خطبہ اخبار عصر جدید ٹکٹ کی اشاعت نومبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئے۔

مسلم لیگ میں شمولیت :

جمعہ علمائے اسلام کے اس اجلاس کے بعد مولانا عثمانیؒ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ

مولانا عثمانیؒ سے میری آخری ملاقات اُس سال ہوئی، جب جمعہ علمائے اسلام کا اجلاس ٹکٹہ میں تھا اور اُس میں ان کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا گیا تھا، جس کی اس زمانہ میں بڑی دھوم تھی، جس کے بعد مولانا عثمانیؒ مسلم لیگ کی دعوت میں اہم عنصر کی حیثیت سے شامل ہو گئے ورنہ روز بروز ان کا تعلق مسلم لیگ سے بڑھتا ہی چلا گیا۔

مولانا عثمانیؒ نے اپنے پیغام میں جہاں رد قومی نظریہ کی حمایت کی تھی۔ وہاں آپ سے جامعہ مسلمانوں کی مسلم لیگ میں شرکت کو ضروری قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پیغام میں فرمایا کہ

اس وقت مسلمانوں کو خصوصاً پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی جانید و حمایت میں حدود و شریعت کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہئے۔ میں یہ یگانہ کرتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلم لیگ کا کام ہوگئی تو پھر شاید مدت و رات تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لئے وقت کی ضرورت ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں اور ساتھ ہی عوام مسلمین ہر قدم پر مختلف عنوانوں سے یہ غلط کر رہے ہیں کہ ہم نے زمین لے لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اسی قومیت کی حفاظت کے لئے دیا ہے اور تمام دینی معاملات میں ہم حاکم دین اور علمائے ربانی کی آواز کو سب آوازوں پر مقدم دیکھنا چاہتے ہیں، اگر خدا نکر وہ ایسا نہ ہوا تو ہم ان شاء اللہ ایسے فاسد عناصر سے مسلم لیگ کو صاف کر کے دم میں گے۔

ہندوستان کے مسلم اکثریت کے صوبوں کو اسلامی مرکز (پاکستان) قائم کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے مولانا مٹائی نے اپنے پیغام میں فرمایا کہ

ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ اس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو، جہاں اس کے قومی محرکات اور عزائم فروغ پائیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مادی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے دروک ٹوک نافذ کر سکیں۔

بہر حال اس (مرکز) کا نام پاکستان رکھو، حکومت الیہ کوئی اور مانتی بات ضرور ہے کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور اس کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت و اقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔

۱۹۳۵ء کے ایکشن میں مولانا مٹائی نے ہندوستان کے مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ چہا ری بلا ہی میں مضمر ہے کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیئے جائیں۔ مولانا مٹائی نے اپنے بیان میں فرمایا کہ

میرے نزدیک مسلم لیگ کی جانب کو ترجیح ہے، لہذا شخصیات سے ہے پروا دہو کر

اس کے نامزد کردہ "میداد کو ووٹ دینا چاہئے۔ ۱۸ مئی ۱۹۷۶ء، مقیم گڑھ میں جمعیت علماء اسلام کے جلسہ میں مولانا مٹھانی نے اپنی تقریر میں واضح الفاظ میں فرمایا:

پاکستان مسلمانوں کا پیہ انٹی حق ہے کہ اس وقت انگریز اور ہندو دونوں پاکستان کو نہیں مانتے، لیکن ایسا وقت آئے گا، جب یہ دونوں قومیں از خود پاکستان دے دیں گی، لیکن اس کے لئے ہم کو اپنے بھولے ہوئے فریضے اسلامی جہاد کو پھر سے یاد کر کے عمل کرنا ہوگا۔

پاکستان آج :

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا تو مولانا مٹھانی "مسلم لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ کراچی تشریف لے آئے اور آخر تک ان کا قیام کراچی میں رہا۔ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے رکن، مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن اور شرعی دستور ساز کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ آپ نے کوئی سرکاری عہدہ قبول نہ کیا، مگر مذہبی معاملات میں ان کی حیثیت شیر خاص کی تھی۔

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ

پاکستان میں انہوں نے بہت سی دینی اور ملی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ پر ان کی ملی اور ریاستی خدمات کا خاص اثر تھا۔ خصوصاً ان کو عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی اور ان کی دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنمائی بھی مسلم بھی جاتی تھی۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ

مولانا شبیر احمد مٹھانی "پاکستان مجلس آئین ساز کے رکن بھی تھے اور اس جماعت کے روح رواں تھے، جو اس آئین کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہتی ہے اور اس راہ میں مولانا مٹھانی ہی کی ابتداء کی کوشش کی کامیابی کا وہ نتیجہ تھا، جس کو پاکستان کی آئینی اصطلاح میں قرار دے دیا گیا ہے۔

وفات :

پاکستان میں جامعہ عباسیہ بہاولپور ایک قدیم دینی تعلیم گاہ ہے۔ اس کا تھکائی اور تعلیمی نظام بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ ریاست بہاولپور کی وزارت تعلیم نے مولانا عثمانیؒ سے درخواست کی کہ وہ بہاولپور آ کر جامعہ عباسیہ کی اصلاح و ترقی کے لئے مشورہ دیں۔ آپ نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو آپ بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۱۲ دسمبر تک آپ بالکل اچھے تھے۔ ۱۳ دسمبر کی شب بخار ہوا اور ان کے سینہ میں درد شروع ہوا، لیکن چند گھنٹے بعد آپ کی روح حق تعالیٰ سے پرواز کر گئی۔ **واللہ و الا للہ و الا للہ و ارجو**۔

تاریخ وفات ۳۱ دسمبر ۱۳۶۹ھ / ۱۳ دسمبر ۱۹۳۹ء۔

آپ کی فتنہ کراچی سے جاتی مکی اور محمد علی روڈ کے قریب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا ظفر علی خان نے مولانا عثمانیؒ کی رحلت پر اپنے خیبر میندار کی ۱۶ دسمبر ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں درج ذیل تقریبی شذرہ لکھا کہ

تقسیم ملک سے پہلے ہندوستان کے جلیل القدر علماء میں سے صرف مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تھے جو پاکستان کی تائید و حمایت کرتے رہے، جب پاکستان قائم ہوا تو مولانا کراچی تشریف لے آئے اور پاکستان کا نظام اسلامی احسانے میں بحال کرنے کے لئے کوشش فرماتے رہے۔ میں مرحوم کا صرف اس لئے معترف نہیں کہ ان کا اظہارِ عنایت و کھانا پینا کتاب و سنت کے مطابق تھا، اس لئے بھی مرحوم کا مدح ہوں کہ وہ اس چند صلے کرام میں سے تھے جو کتاب اللہ سے تھاق و معارف پر بالغ نظر رکھتے تھے، جنہیں شاہ ولی اللہ شاہ، عبدالعزیز اور مولانا محمود حسن رحمہم اللہ کے بعد قرآن و قرآن مجید کی پوری صلاحیت تھی،

جن لوگوں نے مرحوم کی تقریریں سنی ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا کے ایک ایک لفظ میں غم و غم کا سہرا موجزن ہوتا تھا اور ایک ایک بات میں دنیا بھر کے خفاقی پوشیدہ ہوتے تھے۔ میرے وطن کی بد قسمتی ہے کہ وہ ایسے عالم با عمل سے محروم ہو گیا، جس کی فکر و نظر نے پاکستان کے ادنیٰ حاکم کے شری نظام کا رنگ بھرا نثر شروع کیا تھا۔ جو ملک و اہل ملک کو اسلام کی یزدادہ صد سالہ روایات سے منور کرنا چاہتا تھا جو اسلام کے نئے چین چاہتا تھا۔ اسلام ہی کے نئے مرا۔ اللہ تعالیٰ اس بزرگ ملت کو جو ابر رحمت میں جگہ دے اور رحمت کو اس کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا ابوسعید بڑی فیض اخبار احسان، ہونے مولانا عثمانی کی رحلت پر لکھا کہ علمائے کرام کی صف میں مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی علمی شخصیت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ پاکستان تو درکنار دنیائے اسلام میں بھی آپ کے پاس کی کوئی ہستی نہ تھی۔

مولانا عثمانی دہشت و عظمت اور علمی بصیرت و مجتہد کے اعتبار سے علمائے کرام میں گلاسبرہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا عثمانی کی ذات کرامی و ذات حق جس نے عقل و دانش کی راشنی میں اسلامی احکام کی مصلحتیں آشکارا کیں اور متحدہ ہندوستان کے طول و عرض سے مختلف طور پر محکم اسلام کا لقب حاصل فرمایا۔

مولانا عثمانی کی ذات اہل پاکستان کے لئے ایک اصول جو رہا
 ہزاروں سال رگس اپنی بے لوری پہ روتی ہے
 بڑی مشکل سے ہوتا ہے جن میں دیدہ ور پیدا
 مولانا محمد منکونہ نے لکھتے ہیں کہ

مولانا شبیر احمد عثمانی اس دور میں عالم اسلام کی نہ چیدہ ہستیوں میں سے تھے۔ جن سے مہمیں سوخ و روئی بصیرت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ مطابقت کی وسعت و فکر کی اذیت اور نہ ہونے کی صورت و بدعت و حلاوت میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اسے دعا کو

بہترین اسلوب اور دلنشین انداز میں بیان کرنے اور دقیق سے دقیق مسائل کو سہاں کر کے سمجھانے کا ایسی خاص حلد و ہیئت پیدا کیا تھا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سہ کے انتقال پر فرمایا تھا کہ

”مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے نادر و نادر گار صاحب کمال صدیوں میں پیدا ہونے

ہیں۔“

کتابیات

۱۔ اہل سنت مسیحی و دور حکومت

عہد محمود، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

۲۔ تاریخ اسلام

سید محمد سہبائی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء

۳۔ تاریخ اسلام، ج ۱

سید محمد سہبائی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

۴۔ سید احمد رضاؒ کا سہ

مولانا سید محمد سہبائی، مطبوعہ لاہور

۵۔ خصوصیات کتاب

امیر سید مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء

۶۔ مہاتما سلیمان

مولانا شاہد حسین، عہدہ مولانا سہبائی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

۷۔ مہاتما عثمانی

پروفیسر انوار الحسن، شیرانی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۵ء

۸۔ مہاتما حیات مولانا محمد امجد علی، لاہور

مولانا قاضی محمد اعظم سیف، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

۹۔ مہاتما سید محمد امجد علی

مولانا فیض الرحمن، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

۱۰۔ مہاتما کوثر

مولانا محمد کریم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء

۱۱۔ مہاتما سید محمد امجد علی، لاہور

مولانا محمد اسحاق، سہبائی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء

۱۲۔ مہاتما سید محمد امجد علی، لاہور

مولانا سید سلیمان ندوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء



پیکر علم و عمل

دسمبر ۱۹۳۹ء کے وسط میں میں جزدہ میں تھا۔ ۱۲ دسمبر کی شام کو مغرب کے بعد سکول سے سو دینے اور رات خارجہ جزدہ میں ایک ہندوستانی مسافر کی دعوت تھی۔ شہر کے کچھ محرمین اسلامی حکومتوں کے سیر اس میں شریک تھے۔ ہندوستان، پاکستان، مصر و عراق وغیرہ کے سیر اور وزارت خارجہ سو دینے کے بعض ارکان موجود تھے۔ میں ہندوستانی کنسل کے نمائندہ اس پر و فیسر عبدالحمید خان انڈین کنسل اور مولانا عبدالحمید الحریری کشنراج متھن جزدہ ۱۰ سالہ ساتھ وہاں پہنچا۔ احباب کچھ آچکے تھے، کچھ آ رہے تھے، مختلف موضوعات پر گفتگو تھی۔ سویت سے کراچی میں اسلامی ملکوں کی جو اقتصادی کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس میں تباہی طرف سے محاذ کی اقتصادی حالت کی جو مطبوعہ رپورٹ اس وقت سامنے رکھی تھی۔

اس پر گفتگو ہو رہی تھی کہ اسے میں جزدہ میں پاکستانی کنسل مسعود صاحب جو مولانا ابوالہ کات عبدالرؤف صاحب رانا پوری کے صاحبزادہ ہیں، تشریف لائے اور شہادت افسوس کے ساتھ یہ ذکر کیا کہ آج مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر کے سننے کے ساتھ مجلس پر آدھی چھ گئی۔ میرے سامنے پوری نصف صدی کی معصوماتہ مسالمتوں کی ایک دیباغہ گزری۔

۱۹۵۰ء کی بات ہے، وہ دارالعلوم دیوبند میں اور راقم دارالعلوم ندوۃ میں تعلیم پارسے تھے۔ یہ زمانہ دونوں درسگاہوں کا ریں رہا تھا۔ دارالعلوم ندوۃ میں میرے ساتھ

میرے ایک عزیز قریب و ہموطن (مولوی سید محمد قاسم صاحب خلیف الرشید مولانا شاہ جیل حسین صاحب غنیف شاہ فضل الرحمن صاحب خلیج مراد آبادی و حضرت مولانا شاہ امداد شاہ صاحب مہاجر کی رحمہ اللہ تعالیٰ) رفیق درس تھے۔ وہ اپنے والد کے حکم سے مددہ چھوڑ کر دیوبند چلے گئے تھے۔ ان کو جامعہ علوم کی انجمن ساری اور دختر داری کا بڑا اچھا سلیقہ تھا۔ چنانچہ دیوبند پہنچ کر انہوں نے اس سلیقہ کا ثبوت دیا اور دیوبند میں جامعہ علوم کی تقریر و تحریر کی ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ مولانا شبیر احمد صاحب جو ان دنوں انجمن کے ممبر کے طالب علم تھے اور تقریر و تحریر کا فطری ذوق رکھتے تھے، ان جلسوں میں دلچسپی لیتے تھے اور اسی مناسبت سے مولوی قاسم سے بھی ان کو محبت تھی۔ مولوی قاسم نے مددہ دیوبند کو طمانا چاہا۔ وہ میرے خطوط میں مجھ سے مولانا شبیر احمد صاحب کا تذکرہ کرتے تھے اور سلام پہنچاتے تھے اور میرا تذکرہ ان سے کرتے تھے اور میری طرف سے ان کو سلام پہنچاتے تھے۔ اس تعلق کا یہ اثر ہوا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے آشنا اور ایک دوسرے سے واقف ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اربعہ بند سے ماہنامہ القاسم اور ندوہ سے الندوہ نکل رہا تھا اور ہم دونوں کے مضامین اپنے اپنے پرچہ میں نکلتے تھے اور چھپتے تھے۔ اسی زمانہ میں مرحوم کسی تعلق سے لکھنؤ آئے تو مدرسہ میں مجھ سے ملے آئے۔ یہ میری ان کی طبع علمائہ مذاقات کا پہلا موقع تھا۔ یہ زمانہ ۱۹۰۳ء کی بات ہے۔

۱۹۰۳ء میں میری دستار بندی ہوئی اور ستار بندی کے جلسہ میں برکت عربی تقریر کی وجہ سے عربی مدرسوں میں ایک خاص شہرت حاصل ہوئی اور اسی زمانہ میں مولانا کو بھی فرحت حاصل ہوئی۔ وہ دارالعلوم دیوبند میں اور میں دارالعلوم ندوہ میں مدرس ہو گئے۔ اسی کے سال دو سال کے بعد کسی انجمن کی دعوت پر پنجاب جانے کا اتفاق ہوا، تو راہ میں سہارنپور آ کر دیوبند چلا گیا۔ یہ میری حاضری کا پہلا اتفاق تھا۔ ان دنوں دارالعلوم دیوبند میں میرے عزیز دوست ڈاکٹر سید عبدالحی صاحب (خلیف مولانا سید حکیم عبدالحی صاحب

باقلم ندوہ) اندوہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر دیوبند میں حدیث کے دورہ میں شریک تھے۔ میں نے اس کا اہتمام کیا کہ مجھے کوئی پہچانے کہیں، منہ چاد میں لپیٹے تھا۔ مدرسہ پہنچ کر سید عہد اہل صاحب کو پوچھ کر ان کے کمرہ میں گیا، وہ مجھے ایک ایک دیکھ کر کچھ کہاں چاہتے تھے کہ میں نے اشارہ سے ان کو منع کیا اور وہ ڈک گئے اور ساتھ لے کر مدرسہ اور درس کے کمرے دکھانے گئے اور آخر میں اوپر صحت پر دارا شوری اور دارا بہتہم دکھانے لے گئے۔ اتفاق دیکھتے کہ ایک طالب علم جو پہلے ندوہ میں پڑھتے تھے اور اب دیوبند میں زیر تعلیم تھے، وہ دارالہتمہ سے نکل رہے تھے، وہ مجھے دیکھنے کے ساتھ دوڑ کر مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم کی خدمت میں چلے گئے اور میرا نام بتایا، موصوف نے جو ہر حق متواضع اور خاکسار تھے، آپ معمولی طالب علم کے لئے یہ زحمت فرمائی کہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ مدرسہ کمرے میں لے گئے اور چائے کی دعوت فرمائی، جس میں اکثر حضرات مدرسہ شریک تھے۔ دوسرے وقت حضرت مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ نے اپنے فضیلت کدو پر کھانے کی دعوت فرمائی۔

ایک طالب علم کے لئے سب سے بڑی دعوت طالب علموں کے جلسہ کی ہو سکتی تھی چنانچہ مولانا حبیب الرحمن صاحب نے جلسہ کا اہتمام فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب حضرت مولانا محمد حسن صاحب صدر مدرس تھے مگر اس خدمت سے علیحدگی کا خیال کر رہے تھے اور حضرت مولانا نور شاہ صاحب اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب تارہ تازہ جواز سے ہندوستان واپس ہوئے تھے۔ جلسہ آراستہ ہوا، طالب علموں نے تقریریں کیں۔ آخر میں مولانا نور شاہ صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب نے عربی میں تقریریں کیں اور پھر اس کم سواد عربی میں تقریر کا حکم ہوا اور اس نے قبیل کی۔

اس زمانہ میں آریوں کی تحریک سے شرمی کا زور تھا اور عربی مدرسوں میں آریوں سے مناظرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ چنانچہ جلسہ کے بعد طالب علموں نے آریہ درس گاہوں

کے مناظرہ کا مظاہرہ کیا۔ طالب علموں کے دو گروہ تھے، ایک ایک مسئلہ کا حامی تھا دوسرا اس پر معترض۔ باہم سوال و جواب اور رد و قدح کا سلسلہ قائم تھا کہ ایک فریق کم زور رہا پڑ گیا۔ مولانا شہید احمد صاحب جو مدرسین کے ساتھ میرے قریب بیٹھے تھے، مولانا حبیب الرحمن صاحب سے اجازت لے کر مدرسین کی صف سے نکل کر طالب علموں میں مل گئے اور اس کم زور فریق کی حمایت میں فرمانے لگے اور خرابی تقریر کی قوت اور استدلال کے راز سے ہمارا امید ان جیت لیا اور سب نے ان کی دہشت کی ورطہ کی داد دی۔ میں نے حضرت شیخ الہند کی تمام عمر میں ایک دفعہ زیارت کی اور وہ اسی موقع پر نہایت سادگی اور خاموشی کے ساتھ ایک کمرہ میں جس میں کھری چار پائی اور ایک چٹائی اور ایک مٹی کا سونپا تھا، تشریف فرما تھے۔

اس واقعہ پر ساہ سال گزر گئے۔ مولانا شہید احمد عثمانی صاحب دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے ہوئے کتب حدیث کا درس دینے لگے۔ پچھ دنوں کے بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس ہو گئے۔ اسی زمانہ میں میر بھی دہلی جانا ہوا تو مدرسہ میں ان سے ملاقات ہوئی، مگر پھر دارالعلوم دیوبند لوٹ آئے۔ اسی زمانہ میں مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی طلبہ پر دیوبند آ کر مقیم ہوئے تھے۔ ان کا مشن یہ تھا کہ دیوبند پر جو تعلیمی فضا محیط ہو گئی تھی اور سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی مجاہدانہ روح جو اس علاقہ سے دینی چلی جا رہی تھی، اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں موصوفیہ انصار کی بنیاد پڑی اور اس کا ۱۹۱۷ء اس کے پس و پیش زمانہ میں مراد آباد میں بہت بڑا جلسہ ہوا۔ جس میں علی گڑھ اور ندوہ اور دیوبند کے اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بہت بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ ندوہ سے حضرت الاستاذ مولانا شبلی مرحوم شریک ہوئے تھے۔ اس جلسہ میں مولانا شہید احمد عثمانی صاحب نے افضل و افضل کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا۔ حاضرین نے

ہوئی روئی۔ اس مضمون میں گوچہ پر معصومات حضرت الاستاذ کی تعریف سے لئے گئے تھے مگر اس نتیجہ اس کے برعکس نکلا گیا تھا۔ یہ گویا حامیان عقل کے اس علم کا رکارڈ تھا جس میں خرقی حادث کے وجود اور معجزات کے صدور پر تاک بھون چڑھائی جاتی۔ حضرت الاستاذ نے واضح کر مجھ سے فرمایا تھا کہ انہوں نے معصومات میری کتاب سے لئے اور پھر یہ ہی روکیا۔

ایوب بد کے حلقہ میں اس زمانہ میں برہان لکھی جاتی تھی کہ مولوی شبیر احمد عثمانی صاحب کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم و معارف پر پورا حوا ہے، وہ حضرت مولانا کے مصائب و معانی کو لے کر اپنی زبان اور اپنی طرزِ ادب میں اس طرح ادا کرتے تھے کہ وہ دل نشین ہوجاتے تھے۔ یہ خیال رہے کہ مولانا قاسم صاحب کے مصائب بہت غامض، دقیق اور مشکل ہوتے تھے، جن تک حواس کی پہنچ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ان کے مضامین و حقائق کو کہنا، پھر زمانہ کی زبان میں اس کی تعبیر و تفسیر کوئی آسان بات نہ تھی اور اسی سے مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر و تحریر کی تعریف کی جاتی تھی۔

۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک مسلمانوں کی سیاست کروٹ سے رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے طرہیں پر کاپور کی مسجد، پھر بلقان کی جنگ، پھر یورپ کی پہلی جنگ عظیم کے واقعات پیش آئے اور ہندو مسلمانوں کے میل ملاپ کی سیاسی تحریر بڑھتی اور پھیلتی گئی۔

یہاں پر ایک بات مجھے بے محابا کہنا ہے، یہ وہ وقت تھا کہ جب مولانا ابوالکلام آزاد صاحب داخل رہا تھا اور ان کی آتش بیانی سے مسلمانوں میں آگ لگی ہوئی تھی اور وہ جہاد جس کا نام میرے سے لوگ ڈرنے لگے تھے، مولانا ابوالکلام نے اس کا تصور اس بلند آہنگی اور دیباچے سے چھوڑا کہ وہ بھولا ہو، سبق وگوں کی زبانوں پر آگیا۔ الہداس، دیوبند کے حلقہ میں جی آتا تھا اور حضرت مولانا محمود حسن فی مجلس میں پڑھا جاتا تھا۔ میں نے اس زمانہ میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب کا یہ فقرہ سنا تھا کہ ہم نے جہاد کا سبق بھلا دیا تھا اور

اس زمانہ میں مولانا عبید اللہ صاحب سندھی، حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے ترجمان تھے، مگر یہ حالت دیر تک قائم نہ رہی۔ اس حلقہ کی ایک جماعت پر مدرسہ کے مصراع مقدم تھے اور دوسرے پر اسلام کے مصراع، مولانا محمود حسن ولی سے دوسری جماعت میں شریک تھے۔ میں نے سنا کہ انہوں نے ایک دفعہ فرمایا کہ ۱۸۷۱ء کے بزرگوں نے توہ مدرسہ اپنے اصلی مقصد (جہاد) پر پروہ ڈالنے کے لئے بنایا تھا۔ بہر حال مولانا عبید اللہ سندھی کو دہ بند سے ہٹا پڑا اور دہلی میں مسجد فتحپوری کے ایک گوشہ میں دائرۃ المعارف کی بنیاد ان اور اس میں انگریزی خواں تعلیم یافتہ اور عربی کے فارغ التحصیل عالموں کو قرآن پاک کا درس اس جہادی اسپرٹ میں دینے لگے، جو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی زندگی کی روح تھی اور محمد بن سرحد (یا غصتاں و شمر قد) سے حلقہ اتصال قائم کیا گیا۔ اس وقت یورپ کی جنگ کے شعلے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور ہندوستان میں بغاوت کا خیال روز بروز تھا۔ انگریزی حکومت کی جاسوسی اپنا کام کر رہی تھی، مولانا ابوالکلام آزاد، محمد علی، شوکت علی، حسرت موہانی وغیرہ احرار سب نظر بند تھے، یا جیل میں تھے، حضرت مولانا محمود حسن نے ہندوستان سے ہجرت کی اور وہ جبار میں قید ہو کر مانا میں نظر بند ہوئے اور مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا سیف الرحمن و مولانا عبید اللہ انصاری نے ٹھپ کر افغانستان چلے گئے، جو لوگ اب باقی رہ گئے تھے، ان میں بڑے لوگ حکیم اسماعیل خاں مرحوم، ڈاکٹر انصاری مرحوم اور مولانا عبدالباری صاحب فرنگی بھی تھے۔ ان لوگوں نے قوم کی باگ سپہ ہاتھ میں لی اور پہلے مجلس خلافت اور پھر جمعیت العلماء کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت تک مولانا محمود حسن مانا میں تھے۔ ۱۹۲۰ء میں جو وفد خلافت لندن گیا تھا۔ اس کا ایک ممبر یہ راقم الحروف بھی تھا۔ عاشر مارچ یا اپریل میں جب مسٹر لٹل وڈ وزیر تعلیم قائم مقام دہلی سے ملاقات ہوئی تو میں نے حضرت شیخ ابندھی سیری و نظر بندی کے معاملہ کو ان کے سامنے پیش کیا۔

۱۹۲۳ء کے موصوف اسی سال کے اخیر یا ۱۹۲۲ء کے شروع میں مالٹا سے مچھوٹ
 ریمجہ سے جن میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب بھی تھے، واپس آئے، مگر شاید
 چند ماہ سے زیادہ رہا نہ رہے اور وفات پائی۔ اس درسوں میں عقیدہ مندوں نے ہر مس
 تے اس کو دیا مگر خود شریف نہ لے جاسکے۔ اپنے قائم مقام یہ ترجمان کی حیثیت سے
 مولانا شمس احمد ٹٹالی صاحب ہی کو بھیجا۔ ان مقامات میں سے خاص طور سے دہلی کے جلسہ
 میں ان کی یہ تہنیت یادگار اور مشہور ہے۔ گائے کی قربانی ترک کرے کے مسئلہ میں بھی
 مولانا شمس احمد ٹٹالی صاحب نے انھیں یا تھا۔ حضرت مولانا شیخ الہند کی طرف سے مولانا شبیر
 احمد صاحب نے نہایت اذکار تقریر فرمائی تھی۔ یہ ترجمانی اور تہنیت مولانا شمس احمد ٹٹالی
 صاحب نے نہ صرف فخر و شرف کا باعث، بلکہ اس کی سعادت اور ارجمندی کی بڑی
 دلیل ہے۔

۱۹۲۳ء سے آخر میں قیام میں کانگریس اور جمعیۃ العلماء کے شہداد اجلاس ہوئے
 جمعیۃ کے اجلاس کے صدر مولانا حبیب الرحمن صاحب تھے۔ ان کے ساتھ حلقہ دیوبند
 کے مشائخ و قاضی ہوئے تھے۔ اس میں مولانا شبیر احمد صاحب بھی تھے۔ کانگریس اور
 جمعیۃ کے یہ اجلاس ایک خاص حیثیت سے ہمیت رکھتے ہیں یعنی اس اجلاس میں کانگریس
 کی سیاست میں ایک اہم تبدیلی ہوئی اور پختہ موتی لالی سی آر دس بیکس، جمل خاص اور
 اس کے قاضی و مدیران رہنمائی میں ترک موالات کی جدوجہد جس میں کونسلوں اور اسمبلیوں کا
 ہائیکٹ بھی تھا، یہ تصور سامنے رکھی گئی کہ اس کونسلوں اور اسمبلیوں پر قبضہ کر کے حکومت کو
 سبکدست دیا جائے۔ گویا مقصد یہ تھا کہ مقصود کے حصول کے لئے طریق جنگ اور
 اس سے جنگ بدر جائے۔ اس تحریک کے حامیوں نے مولانا پارٹی اپنا نام رکھا۔ اس
 وقت کا مدھیائی والہ کا سربراہ محمد علی وغیرہ جیل میں تھے۔ ان کے خاص پیروں نے
 اس وقت ہی شہدادی اور گوجرانو (نہ بدستور) کا لقب پایا۔

کا ٹکریس کی طرح جمعیت کا حامی جلسہ ہوا، تجویز کے حامیوں کی طرف
خاکسار رہنے اور مخالفوں کی طرف سے مولانا شہید احمد صاحبؒ نے تقریریں کیں۔ مولانا
احمد صاحبؒ کی اس تقریر کا صرف ایک حصہ مجھے یاد ہے، جس میں انہوں نے مولانا
حضور الوری علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کی فتح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
قائم کرنا چاہتے تھے، مگر چونکہ قریش تو مسلم تھے، ان کو یہ بات کعبہ کی حرمت اور وہاب
خلاف نظر آتی۔ اس لئے حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا
”اگر تمہاری قوم تازہ مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ کو اٹھا کر پھر اس کی بنیاد پر ایسی مزار
رکھتا۔ یہ واقعہ یہاں ترکہ کے مولانا نے فرمایا کہ ترکہ مزارات کے بدولت اچھی نہ بنی تو
انگریزوں کی غلامی سے ہی بنی تھی ہے۔ یہ دوس اور اسماعیلی کے چکر میں پڑ رہے ہیں۔
جائے۔ بہر حال دوث لئے گئے اور مولانا کی مخالفت کامیاب ہوئی۔

مولانا محسین احمد صاحبؒ کا نام اس وقت تک حواہی سے کل مدعو تک نہیں
تھا۔ وہ اس تمام ہنگامہ کے وقت حضرت شیخ الہند کے ساتھ مانے میں تھے، ساتھ ہی
میں ہندوستان پہنچ آئے اور سب سے پہلی دفعہ وہ ہندوستان کی سیاست میں
حافظت کا طرہ میں مقرر کی حیثیت سے نمودار ہوئے اور اس مشہور نقاد کی
مزیدین میں تھے۔ جس میں مسلمانوں کیوں سے خون کی عازمت ترک کرنے کی آواز
تھی۔ اس کے محرک محمد علی درمویہ مولانا حسین احمد، پیر عالم مجدد اور سیف الدین
دغیرو تھے۔ آخر سب پر مقدمے چلائے گئے اور سب کو چند سال کی قید کی سزا دی۔

ج بڑھتا ہے اور وقتی گناہوں سزا کے بعد

اس قید سے آزاد دی کے بعد حضرت مولانا محسین احمد صاحبؒ پیش رہیں قرآن
میں حصہ لیے گئے اور قرطبی کی رہاں نے اس کو شیخ الہند کا جانشین مان لیا اور اب حضرت
شیخ الہند کے مسلک کی ترجمانی اور ان کی جماعت کی نمائندگی مولانا موسوی نے کی ہے۔

چاہے حالت اور جمعیت کے جلسوں میں مولانا شہیر احمد صاحب بھی آتے جاتے رہتے تھے۔
 لیکن یہ آہِ ارادت بھی کم ہوتی رہی۔

۱۹۶۶ء میں جب سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں عالمگیر اسلامی کانفرنس بلالی
 اور ہندوستان کی مختلف مجلسوں کی طرف سے وفد بھیجے گئے، تو خلافت کے وفد کی صدارت
 خلیفہ صاحب و راجہ ارمہا شاہ کے اصرار سے اس خاصہ وفد کے صدر میں آئی اور اس کے سر
 محمد علی شہت علی شہید قریشی ہوئے اور جمعیت العلماء کے وفد کے صدر مولانا مفتی کفایت
 اللہ صاحب و عمر حافظ سعید صاحب، مولانا عبد الحلیم صدیقی صاحب اور مولانا عرفان
 صاحب موجود تھے۔ یہ وفد ایک ہی جہاز پر چار روانہ ہوا اور اس طرح اس سفر میں مرحوم کو
 بہت پاس سے دیکھنے کا موقع ملا۔ طبیعت میں بڑی نزاکت تھی اور بات بات میں وہ چیز
 طے ہوتی تھی۔ اس سے رفقاء سفر کی بڑی رعایت کرتے تھے۔ ایک ایسی طالب علم
 جو دیوبند میں ان کے شاگرد تھے ان کی خدمت کرتے تھے اور یہ خدمت پورے سفر چار
 میں ہونے کی۔ جدہ سے مکہ معظمہ تک ہم سب ایک گاڑی میں آئے۔ جب مکہ معظمہ
 قریب آیا تو مرحوم پر عجیب کیفیت تھی۔ انہوں نے قرآن کا احرام باندھا تھا اور ہم سب قریب
 کے احرام میں تھے، جیسے جیسے مکہ معظمہ قریب آتا جاتا تھا اس پر گریہ کا طلبہ ہوتا جاتا تھا اور
 بھٹ پھوٹ کر رہ رہتے تھے۔ یہ ان کا دوسرا سفر تھا۔

مکہ معظمہ میں مؤخر کے جلسے ایک ماہ کے قریب ہوتے رہے۔ ان میں ہم لوگ
 شریک ہوتے رہے اور انٹر مولانا شہیر احمد حنفی بھی شرکت ہوتے تھے۔ اسی سفر میں مجھے
 مصر پر موصوف عربی تحریر و تقریر پر اچھی طرح کا دورہ تھے۔ سلطان نے خلافت اور جمعیت
 کے ایک ساتھ ملنے والے اور مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔ مولانا شہیر احمد حنفی نے اس
 موقع پر صاف توقع ہے اکابر دیوبند کے عقائد و تعلیمی مسلک پر اچھی اور شہت گفتگوں اور
 سلطان اس کو بے تک سنتے رہے۔

موتہم کی کارروائی میں تو مولانا نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا، مگر موتہم کے آخری اجلاس میں ایک مضمون انہوں نے پڑھ کر سنا، جس کو پہلے سے وہ لکھ لائے تھے، مگر اپنے رفقاء کو وہ پہلے سے نہیں دکھایا تھا۔ میں اس اجلاس میں شریک نہ تھا، مگر وفد جمعیت کے ارکان کو مولانا کے اس تمہید بیان سے بڑی حیرانی تھی، بہر حال بات خوب چپ ختم ہو گئی۔

حج کے مناسک میں بھی ان کی رفاقت رہی۔ یہ زمانہ گرمی کا تھا، بادِ موسوم کے جھونکے چل رہے تھے۔ علمبر کے وقتِ ودق و شوق میں مسجدِ مکہ میں نماز پڑھنے کی آرزو تھی، مگر آفتاب کی حدت اور دھوپ کی قحازت دیکھ کر ہمت نہیں پڑتی تھی، مگر مولانا کفایت اللہ صاحب اور حافظہ احمد سعید نے اونٹوں کا سامان کر لیا تھا۔ آخر مولانا کفایت اللہ صاحب کے ساتھ اونٹ پر اس کا ردیف بن کر چلے، مجھے ہر قدم پر ایسے عسوس ہوتا تھا کہ اب گرا اور تب گرا۔ اسی خوف سے واپسی میں پیدل آیا۔ اسی موسم کی شدت میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب پیدل ہی روانہ ہوئے مسجد کے قریب ہی پہنچے تھے کہ بادِ موسوم کے ایک جھونکے نے ان کو آگیا، مگر بال بال بچ گئے۔

اس نماز میں آنے کا شوق اس خیال سے بھی تھا کہ سلطانِ اہمست کریں گے اور ایک سلطانِ وقت کے پیچھے ہم ہندوستان کے غلامِ نماز پڑھیں گے، مگر مسجد میں جماعت تیار تھی، سلطان کا انتظار رہا، وہ نہیں آئے، تو ایک مصری شیخ نے نماز پڑھا لی، نماز ختم ہوئی تو دیکھا کہ سلطان اپنے نجدی امرا ہیوں کے ساتھ ننگے سر اور ننگے پاؤں لیے لیے قدم رکھتے ہوئے آ رہے ہیں، بعد کو جب سلطان سے ملاقات ہوئی تو میں نے حاجیوں کی طرف سے شکایت پیش کی کہ نماز میں آپ کا بڑا انتظار رہا۔ سلطان نے کہا کہ ہمارے نجدی بھائی آپ جانتے ہیں کہ چھتری نہیں لگاتے، اس لئے میں نے چاہا کہ آفتاب ڈھل جائے تو چلوں، مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی نماز ہو گئی، پھر کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں بھیجنے ہی سے بے گھر ہو گیا، تعلیم جیسی چیز بنے نہیں ہوئی، بدوی ہوں، قرأت نہیں جانتا، بد آواز بھی ہوں،

اس سے عمار پڑھا ہے مگر یہ کرتا ہوں۔ میں نے دعا کیا کہ سال میں ایک دفعہ لوگ سہانی سے اس آوار کو گوارا کر سکیں۔ مولانا شبیر احمد صاحب نے فرمایا کہ ہم ہندوستان کے مسلمانوں کو متفق رہتے ہیں کہ بارشادیا امیر کے پیچھے نواز پڑھیں۔ امیر افغانستان جب ہندوستان آئے تھے تو مسلمان بیکروں کو اس سے اس کے پیچھے نواز پڑھنے آئے تھے۔

کے معظّم سے مدد۔ منورہ تک سر میں بھی رفاقت رہی۔ میں گو محمد علی و شوکت علی صاحب وغیرہ کے ساتھ تھا، مگر ہم جنسی اور ہم ذاتی کے سبب سے اکثر جمیہ والوں کے یہاں آکر بیٹھا کرتا تھا۔ انہوں کا سفر تھا، بارہ روز میں منزلیں تمام ہوئیں، ہر روز ایک نئی منزل میں قیام تھا۔

میں مرحوم کی خدمت میں بیٹھا، اور طرح طرح کی باتیں ایک منزل میں مرحوم نے غدر دہلی کے زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور ان کے رفقاء جہاد مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حافظ ضامن علی صاحب شہید کے واقعات اور قصائد بھوں اور شامی پر تاخت اور مجاہدین کا عمل اور حافظ صاحب کی شہادت کے واقعات کو اس پر اثر طریقہ سے بیان فرمایا کہ روح نے لذت پائی۔

واپسی میں مولانا جہانز پر بہت ملل ہو گئے تھے۔ حالت بہت تارک معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے درجہ میں اس کا سفر تھا، جو جہانز کے پچھلے حصہ میں تھا۔ وہاں بڑی تکلیف جہانز کے بعض آلات دھڑ دھڑ کر کے لپچے کرتا تھا۔ اسی حالت میں ہندوستان پہنچے، بلا خزان کو صحت ہو گئی

ان کی آنکھیں کمر نہیں، ایک دفعہ تو تکلیف بہت بڑھ گئی تھی۔ سوگا (وہابیہ) کے لئے، انھوں نے مشیورہ اکثر تھے، ان سے علاج کرایا تو درست ہو گئی تھی۔

مرحوم اب تک دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین میں حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد سے کچھ انتشار رہا تھا، جو رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا تھا، ایک

طرف مولانا حبیب الرحمن صاحب اور مولانا حافظ محمد صاحب اور کچھ مدرسے تھے دوسری طرف مولانا انور شاہ صاحب، مفتی عزیز الرحمن صاحب، مولانا سراج محمد صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی اور بعض اوجوان مولوی عتیق الرحمن صاحب وغیرہ تھے۔ "خود دوسرا گروہ دایمہ پیر کو چھوڑ کر کجرت میں ڈال بھیل ضلع سورت میں منتقل ہو گیا۔ جہاں پہلے سے ایک مہموں کا مدرسہ قائم تھا، مگر کجرت، انجمنی خاصی تھی۔ مولانا انور شاہ صاحب اور مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا سراج محمد صاحب وغیرہ نے یہاں دوسرا دایمہ قائم کیا۔ بہت سے سرحدی اور جی، بنگال اور ہندوستانی طالب علم بھی اس کے ساتھ آئے اور چند سال تک رو رو دشور سے اس صاحبوں کا درس دیاں جاری رہا۔

اسی زمانہ میں خاکسار کو کسی جلسہ کے سلسلہ میں راجہ حیر ضلع سورت جانے کا اتفاق ہوا۔ ذابھیل قریب ہے، مولانا شبیر احمد صاحب کو معلوم ہوا تو ایک حیدر آبادی صاحب علم کو خط دے کر بھیجے۔ میں نے آئے کا وعدہ کیا اور دوسرے روز ذابھیل گیا۔ مدرسہ کو دیکھا، حضرات مدرسے سے ملاقات ہوئی، طلبہ سے ملا، طلبہ نے میرے لئے ایک جلسہ ترتیب دیا، جس میں تقریریں سو میں درست کو قصبہ میں جلسہ کا انتظام ہوا، جس میں مختصر تقریر کی۔ اس کے بعد مولانا نے تقریر فرمائی، جس میں میری فقیرانہ نسبت ایک فقرہ استعمال کیا تھا، جو درحقیقت میری حقیقت ہے۔ میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مجھے اس سے بہت "نفس" ہے، اس لئے کہ یہ علماء اور تعلیم یافتہوں کے دریاں ہیں سمیرہ ستودہ کی حیثیت رکھتے ہیں، پھر میری سب اہل القرآن کی قریب فرمائی۔

ان کے کجرت کے قیام سے زمانہ میں اس کی آمد و رفت حیدر آبادی کی طرف بہت بڑھ گئی تھی۔ شریعہ صحیح مسلمانانہ، اسی قریب جاری تھی اور کبھی کبھی میرا بھی جانا پاتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ یہ میاں کی مجلس میں میرا اس کا ساتھ ہوا، اسی جلسہ میں جو مصور اپنے مہم آئے "اے تھے میری تقریر پوری تھی کہ وہ آگئے۔ میرے بعد مولانا

شعبہ جہانگیر - جس سے تقریر شروع کی۔ حضور نظام سے بڑی داد دی، اور اہل محفل محفوظ
 رہے۔ جو کہ میں، اسی ترجیح کی، تھی حامی رد و کد شروع ہوئی مگر بعد نہ دلوں مقررہ
 سے، یہ صاف رہے اور رہا میں محفوظ۔

میں نے اپنے دل سے یہ بات کہہ دی تھی۔ غالباً یہ ستمیوں کے
 ہاتھوں میں نہ آئے۔ اور یہ ستمیوں کے ہاتھوں میں نہ آئے۔
 میں نے اپنے دل سے یہ بات کہہ دی تھی۔ غالباً یہ ستمیوں کے
 ہاتھوں میں نہ آئے۔ اور یہ ستمیوں کے ہاتھوں میں نہ آئے۔

[illegible]

موجودہ سے ماضی میں اور چھوٹے سے بڑے میں تو متعدد ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان
تینوں میں سے پہلے کا دور - ۱۸ ویں صدی کے قرونِ حوالی میں جو حضرت شیخ بہدائے
رحمۃ اللہ علیہ نے مانتا ہے - اس حوالی سے مروجہ قرآنِ مکی اور قصیدہ و سہا پر مبنی اور
موجودہ سے پہلے کے دور میں تو تہذیبِ محمدیہ ہی سے بہت بالذات - مجھے امید ہے کہ
اس دور میں قرآنِ مکی سے بہت زیادہ اثر ہوا ہوگا۔ اس حوالی میں انہوں نے حوالہ
دیا ہے کہ یہ دور تہذیبِ محمدیہ سے بہت پہلے کا دور ہے۔

ثبوت، ہم پہنچا ہے کہ وہ معاصرانہ رقابت سے کس قدر بند تھے۔ میں نے اپنے حلقہ میں ان کے حواشی کی افادیت کی ہمیشہ تعریف کی ہے اور ان کے پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ انھوں نے یہ ہے کہ یہ حاشیے بہت بڑے ہیں، اس لئے ان سے استفادہ میں مشکل پڑتی ہے۔ ان حواشی کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومت افغانستان نے اپنے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث کے ترجمہ اور مولانا شبیر صاحب کے حواشی کو افغانی مسلمانوں کے فائدہ کے لئے قاری میں ترجمہ کر کے چھاپا ہے۔ صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا خیال ان کو اپنی نوجوانی کے عہد سے تھا۔ صحیح بخاری کی شرح تو حنفی میں سے حافظ بدرالدین عینی نے بہت پہلے لکھ کر اختلاف کی طرف سے دور کر دیا تھا، مگر صحیح مسلم کی کوئی شرح حنفی نقطہ نظر سے اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ ان نے مرحوم نے اپنے دست و پاڑو کو آرمایا۔

انگریزوں کے عہد میں دیوبند میں جو بعض سیاسی اختلافات پیدا ہو گئے تھے وہ کامرہی اور لنگی خیالات میں جو آویزش تھی، اس کی اطلاع حیدری صاحب صدر اعظم حیدر آباد کے کالوں تک پہنچی تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مناسب سمجھا کہ مولانا شبیر صاحب کو "مفتی" کو مختتم بنا کر دیوبند بھیجیں۔ چنانچہ وہ اس صورت سے ڈھائی بل سے واپس آ کر دیوبند میں مقیم ہوئے اور اہتمام کا کام شروع کیا، مگر ظاہر ہے کہ صرف تقرر اور منصب سے خیالات اور نظریوں میں اختلاف دور نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ طلبہ میں اشتراک ہوئی اور اصول نامناسب واقعات پیش آئے، جن کا نتیجہ ان کا استعفاء تھا۔

اس موقع پر مجھے ایک بات یاد آئی۔ ۱۹۱۳ء کی بات ہے کہ ندوہ میں مولانا شبیر صاحب نے استعفیٰ پر ایک عظیم الشان اشتراک ہوئی تھی، جس میں علی گڑھ، دیوبند وغیرہ ندوہ کے اہتمام کے ساتھ تھے ور ملک اور قوم کے آراء خیال مور کا بوجھ آراء کی رہنمائی تھا طلبہ کی تائید میں تھے۔ اس وقت مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کا ایک مضمون "الاعتصاف

فی المنام کے معنوں سے الہدٰل میں نکلا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا
مضمون ہی الہدٰل میں نکلا تھا۔ جس میں اسٹرٹنگ کو ملا فوٹو لگایا تھا۔ اس مضمون میں
ایک مصرعہ یہ بھی تھا

لو آپ اپنے دم میں مینا آ گیا

پھر جب دیوبند کے احاطہ تک اسٹرٹنگوں کا سیلاب پہنچا تو ان کا یہ مضمون مجھے بہت یاد آیا۔
موصوف کے حیدر آباد دکن اور نظام حیدر آباد سے گونا گوں تعلقات پیدا ہو گئے

تھے۔ مرحوم نے اس ہنگامہ میں جو آر پیہ تحریک کے زمانہ میں حیدر آباد کے مسلمانوں میں پیدا
ہو گیا تھا، اپنی تقریر سے بہت کچھ مسلمانوں میں سکون پیدا کیا، یہاں تک کہ حیدری صاحب
نے اپنی موسیت ان کی رات کی نسبت طاہر کی اور مصعب میں ترقی کی، مگر ایک وقت ایسا آیا
کہ نظام پر تھکاوٹ کا غلبہ تھا اور اتفاق سے وہ مکہ مسجد میں غار پر چلے آئے تھے، تو مرحوم
نے تقریر فرمائی، جس میں یہ الفاظ آئے "انہم کے فضا کی بہت دشمن طریقہ سے بیان
کئے گئے۔" سے بڑی خوشی ہوئی، اور ان کے بے باک انداز کا اظہار
حق کی سب سے تعریف کی۔

مجھے خیال آتا ہے کہ مرحوم ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں، محسن اسلامیا اعظم گڑھ کی دعوت
پر اعظم گڑھ آئے اور ٹیلی منزل میں میرے ہی پاس ٹھہرے۔ اس وقت ان کی شرح مسلم
کے چھ اجزاء ساتھ تھے، جن میں قرأت کا تحفہ خلف امام دخیرہ اختلافی مسائل پر مباحث
تھے، جن کو بیجا سے مجھے سنایا۔ ایک اور دفعہ اسی زمانہ میں وہ اعظم گڑھ آئے، ٹھہرے کہیں
اور جگہ تھے، مجھ سے ملنے آئے، میں نے چائے پیش کی، تو پینے سے انکار کیا، انکار کی وجہ نہ
معلوم ہوئی، مگر بعد کو خیال آیا تو قیاس ہوا کہ چائے کی پیالیاں جو چائنی تھیں، ان پر
جانوروں کی تصویریں بنی تھیں، اس لئے ان میں پینے سے انکار کیا۔ بہر حال اس سے ان
سے تقویٰ و رزق کوئی کی صحبت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

مرحوم کی شرح مسلم جس کا نام فتح المسلم ہے، لکھنے کا کام تمام عمر جاری رہا۔ اسنے

یہ کام کے لئے ان کو کسی ریاست سے امداد کی قہر بھی، چنانچہ اس کے لئے حیدر آباد کی کاخیل تھا۔ اس کے لئے معروضہ پیش کیا اور آخر بڑے رد و اندے بعد ریاست نے اس کی سرپرستی منظور کی اور ہر جلد کے لئے کچھ ہاداد مصنف کے لئے ہاں۔ وظیفہ منظور ہوا اور دایمانے جمعیت خاطر کے ساتھ اس کی چند جلدیں لکھ کر شائع کیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر ذکر کے قابل ہے کہ جب ریاست نے نئی مدد منظور کی تو مرحوم نے تجویز دوستانہ خطاطی کر ہلی سلمی طرف سے ریاست کی سرپرستی کا شکریہ ادا کیا جائے، چنانچہ میں نے اس کی تعمیل معاہدہ کے تحت ریاست میں کی۔ انیسویں کے یہ کتاب کا تمام رہی۔

مرحوم سے میری آخری ملاقات اس میں ہوئی، جب جمعیت علمائے اسلام کا اجلاس کلکتہ میں تھا اور اس میں سٹائیک پیپر پڑھا گیا تھا جس کی اس زمانہ میں بڑی دھوم تھی اور جس سے بعد مرحوم مسلم لیگ و امت مسلمہ میں انہم عصر کی حیثیت سے شام ہو گئے اور روز بروز ان کا تعلق ایک سے بڑھتا چلا گیا۔ مرحوم اس زمانہ میں یاد تھے۔ شہت و پرانی سے مدد و رشتے تھے، لکھیے کاموں تھا درمیان میں۔ کسی وسیع پیمانہ کے علاج سے گاندہ ہو رہا تھا۔ شائق سے اس زمانہ میں میرا دلچسپا ہوا تو ملاقات کو ضرر ہوا۔ شہت سے ملے اور کچھ سے اپنے پیغام سے تعلق رائے پوچھی، تو میں نے اس کے نرم و حلیم لہجہ اور مصافی شاعرانہ آفریںوں کی زمانہ میں ان کو حیدر آباد آگن لی ریاست اپنی عربی اور گاندہ و مدد خطاطی میں مدد دی تھی۔ پانچ سو ہزار پر بل رہی تھی۔ مرحوم اس کے قبول و عدم قبول میں متردد تھے۔ مجھ سے بھی اس میں مشورہ چچھا، مجھے اس مدرسہ کا اندرونی حال جو معلوم تھا، وہ بیان کیا اور بعد قبول کا مشورہ دیا۔ بہر حال مرحوم نے بھی وہاں جاتا قبول نہیں کیا، بلکہ یوں کہنا چاہتے تھے کہ یہ حدوتوں میں ایسے لکھتے تھے کہ پھر دوسری طرف ان کو خدایں کا موقع ملے اور آخر میں ایک سے بڑے بڑے رہنماؤں کے ساتھ مرحوم بھی گراہی چھ گئے اور وہیں کے ہو گئے۔

مرحوم نے کراچی پہنچ کر کوئی سرکاری عہدہ حاصل نہیں کیا۔ مگر مذہبی معاملات میں ان کی حیثیت مشیر خاص کی تھی۔ اس لئے زبانِ حق نے اُس کو شیخ الاسلام کہہ کر پکارا، جو سری سلتون میں عواما قاضی القضاۃ کا لقب رہا ہے اور زیادہ تر اس لقب کی شہرت دوست علیہ میں رہی۔ اسی حیثیت سے مرحوم پاکستان کی مجلس آئین ساز کے رکن بھی تھے اور اس وقت کے روح رواں تھے، جو اس آئین کو سلاوی قاسب میں ڈھانچا جاتی ہے اور اس میں مرحوم ہی کی ابتدائی کوشش کی کامیابی کا دلیقہ تھا۔ جس کو پاکستان کی آئینی اصطلاح میں قراؤم مقاصد کہتے ہیں۔

مرحوم کو مستقل طور سے پاکستان چلے گئے تھے، مگر توجہ ہوگا کہ انہوں نے نہ تو اپنے ان کے گھر بنایا، نہ کسی کی ذاتی کوشی پر قبضہ کیا، بلکہ بعض عقیدت مند اہل ثروت نے ان کا نام لیا ہے اور اسی مساعرت میں اس مسافر نے اپنی زندگی بسر دی۔

مرحوم مروت کے آدمی تھے اور اہل حاجت کی سعی و سطرش بدل و جاب کرتے رہے۔ چنانچہ پاکستان کے اہل حاجت اور اہل غرض دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے رہے اور اپنی مادہ مرلت کا ورا حیل لئے بغیر ہر ایک کے کام آتے رہے اور حکام کے پاس جا جا کر طلبہ اہل سطرشیں کرتے رہے۔

مرحوم کا آخری کام ایک عظیم الشان عربی درس گاہ کے قیام کا خیال تھا۔ چنانچہ اس کے لئے انہوں نے ملک میں کی ایک جماعت بنائی تھی۔ میرے قیام بخار کے آخری روز۔ ۱۹۷۰ء میں ان کی طرف سے اس جماعت کا دعوت نامہ مجھے بھیجا تھا اور انہوں نے مجھے بھی اس کا ایک رکن بنایا تھا۔

مرحوم کی صحت اخیر دنوں میں کچھ نہ تھی۔ امسائل یا کتاب سے خیر۔ گاہ کا ایک دور میں ان کے گھروں میں خواجہ شہباز احمدین وغیرہ رہتے تھے۔ مرحوم کا نام بھی تھا۔ ان دنوں ملک کے سبب سے ان کی جگہ مولانا محمد احمد تھا وہی ہے۔ مرحوم پر واضح

کا اثر تھا۔ جس سے اُن کے دل دو داغ اور حساسی قوی پر بڑا اثر تھا۔ اتفاقاً وقت یہ تھا
 تھا شد یکے کے دسمبر میں جب سردی انتہائی نقطہ پر تھی۔ وہ جامعہ عباسیہ کی تعلیمی ضرورت
 بہاولپور گئے۔ جہاں سنا ہے کہ اس وقت بڑی سردی تھی، اس کے بعد کا حال سرائیکی
 ایک رسالہ "ندائے قلم" مورخہ جنوری ۱۹۵۰ء سے نقل کرتا ہوں۔

"۱۷ صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حضرت علامہ مرحوم و مغفور جامعہ عباسیہ
 ایک تقریب میں شرکت کیلئے تراجی سے بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۲۲ صفر ۱۳۶۹ھ مطابق
 ۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کی صبح تک طبیعت بالکل ٹھیک ہی معلوم ہوتی تھی۔ خلاف مسموں میں
 ایک پیالی کے بجائے دو پیالیاں چائے پی اور فرمایا رات کو کچھ حرارت رہی، چنانچہ
 وقت ڈاکٹر کو لیبلیفون کر کے طلب کیا گیا۔ ڈاکٹر نے بہت خفیف حرارت بتائی اور دو پیالی
 دس بجے کے قریب سیر میں غیر معمولی گھبراہٹ محسوس ہوئی، دوبارہ ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ نفس
 رفتار اس وقت اپنی طبعی رفتار سے کچھ کم تھی۔ ایک طبیب اور دوسرے ڈاکٹر کو بھی طلب
 کیا۔ بہاولپور کے دو برہنہ تعلیم اور دو برہنہ علم اور دو برہنہ مال بھی پہنچ گئے، چار پانچ ہفتش
 گئے، مگر مرض کی رفتار کم ہوتی گئی۔ آخر گیارہ بجکر ۵۰ منٹ پر یہ آفتاب علم غروب ہو گیا۔
 للہ و اما اللہ راحمہ۔"

مینٹ اسی روز شام کو بذریعہ پاکستان میل ۷ بجے کے قریب بہاولپور سے کراچی
 روانہ کی گئی۔ اسی روز شام کو پاکستان کے اس مایہ ناز عالم با ممل کو لاکھوں اظہار آکھوں
 سوگواروں نے پروخاک کیا۔ ڈیرہ نواب کے انٹیشن پر نواب صاحب بہاولپور نے مینٹ
 کی زیارت کی اور اپنے گھر سے رنج و غم کا اظہار کیا۔"

کراچی کے انٹیشن پر مسلمانوں کے بہت بڑے مجمع نے مینٹ کو اتارا اور پھر
 ہر دم کی قیامگاہ پر لائے اور چروہاں سے اُن کی قیامگاہ کے سامنے ایک زمین میں جس
 عامل ڈالونی کہتے ہیں، دفن کیا گیا۔ سندھ کے اقتدار میں سے بہاولپور ہی وہ مقام ہے

حس ہے، یونہی کے اکابر اور اہلِ اہلسنی مسجد کے مشائخ کو تعلق خاطر رہا ہے۔ اس نے اگر
 دوسری موت سی سر میں پر واقع ہوئی تو عالمِ مشائخ کے حوادث میں کوئی عجیب چیز نہیں
 ہوئی۔

مرحوم کی کوئی ٹھکانہ نہ تھی، لیکن مجھ اللہ کہ انہوں نے اپنی کیش باطنی اہل
 چوڑی ہے۔ یہ ان کے علاوہ ہیں، جو زیادہ تر دیوبند اور بعض و بھیل میں ان کے شرف
 تہذیب سے شرف ہوئے ہیں۔ ان میں بعض مشائخ کے نام جو مجھے معلوم ہیں، وہ یادگار کے
 طور پر یہ دقلم کرتا ہوں، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالہاشم، محمد حبیب الرحمن
 صاحب مغلٹی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی،
 مولانا محمد یوسف صاحب بدوی کہ ان میں سے ہر ایک بجائے خود دریائے علم ہے۔

مرحوم کی پیدائش ۱۳۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے ان کی عمر قریباً
 سے پچاس سال کی ہوئی۔ اس وقت جب مرحوم کے نصف صدی کے واقعات کو سپرد قلم کر
 رہا ہوں، میرا اس کاتب رہا ہے اور سب حاضر مسافر عدم کے لئے مغفرت کی دعا میں
 مصروف ہیں۔ ایسے نادروں روزگار صاحب کمال صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان
 سے مقدمہ کو نہ لو فرمائے اور اس پر اپنا ہر رحمت برسائے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں، مگر اس
 سے کارنامہ دنیا میں ان شاء اللہ تعالیٰ حیات جاوید پائیں گے۔

سالمہ، مرحومہ پر داور، جہاں خود ہو زیں نوہا کہ دریں کلمہ گرداں زدہ است

☆☆☆☆☆☆

از: محمد فیصلہ الوداعی شری

شیخ الاسلام کا علمی مقام

شیخ الاسلام کا مقام تفسیر :

شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی علمی و تصنیفی خدمات کے عنوان سے جن تصنیفات کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے اس میں علامہ کی تفسیر عثمانی پر درست علمی شاہکار ہے، یہ شاہکار نہ صرف تفسیر کا ایک معصوم گواہ ہے جس کے آثار سے مفسر کی عظمت شان کا پتہ چل سکتا ہے مفسر کے اس کائنات علم و فضل کے پھولوں کی سیر کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ ان کی طرف اجماع خوشبوئیں اور پر کیف مناظر کس طرح دماغوں اور نگاہوں کو معطر اور مسحور کر لیتے ہیں جس طرح دھریب وادیوں کے نظارے دیکھ کر انسان بے ساختہ سبحان اللہ کے نعرے طے کرتے لگتا ہے، اسی طرح علمی پھولوں کی بہاریں بھی قدم قدم پر دامن دل کو کھینچ کر لیتی ہیں کہ جائیں جا است بس غمخیز نے کی بھی جگہ ہے، وہ سینے کتنے خوش نصیب ہیں جن کے دل ایسے دل ہیں جن میں حکمت و دانش کے غنچے کھلتے ہیں اور ظاہری باغوں کے سیر و تماشا کے لیے نیاز ہو کر ہا دل کھولتے اور اس کی سیر کرتے ہیں۔

تفسیر عثمانی بھی ایک کھشن ہے جس کی سیر جب فردوس و عدن کی سیر سے کچھ زائد ہے، اس کی قدر و قیمت کے اندازے ان قدر دانوں سے چھپے جو اس کی بہاروں کے مشتاق و رلدادہ ہی نہیں بلکہ واقف حقیقت ہیں، آئیے علمائے دانشمند

یہ بات حکیم الامت جو انہوں نے تفسیر عثمانی کے متعلق پیش کی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی نگاہ میں اس تفسیر کی جو قدر تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ علامہ عثمانی "مفسر قرآن" کی جب کتابوں میں حضرت خلیفۃ المسیحؑ سے ان کی وفات سے پہلے حالت مرض میں ملاقات ہوئی تو تجلیۃ الامت تھانوی نے فرمایا کہ میں نے پناہ مند قلب جان وقف کر دیا ہے، البتہ وہ چیزیں جس کو میں محبوب سمجھتا ہوں اپنے پاس رکھ لی ہیں، ایک تو آپ کی تفسیر "الاقراء شریف" اور دوسری کتاب "جمع مہموز" اس واقعہ سے حکیم الامت کی نظروں میں تفسیر عثمانی کی قدر و منزلت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

علامہ عصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ

"مولانا کشمیر رحمہ عثمانی نے تفسیر قرآن حکیم لکھ کر دنیا کے اسلام پر بڑا حسان کیا ہے۔"

علامہ کشمیری کا یہ قول تفسیر عثمانی پر ایک ایسا تبصرہ ہے کہ اس سے اچھا اور تبصرہ ایک ہمد میں ہو نہیں سکتا۔

علامہ حبیب اللہ سندھی نے دور بہ قیام مکہ معظمہ میں جب پہلی مرتبہ ان تفسیری فوائد کو پڑھا تو انہوں نے علامہ مفسر کو لکھ کر بھیجی کہ آپ نے قرآن کریم کی جو تفسیر تحریر فرمائی ہے اس میں حضرت شیخ الہندؒ کی روح کا رفرما ہے ورنہ اس جیسی تفسیر کا لکھا جانا میرے خیال سے ناممکن ہے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

"لہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علامہ رحمان الحقؒ دور اس حضرت مولانا کشمیر رحمہ عثمانی صاحبؒ پر یہ مجد ہم کو دینا کے اسلام کا، ارشادہ "تقرب بتایا ہے۔ مولانا نے مصروفیت کے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، بے مثل تحریر، عجیب و غریب حافظہ، عجیب و

قریب تحریر وغیرہ کی بات علیہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص مصعب مزاج اس میں شامل نہ رہے قدرت نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو مصوف کی توجہ تکمیل فوائد اور ارفاق مطلقات کی طرف متعلق فرما کر حق عالم اسحاقی اور بانخصوص اہل ہند کے لئے عظیم المظہیر تہذیبیہ قائم کر دی ہے۔ یقیناً مولانا عثمانیؒ کے بہت سی ضخیم تفسیروں سے مستغنی نہ رہے کہ مسند کو کوڑے میں بھر دیا ہے۔

علامہ سید سید سید مدظلہ "تفسیر عثمانی" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "حقیقت یہ ہے کہ علامہ عثمانیؒ کے تصنیفی اور علمی تہذیبی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآن کے حواشی ہیں جو حضرت شیخ الحدیث کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں، حواشی سے علامہ مرحوم کی قرآن مسمیٰ اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دلچسپی کرنے کے لئے ان کی قوت تفسیر صحیح سے بالا ہے، مجھے اُمید ہے کہ ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔"

مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی فرماتے ہیں کہ "مولانا عثمانیؒ علامہ دہلویؒ میں اپنی قرآن دینی، اردو دینی، قرآن کے متعلق حوصصیت رکھتے ہیں، اس لئے مولانا کو میرا محبوب اور ان کے تصور کو میرے دل کی راحت بنایا ہے، انہوں نے قرآن مجید کی عام اردو میں جامع و مانع تفسیر بطور حواشی لکھی ہے۔"

علامہ عثمانیؒ کا مقام حدیث

دارالعلوم دیوبند میں عم الحدیث کے سب سے بڑے، ہر کوئی شیخ الحدیث اور محدث مدرسہ مانا جاتا رہا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں جس علمائے حدیث کے نام سے جاسکتے ہیں، اپنے اپنے دور میں دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے اسلام میں سب سے بڑی حیثیت کا مالک اور تسلیم کیا جائے تو یہ حقیقت مبالغہ سے خالی ہوگی، چنانچہ دیوبند کے علماء میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن

دیوبندی، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی بلند پایہ محدثین تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان حضرات نے دارالعلوم دیوبند اور اپنے حلقہ درس و تدریس میں حدیث کی بڑی خدمات انجام دی ہیں، انہیں حضرت میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم ہیں۔ جنہوں نے دارالعلوم دیوبند میں مختلف علوم و فنون کی اعلیٰ کتابوں کے پڑھانے کے بعد صرف علم حدیث کی تعلیم دیے کے لئے دارالعلوم دیوبند کو اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ آپ حدیث میں شیخ ہند کے شاگرد رشید ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ انہوں نے حدیث مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے بڑھی، تا آنکہ یہ سلسلہ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے آنحضور ﷺ تک حدیث کی سند مقدمہ بخاری شریف میں ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ عثمانی نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں حدیث کی حسب ذیل کتابیں پڑھیں۔ (۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) ابوداؤد (۴) ابن ماجہ (۵) ترمذی (۶) موطا امام مالک (۷) موطا امام محمد (۸) نسائی (۹) شاکل ترمذی۔

یہی مذکورہ بالا سارے علامہ کی تعلیم کا آخری سال ہے جس کو دورہ حدیث کا سال کہا جاتا ہے آپ اس سال دورہ حدیث میں سب سے اعلیٰ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث سے آپ کو خدا وادبیت تھی۔ ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء میں فراغت کے بعد علامہ عثمانی نے ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم دینا شروع کی، اسی سال حضرت مولانا محمد ابراہیم بیادینی آپ کی شاگردی میں رہے جو دورہ حدیث میں کتابوں کی اس ترتیب کے تصویب کے باعث جو شرائط دارالعلوم میں سے ہے داخل نہ ہو سکے ایک سال بعد شوال ۱۳۲۶ھ میں آپ مدرسہ فتح پوری واقع چاندی چوک دہلی کے مشہور عربی مدرسہ

میں صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے، جہاں آپ حدیث کی تعلیم دتہ رئیس کی خدمت میں دیتے رہے۔ دو سال بعد آپ پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور مقتول و مقتول کی بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ حدیث کی تعلیم دینے پر بطور استاد حدیث مقرر ہو گئے، اس دوران آپ نے حدیث کی کتابیں مسلم شریف اور ترمذی شریف دارالعلوم میں پڑھا ئیں، حضرت شیخ الہند مرحوم حج کے لئے شوال ۱۳۳۳ھ میں روانہ ہوئے اور وہی سفر میں قید فرنگ میں مالٹا میں نظر بند رہے اور ۲۶ رمضان ۱۳۳۸ھ کو کو بجے صبح ۸ بجے رہے۔ ہو کر دیوبند کے، نشین پر پہنچے اور اس سال بخاری شریف حضرت شیخ الہند نے پڑھا ئی تھی ۸۵ سے واپسی پر صرف چھ ماہ بعد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہند کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد مسلم شریف علامہ مٹلیؒ مستقل طور پر ۱۳۳۳ھ تک دارالعلوم میں پڑھاتے رہے بعد ازاں آپ ڈابھیل میں حدیث کا درس دیتے رہے، ۶۰ صفر ۱۳۵۲ھ کو جب علامہ محمد انور شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا جو چار ماہ اسلام آباد ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے تو اب صدر مدرس اور شیخ الحدیث علامہ مٹلیؒ بنائے گئے اور بخاری شریف کا درس جس کا مرتبہ قرآن کریم کے بعد ہے آپ کے سپرد ہوا، اور اب آپ وہاں کے مستقل شیخ الحدیث ہو گئے۔ یہ ہے علامہ مٹلیؒ کے علم حدیث سے شغف اور مشغولیت کا عرصہ اور مطالعہ حدیث و تحقیق کا دائرہ جس میں آپ چوٹی کے علماء شمار کئے جاتے تھے، چنانچہ آپ کے علم حدیث اور محدث ہونے پر جو اہل علم نے ریمارکس دیئے ہیں وہ مختصر آپش کئے جاتے ہیں تاکہ میرے دعویٰ کی دلیل اور تائید میں نکلیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن مہتمم دارالعلوم دیوبند ۱۳۳۳ھ کی رویتِ ادا میں لکھتے ہیں کہ

”مولانا شبیر احمد مٹلی دیوبندی موخر طبقہ کے اصحاب میں سے ہیں اور ما شاء اللہ وہ ان فوجان اہل علم میں سے ہیں جن کو علوم اکا دیکھا حال قرار دیا جائے، جس م علوم مقتول و مقتول میں کامل استعداد رکھتے ہیں، تجربہ و تقریر میں بہت مٹل ہیں، خصوصاً علم حدیث میں ایسا ملکہ ہے جو معمر اور تجربہ کار مٹل گن حدیث کو ہوتا ہے۔“

امام امیر عظامہ محمد انور شاہ کشمیری نے فتح المسلم شرح مسلم کی تقریظ میں علامہ عثمانی کے محدث ہونے کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے، لکھتے ہیں

”یقیناً اپنے زمانہ کے علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی دہلوی بندق جو اس زمانہ کے محدث، مفسر و مکتلم ہیں، اور احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب مسلم کی خدمت اس سے زیادہ بجز اور جرت نہ کرے گا اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر اسوں نے اہل علم کی گردن پر احسان کیا ہے۔“

حضرت مولانا حسین احمد دہلوی اپنے مکتوب ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ میں علامہ عثمانی کے علمی مقام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

”آج جناب کے علمی کمالات، تجربہ و تقریر میں قائل و دابر ذکاوت و عافتہ میں ہے نظیر ہوئے کا اقرار کرتا ہوں اور دارالعلوم دہلوی بندہ کے لئے صدارت تدریس آپ کے شاگردان شرف بھگت ہوں اور قلمیہ کہتا ہوں کہ میں اپنی استعداد اور جاہلیت علمی آپ کے شاگردوں کے پائے کی بھی نہیں پاتا۔“

شیخ محمد رابعہ الکوثری مصری نے فتح المسلم کی تقریظ میں علامہ عثمانی کو مکتلم و مفسر، فقیر اور مکتلم تسلیم کیا ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ غرضیکہ علامہ عثمانی اپنے علم و فضل کے ثبوت میں دوسروں کے، قرآن کے مفسران نہیں یہ منہ بجا بال چند علماء محدثین کی آراء ہی کافی ہیں کہ آپ کا محدث، مفسر و فقیر ہونا اس جو دھویں رات کے چاند کی طرح ہے جس کو تمام دنیا مطلع پر جلوہ آراء و کچھ کر لطف اندوز ہوتی ہے اور دلوں، دواں گھوٹوں کو متور کرتی ہے۔

علم و فقہ میں علامہ کا مقام :

شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی شخصیت علامہ دہلوی دور میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ وہ معقول و متقول دونوں علوم میں اور بصیرت سے ممتاز تھے، اسکی جامعیت قدرت کی خاص عنایت اور حائقی فطرت کی رحمت کا اثر ہو سکتا ہے، انہیں جہاں تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ

اور کلام میں طبعی روق تھا، وہاں علم فقہ میں بھی منفرد نظر آتے تھے، علمائے اہل نظر میں جب فقہی مسائل اور ان کے مہد کے ہنگامی نظریوں کا سوس پیش آتا تو ان کا عقد اور فقہی معلومات و تحقیقات کا دریا غماغمیں مارنا نظر آتا تھا، فقہی مسائل کو اس طرح پیش فرماتے کہ دل کی تہوں میں بچوست ہوتے چلے جاتے اور دماغ کے پرووں کو صاف اور روشن کرتے جاتے تھے جب کبھی ہنگامی دور کے نازک قضاے امت مسلمہ کے لئے شرعی احکام کی تعمیل محسوس کرتے تو علامہ مثالیؒ کی طرف نظریں اٹھاتے، آپ ان کے اشاروں کو سمجھتے سوچتے غور کرتے قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے اور پورے غور، غوض، نقد و نظر کے بعد جبکہ ظاہری حقیقت و دقتی کے نیچے باطن نگاہوں کے ساتھ نگاہیں مار کر شلوائے قلبی کے ساتھ تعلق ہو جاتے تو علامہ اس پر اٹ جاتے، در پھر ان کی قوت ملی، قوت فیصلہ، قوت استدلال کے سامنے جو مخالف دوسرے نظریے لے کر آتا اس کو پسا پسا ہونا پڑتا تھا اسی سبب سے ہر سے نزدیک فقہ میں دسترس نے باعث اگر ان کو فقید دانشمند کہا جائے تو درست ہوگا۔ عقد اور دین میں بصیرت یک تصویر ربانی یا موصفت کبریٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ جس کے دل و دماغ میں چاہیں روشن کر دیں اسی نور بصیرت یعنی دین کو سمجھنے کا نام عقد ہے آخر ہدیٰ نے قرآن و سنت کے نشیب و فراز سے جو کچھ سمجھ کر احکام نکالے اس کو عقد کہا جائے لگا اور ان احکام کے لئے جو اصول وضع کئے ان کو اصول فقہ کا نام دیا گیا۔

دین کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ لی ہے، اس لئے ہر دور اور ہر صدی میں مجدد اور علمائے اہل نظر نے دین کی حفاظت کی ہے، ہندوستان و پاکستان میں حضرت شاد عبدالمعزیر دہلوی، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی، حضرت مولانا رشید احمد کنکوی، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیر الرحمن مثالیؒ، حضرت مولانا مفتی کھایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ اپنے اپنے دور کے حسب مقام و وقت فقہ میں صاحب نظر گزرے ہیں۔ شیخ الاسلام

علامہ عثمانیؒ کے علم فقہ کے بارے میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ

”مخدومی و استاذی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی چری زندگی ایک علمی زندگی ہے، اس کے خلف گوشوں اور شعوس پر عمل کلام کیا جائے تو ہر ایک کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ حضرت مولانا عثمانیؒ جہاں علم تفسیر اور علم حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے وہاں علم فقہ اور علم الکلام میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، لیکن اپنے غایت تقویٰ اور احتیاط کی بناء پر حضرت الاستاد مولانا عثمانیؒ کا معمول فتویٰ کے بارے میں راجح بند میں بھی اور پاکستان میں بھی یہی رہا کہ فتویٰ سب اس کا کارہ کے خواہے فرماتے تھے اور کوئی خود لکھنے پر اصرار بھی کرتا تو مدد فرمادیتے تھے اور غایت تواضع سے فرماتے تھے کہ مجھے کبھی فتویٰ کے کام میں اشتغال کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے احتیاط کرتا ہوں، حالانکہ یہ امر یہ بھی تھا کہ اس کا کارہ کو اگر کوئی علم کا کوئی حرف آتا تھا تو وہ سب انہی استاذہ کرام کی کنش برداری کے ذریعہ سے تھا اور خود احقر کو جب مہمات فتویٰ میں اشتغال پیش آتا تو پاکستان آنے کے بعد حضرت علامہ عثمانیؒ مرحوم کی طرف رجوع کرتا اور ان کے محققانہ ارشادات سے استفادہ کرتا تھا، حق تعالیٰ نے جہاں آپ کو کمالات علمی میں اعلیٰ پایہ عطا فرمایا تھا، وہیں اخلاق فاضلہ و تواضع میں بھی بلند مقام سے سرفراز فرمایا تھا اسی کا نتیجہ رہا کہ جس مسئلہ میں حضرت علامہ مرحوم کو احقر کی رائے اور فتویٰ سے اتفاق نہ بھی ہوتا تو تب بھی عملاً مسیوہ موافقت فرماتے اور اختلاف کا اظہار بھی نہ فرماتے تھے۔“

الغرض حضرت علامہ عثمانیؒ مرحوم کا فقہی مقام بھی بہت بلند تھا۔

علامہ عثمانیؒ اور علم الکلام :

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نور اللہ مرقدہ علم معقول اور حقوق دونوں میں جامع تھے جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے اور بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ان کے ایک

ایک وصف کے لئے ایک ایک دفتر کی ضرورت ہے، علامہ کے علم الکلام پرچہ طوبی و ترجمہ
مفصل بحث و تجلیات حنفی میں موجود ہے یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ علم الکلام
علامہ حنفی کا یہ نام علم اور قابل فخر سرمایہ ہے، علمائے ہند و پاک اور بعض ممالک اسلامیہ
میں شریعت اسلامیہ کے عقائد و اعمال پر عقلی دلائل اور مسائل کے درپہ حجت و واقعہ کی
روشنی میں صاف اور مستقیم راہ دکھانا علامہ حنفیؒ کی قوت استدلال اور کلام جوہر کا خاص عمل
رہا ہے۔ علامہ مرحوم کو علم کلام میں خصوصی ذوق حاصل تھا۔ ان کی ذاتی ممانعت معقولات
یعنی فلسفہ و منطق اور علم الکلام کے نئے ارتقائی مقام رکھتی تھی۔ طالب علمی سے زمانہ ہی سے
معقولات سے بہت زیادہ مناسبت تھی اور اس وقت آپ اپنے ہم سبقوں کو منطق و فیرہ کی
کتابیں پڑھایا کرتے تھے یا تکرار کرایا کرتے تھے حتیٰ کہ منطق و فلسفہ کے کتبہا کو دوبارہ
کر مولانا حبیب الرحمن حنفیؒ نے آپ کو تفسیر وحدیث اور فقہ کی طرف مائل کیا، اگر ایک
طرف قرآن کریم کے بہترین مفسر اور علم حدیث میں مہارت کے باعث اہل پایہ کے محدث
اور فقہ میں دسترس کے باعث بلند مقام فقیہ تھے تو دوسری طرف علم منطق و فلسفہ اور علم کلام
میں پوری بصیرت کے باعث منطق و فلسفہ میں بہترین حکم تھے، حالانکہ معقولات اور
حقولات دونوں طرح کے علوم پر حاوی اور جامع شاذ و عادی ہی استیاں ہوتی ہیں، حکمت و
فلسفہ کی دو سقین امام رازقی، امام غزالی، شیخ علی الدین ابن عربی، شاہ ولی اللہ اور بالخصوص
حجت الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی سے وابستہ تھیں، آپ نے ان حضرات کا یہ فلاح اسلام
کی کتابوں کا تہرہ مطالعہ کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ سلام کا کوئی مشکل سے مشکل اور وقتی سے
وقتی مسئلہ بھی ان کی تحقیقی نظر کی زد سے باہر نہ تھا۔ ان کو نہ اسکا حالت و نہ اسکا حکام
اسلامی اور سزا سکت وقت کے ساتھ ساتھ علمائے کی مناسبتوں کو ٹھٹھٹے ہوئے اسلام و سائنس
کی نکتہ آرائیوں پر پوری دسترس تھی۔ (تجلیات حنفی نمبر ۱۸)

قاسم ثانی علامہ عثمانی :

قاسم ثانی کے لقب سے علامہ عثمانی کی شہرت محتاج تعارف نہیں، ہر وہ شخص جو علامہ کے حلقہ درس، حلقہ مجالس اور حلقہ تقریر میں بیٹھنے کا شرف حاصل کر چکا ہے یا جن اہل علم کو علمائے دیوبند سے تعارف حاصل ہے، وہ جانتے ہیں کہ علامہ عثمانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصنیفات اور علوم پر گہری نظر اور مکمل بصیرت رکھتے تھے اور اگر حقیقت تک آپ رسائی پا جاتے ہیں تو علامہ عثمانی ایسے جلیل القدر عالم، حضرت قاسم العلوم نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی واسطے سے ہی بنے ہیں جس طرح جو ہر قابل کی نگاہ، جو ہر قابل پر پڑ کر اس کو کیمیا اور عمل و گویا بنادیتی ہے اسی طرح رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کیمیا اثر نے علامہ عثمانی جیسا حکلم اسلام پیدا کیا۔ میرے نزدیک شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کو جن صفات نے اس بے پناہ علم پر پہنچایا وہ یہ تھیں

(۱) مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے اکتساب فیض یعنی آفتاب قاسمی کی ضیاء ہمارے مسلسل کریم ماہتاب عثمانی کو منور کرتی رہی۔

(۲) علامہ عثمانی کی طبیعت ابتداء ہی سے معقولات، مباحث سے دلچسپی کلام کرنے کی قوت کمال کی طرف رخ رکھتی تھی ذکاوت و ذہانت فطرت میں قدرت نے ودیعت کی تھی۔

(۳) رہبان شہ صافی، فصیح و بلیغ اور قوت گویائی علامہ عثمانیؒ کے لئے قدرت کا عطیہ اور مہربان کبریٰ تھی۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ علامہ عثمانیؒ پر روز بروز دست مضمینیتوں کا اثر پڑا، ہر او رست ان کے شیخ حضرت شیخ ابند مولانا محمود حسن صاحبؒ کا اور بواسطہ کتبوں کے دیکھتے حضرت قاسم العلوم والکلیات مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا۔ اس لحاظ سے علامہ عثمانیؒ مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور شیخ ابند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے علوم کے حامل و ترجمان

تھے۔ یعنی ایک طرف وہ جتہ الاسلام کی رہبان تھے اور دوسری طرف شیخ ہند کے وہ ترجمان تھے اور یہ دونوں باتیں علامہ عثمانی کو اپنے زمانے میں حاصل تھیں۔ شریعت اسلامی سے ادنیٰ سے ادنیٰ اور مشکل سے مشکل مسئلہ کو فیض قاسمی کی برکت سے علامہ عثمانی ایسی فصیح و بلیغ دلیل و مرتب اور محکمات تقریر و تحریر سے ثابت کرتے کہ حقاطیس کے سامنے مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم اور شخصیت کا نقش آنکھوں اور دماغ کے پردوں پر کھینچا نظر آتا تھا، اسی وجہ سے علامہ نے ان کو قاسم عثمانی کے لقب سے ملقب فرمایا ہے، جو بالکل حقیقت پر مبنی اور مبالغہ سے خالی ہے، اس دعویٰ کی دلیل کے لئے آپ کی توجہ روئید اور اجلاس اتوں مؤثر الامصار منعقدہ مراد آباد مورخہ ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۳۱۵ھ مرتبہ مولانا عبید اللہ سندھی کی طرف متعلق کرنا چاہتا ہوں۔ اس روئیداد میں ایک مجلس کا ذکر کیا گیا ہے جو محرم ۱۳۲۸ھ کو دارالعلوم دیوبند میں اصلاح نصاب و انتظام طریچہ تعلیم و تعلم کے لئے منعقد کی تھی جس میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، مولانا غفیل احمد سہروردی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حافظ محمد احمد قاسمی، علامہ محمد الورشہ شہرینی، مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد حسن امرہاوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مرتضیٰ حسن چانڈیو، مولانا حبیب الرحمن عثمانی، اور مولانا عاشق الہی میرٹھی اور دیگر علماء شریک تھے۔ اس مجلس میں نصاب تعلیم کے سلسلہ میں ناظم جلسہ نے جس تہادیز پیش کیں اس مجلس میں مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا اشرف علی تھانوی نے تقاریر کیں۔ حکیم راست مولانا تھانوی کی تقریر کا خلاصہ ناظم صاحب نے روئیداد میں درج فرمایا ہے۔

حکیم الامت تھانوی نے حضرت تالوتی کی تصنیف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا مرتضیٰ حسن سے فرمایا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کو چونکہ محمد قاسم تالوتی کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پتا علامہ ان کو دوں، آپ اس امر کا اعلان فرمائیں۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا کی اس قدر افضلی کا اعلان

فرمایا: اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ سے اجازت لے کر مولانا تھانویؒ کی تقریر سے علامہ عثمانیؒ کا علوم قاسمی سے گہرا تعلق اس وجہ ثابت ہوتا ہے کہ نصاب کینی کے جنس القدر علامہ علامہ عثمانیؒ کو مستفاد طور پر مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا جانشین جانتے ہیں، چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسے بھر وقت علامہ عثمانیؒ کو یہ شرف و عزت عطا فرماتے ہیں کہ پٹی پکڑی کے لئے علامہ عثمانیؒ کو اس لئے مخصوص فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم سے زیادہ مناسبت ہے، واللہ اللہ اس عطیہ کبریٰ پر علامہ عثمانیؒ جتنا بھی شکر پروردگار کریں وہ کم ہے، حضرت تھانویؒ کی طرف سے علامہ کی عزت افزائی علامہ عثمانیؒ کی تاریخ اور علمی سیرت میں منبری اللہ سے رقم ہوگی۔ واللہ الحمد للہ علی ذلک، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

”علامہ عثمانیؒ اس قدر علمی ذوق کے میں تھے جو اکابر دارالعلوم سے بطور ورثہ آپ کو ملتا تھا، حضرت قاسم العلوم والخیرت ہانی دارالعلوم دیوبند کے مخصوص علوم پر گہری نظر تھی اور دوسوں میں ان کے علوم کی بہترین تنہیم کے ساتھ تقریریں فرماتے تھے۔“

(المجموعہ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۹ء)

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

”دیوبند کے حلقے میں اس زمانے میں یہ بات برہمائی جاتی تھی کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم و معارف پر پورا عبور ہے، وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے مضامین علمی و روحانی کو لے کر اپنی زبان اور اپنے طرزِ خیال میں اس طرح اد کرتے تھے کہ وہ دلنشین ہو جاتے تھے۔“

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ

”شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس زمانہ کے راوی و فرائی تھے۔ تحقیق و تدقیق اور حسِ بیان میں امام ابو الحسن اشعریؒ کی زبان اور ترجمان تھے، حجۃ الاسلام مولانا

محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کے امین اور عظیم محدث و مفسر و حکم تھے۔

بہر حال شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کی متفقہ طور پر پس تھے اور صحیح مسطور میں قاسم ثانی کا لقب علامہ عثمانیؒ کے لئے تھا۔ مولانا محمد میاں صاحب مصنف علماء ہند کا شاندار ماضی نے علامہ عثمانیؒ کی تقریر تقریر کے ضمن میں عدم کو مفسر اعظم الفاسر عثمانی کے الفاظ سے یاد کیا اور مولانا عبد الماجد دریا بادی نے علامہ کو اپنے وقت کا زبردست حکم اور عظیم محدث و مفسر تسلیم کیا ہے جو حقیقت ہے۔

شیخ الاسلام بحیثیت خطیب

دارالعلوم دیوبند کے علماء میں ہوں تو کہتے بہترین مقرر اور خطیب گزروں لیکن متوسط دور میں شیخ الاسلام علامہ شیخ احمد عثمانیؒ ویں بادل کی طرح برسنے والا اور بجلی کی طرح کڑھنے والا، آتش بیان غالب خاں ہی ہندوستان میں پیدا ہوا۔ خلافت کے چلے ترکہ موالات کے پیٹ فارم ہمیت العلماء کے پنڈال ادا اس عربیہ کی وجہ دور درسا گیں، مسلم لیگ کی کانفرنس ہند و مسلم سیاسیات کی نبرہا گیں، تبلیغ و ارشاد کی مجلس، مؤتمر کے کی مجلس، دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں، مؤتمر انصار کے ہنگامے، جامعہ اسلامیہ ڈابھل میں جلسہ میں اور سرگرمی پارلیمنٹ پاکستان کی مشاورت گاہیں کسی جاوید بیان کی محرم گئیں تقریر کے اشتیاق میں آج بھی سراپا انتظار ہیں، آج بھی فضائیں انہیں تقریروں سے گونج رہی ہیں، انکراہہ تشہیر بار بار ان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی مگر یہیں نہیں وہ سیف اللہ خالد کی طرح رہا ان البیہ تھا جو حکم ربانی کی تفسیروں میں بولتا بولتا اگرچہ دنیا سے اٹھ گیا مگر اس کی آوازیں مسلسل آ رہی ہیں وہ رہا نہ رسالت تھا جو حدیثوں کے عقدے کھولتا تھا، ہر گیارہ دارالعلوم دیوبند سے مسئلہ تقدیر حقیقت روح، خورق عادت، تحقیق ایمان اتحاد عقیدہ بقا، اعجاز القرآن کی تحقیق کے نشہ کام اور درود دل داسے اپنی دوائے درد کے لئے اس

سیا کا پتہ پوچھ رہے ہیں، لیکن دارالعلوم زبان حال سے کہہ رہا ہے۔

ہم لغو اجڑ گئیں مہر و دقا کی بستیوں

پوچھ رہے ہیں اہل دل مہر و دقا کو کیا ہوا

علامہ عثمانیؒ کی تقریر اور خطابت کے متعلق میں نے ادھر شاعری سے کام نہیں لیا

آریہ۔ یہ مانتے ہیں کہ بعض مقرر جادو بیان ہوتے ہیں تو ان جادویوں میں سے ایک

جادو بیاں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔ خطاب کے نامور ادیب مولانا لعل اللہ خاں عریض اپنے

انجمن نسیم مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء کے آرٹیکل معنون پر ”شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ“

میں لکھتے ہیں۔

”مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دوجہ بند کے در سے علم و نقد سے تعلق رکھتے تھے ان کے سینے

میں ایک دل بیدار و صحت یاب تھا جو اس کی تمام احتیاطوں کے باوجود ان کو میدانِ گل میں

سے بھرتا تھا سب سے پہلے وہ تحریک خلافت و عدم تعاون میں عوام کے سہ سے آئے وہ ایک

جادو بیاں مقرر تھے، ان میں مولانا ابو الکلام آزاد کی صدارت میں جمعیت العلماء ہند کی

کامیابی ہوئی تھی، اس میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر نہایت معرکہ فاشا رہی۔“

مولانا ظفر علی خان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے متعلق اپنے مقالہ ”آتشِ اسلام“

میں لکھتے ہیں

”جن لوگوں نے علامہ مرحوم کی تقریریں سنی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ

علامہ کے ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن ہوتا تھا اور ایک ایک بات میں دنیا بھر

سے حقائق پوشیدہ ہوتے تھے۔“ (زمیندار مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۳۹ء)

منفرد کفایت اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ

”مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وقت کے در سے عالم پاکبار صحت منور اور خوش بیاں

مقرر تھے۔“ (معیذِ وطن ۱۹ دسمبر ۱۹۳۹ء)

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ

"علامہ عثمانی کی صحیح و بیخ تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزر رہی ہیں حقیقت سے آگاہ ہوئے۔"

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ

"ایک میلاد کی مجلس میں میرا اور علامہ عثمانی کا ساتھ ہو گیا، اس جلسہ میں حضور نظام دکن بھی آنے والے تھے، میری تقریر ہو رہی تھی کہ وہ آگئے میرے بعد مولانا شہید احمد عثمانی نے تقریر شروع کی۔ حضور نظام دکن نے بڑی داد دی اور جلی مٹھل ہوئے۔ مولانا شہید احمد نے خطیب و مقرر تھے، ان کی تقریروں میں کافی دلائل ہوئے اور سیاسی و جلی اور تہذیبی داعطانہ ہر قسم کے بیون پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت اور بہت کچھ کوئی ان کی تقریروں سے کافی نمایاں ہوتی تھی۔" (معارف، اپریل ۱۹۵۷ء)

مولانا احمد سعید صاحب لکھتے ہیں کہ

"حلقہ علماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بیخ ایمان خطیب شاید عرصہ تک نہ ہو، جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو یوں معلوم ہوتا کہ علم و کمال کا سمندر موجدار رہا ہے اور علم و عرفان کی سوتیں رہ رہ کر اٹل رہی ہیں، وہ تقریر و تحریر میں اپنے وقت کا امام تھے، عربی و فارسی دونوں زبانوں پر آپ کو اردو کی طرح عبور تھا وہ بے شک بولتے لکھتے چلے جاتے تھے۔" (آرا و اخبار، مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ

"علامہ عثمانی اپنے وقت کے بہت مستحکم، نہایت خوش تقریر و داعطانہ مفسر اور سب کچھ ہی تھے۔" (صدق الخیر)

خطابت کی خطابت کے جائزے

- (۱) خطابت کی تقریر کے نکالائی اجزا میں اس کا استدلال اور حقائق طرز کاہل قہمیں تھا آپ قیاسیہ پر جوش غلیب در پیکر تھے مگر آپ کا مطلق نہ طرز خطابت غی طہوں کے مذہب سے کھیلنے کی بجائے زیادہ زور دماغ کو حرکت میں لاتا تھا۔
- (۲) خطابت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مخاطبین کے پیدائش لگائے اور اس انداز کے مطابق چلنے کوئے کر چلے، علم کی تقریر میں اہل علم اور عوام دونوں کہتے ہیں جو یہ کیاں تھا کہ وہ تقریر میں یہ استدلال قائم رکھتے تھے جس سے طبقات انسانی یکساں طور پر فائدہ اور فہمی حاصل کرتے تھے۔
- (۳) اس کی تقریر میں قہی کشش اور جادویت ہوتی تھی کہ کوئی مخاطب نہ اس کو نہ تھا اور۔ کشش سے چھوٹ کر بھاگ سکتا تھا، تقریر کی طرح تقریر بھی کالوں نے راستہ تہوں کو چکر لیا اور رگ جاں میں پیوست ہو جاتی تھی۔
- (۴) دماغ اس قدر سلجھا ہوا تھا کہ تقریر کے تمام گوشوں پر اس کی رقت بہترین ترتیب سے ساتھ لپٹا کر مارتی تھی اور مقام بھلی سی مناسبت کا خاص خیال رہتا تھا۔
- (۵) دماغی ہضم کی وساحت اور انہماق و تفسیم میں آپ کی تقریر بے غلیب تھی، مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مضمون کو ایسے آسان طریقے اور تشبیل و تشبیہ کے ساتھ سمجھاتے تھے۔ کوئی جاہل سے جاہل بھی نہ کام نہ جاتا تھا۔
- (۶) تقریر میں بر محل شعار کا چسپاں کرنا آپ کا بھگے کہاں تھا، فن خطابت کے اصول سے پیش نظر خلک سے خلک مضمون کو عربی فارسی، اور اردو اشعار سے دلچسپ بناتے جاتے تھے، انہماق آبادی کی شاعری سے آپ کو بے حد دلچسپی اور مناسبت تھی لیکن ان اشعار سے آپ کی مناسبتاقت میں خلک کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

(۷) ملکی طاقت و رسائی طاقت کے ساتھ الفاظ کی شوکت مسلسل فضا میں
ارتعاش پیدا کر دیتی تھی جس سے دلوں پر جادو ہوتا چلا جاتا تھا دو اپنی مجاہد بیانی سے سراسیمہ
کو تصور حیرت بنا دیتے تھے کہ کیا مجال جو ان کے چہرے سے نکلیں اور ان سے بیان
دل بہت جائیں۔

(۸) بیان میں فصاحت، بلاغت، سلاست، گفتگائی اور ہلکی ہلکی عرفیت ہوتی تھی ہاتھ
کی مناسب حرکت جسم کی گردش، ہاتھیں ہاتھ کی پہلو پر نشست اور دائیں ہاتھوں کی ہلکی
نکالوں میں ایک خاص کشش اور دندان مبارک کی ایک خاص جسم کے ساتھ اثاثے نہ
میں چمک۔ یہ سب آپ کے تقریر کے انداز تھے۔

قائم ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء کی بات ہے کہ جدید دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی
اعانت کے سلسلہ میں ایک وفد جو علامہ شیخ احمد رضا رحمہ اللہ، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری
مولانا محمد ابراہیم پوری پر مشتمل تھا، ضلع بجنور کے دورے پر پہنچا۔ بجنور ضلع بھواری میں
ہوا۔ مولانا احمد سعید دہلوی جس کی نصیحت و سپس تقریر مشہور ہے اور جن کو مملکت تقریر کے باعث
عہدہ امجد کہا جاتا ہے، وہ بھی دہلی سے تشریف لائے تھے، عشاء کے بعد علامہ عثمانی
تقریر ہوئی، مولانا احمد سعید، مرتضیٰ حسن صاحب دونوں تقریر سے مورد فائدہ
چارپائیں پرائی دور آرام فرما رہے تھے کہ تقریر کی آواز آرہی تھی میں بھی مولانا احمد
صاحب اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ مولانا احمد سعید صاحب علامہ عثمانی
کی تقریر پر انتہائی وجد میں بار بار پہلو بدس رہے تھے اور واہ واہ کے الفاظ سے ختم تقریر
برابر لاتے جاتے اور جھومتے جاتے تھے۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جو چاہے
طوالت قلم نہ رکھے جاتے ہیں۔ (بحوالہ حیات عثمانی ص ۱۵)

علامہ کی حق بیانی :

علامہ عثمانی کی تقریر کی روح اور خطابت کا جوہر یہ ہے ہا کا نہ حق کوئی ہے تحریر میں
 سچی جس چیز کو چوری تحقیق اور غور و فکر کے بعد صحیح خیال فرماتے، عاصات شان سے صاف
 صاف اور حق فرماتے اور جس چیز کو حق فرماتے اور جس چیز کو حق سمجھتے پھر دنیا کی کوئی طاقت
 اس کو مرعوب نہیں کر سکتی تھی اور ان کو ان کے سرسرخیاں سے ہٹانے سکتی تھی، میں نے اکثر
 تقریروں میں علامہ کو حق کوئی اور یہ باکی کے حسد میں افضل اہل اہل حق کا ہفت الحق عند
 سماں چاہئے (افضل جہاد و علم با اہل حق سے حق بات کا کہنا ہے) کی حدیث پر مجیب
 شان سے تقریر کرتے ہوئے سناتے۔ (میں سے مراد پرویز، انوار الحسن شیر کوئی)

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کا افضل روح بند امیر اے علامہ عثمانی کی حق

بیانی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ

”علامہ عثمانی کی تقریر ہو یا تحریر حق کوئی اور صاف بیانی کا مرقع ہوتی تھی ہمیں
 تحقیقات و رقت پیارہ بانی الضمیر کی ادائیں اور وضاحت مضمون ”فری اور قدرت العال
 اس پر حق کوئی، یہ وہ جوہر تھے حسوں نے علامہ کی تقریر کو چار چاند لگا دیے تھے، بڑے
 بڑے جمہات میں حضرت شیخ الہند کے ترجمان کی حیثیت سے علامہ عثمانی نے جو
 تقریریں کیں انہوں نے ملک کے گوش گوش میں آپ کی عظمت و برتری کا سدھ دیا۔
 تقریر کے وقت عقل کو کبھی جذبات سے مطلوب نہیں ہونے دیتے تھے جو بات کہتے تھے وہ
 دلی کے پورے احساس کے ساتھ بہت ناپ توں کر کہتے تھے، تحریک خلافت کا زمانہ وہ
 ”رجا اشتعاں اور جذبات کی برہمچستی کا عہد تھا اس زمانہ میں کبھی بھی تقریر کوئی بات
 ایسی نہیں کہ جسے صرف جذبات کا نتیجہ ہو حق بات کہے میں ہمیشہ بے باک اور نڈر تھے اور ہر
 معاملہ میں اپنی رائے منافی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے، چنانچہ شاید اب تک

لوگوں کو یاد ہے کہ دہلی کے عظیم شاعر جسے میں پنڈت مدن موہن مالویہ کے مقابلہ پر اہم
۱۹۲۲ء میں "گیا" میں جمعیت علماء ہند کے مالا۔ جلسے کے موقع پر کونسلوں کے بائیکاٹ
کے مسئلہ پر حکیم، جمل خان مرحوم کی مخالفت میں حضرت الاستاذ علامہ عثمانی مرحوم نے اس
قدر ہنگامہ فرین اور سرکھ لایا، تقریباً یہ کی تھیں۔

علامہ بحیثیت منظر اسلام

علامہ شبیر احمد عثمانی میں دو قسم صداقت موجود تھیں جو ایک ایسے اور بڑے مناظر
میں ہونی چاہئیں، اگر ان کے مذہب کی سپاہی کا انگیر مناظرہ منعقد کیا جائے تو یہ سے
نزدیک علامہ موصوف کے اور میں ان سے اچھا اسلام کا نمائندہ جو اپنے روشن ہونے والے
سے اس سے مذہب پر محنت قائم کر دے اور کوئی۔ ملے گا۔ دارالعلوم دیوبند کی جماعت کو
جب کسی آل انڈیا اہم مسئلہ یا بحث میں بڑے بڑے اہل فہم اور سلجھے ہوئے لیڈروں کے
مقابلہ میں ضرورت پیش آتی تو سب کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھیں اور ملانے دیوبند کو
میدان جیتنے کا اطمینان ہو جاتا چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ شاہد ہے کہ علامہ موصوف
نے فن مناظرہ میں بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں اور صرف دیوبند کا وقار قائم کیا ہے
بلکہ اسلام کی لاق بھی رہی ہے۔ علامہ کی زندگی جہاں شریعت کے مطالعہ اور قرآن و
حدیث و عقائد پر میں نثری زبان اسلام کی وکالت اور تائید میں بھی ایک پختہ کار مناظرین
نیشیت سے آپ کی عمر کا ایک حصہ بسر ہوا۔ ان کی قوت علیہ درزور یہاں کے ساتھ قوت
استدلال کے سامنے شاید ہی کوئی ٹھہر سکتا تھا۔ علامہ کی سب اور مناظر کی مختصری مکتبہ میں اس
کی تمام علمی طاقتوں اور منہج نے خیال کے سارے زور کا اندازہ لگا لیتے تھے اور یہی دلیل یا
الترجی سوالات قائم کرتے کہ "یہ چاروں طرف سے آپ کو محصور پا کر ہتھیار

و اسے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اس قسم کے مناظروں اور مناظروں کے اثرات اور نتائج سے آپ اس سے اس مناظرہ اور مناظرہ کا اندازہ لگا سکیں گے کہ اس سلسلے میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ :

"ہندوستان کے مختلف مذاہب اور دیگر مکتبہ ہائے خیال کے ساتھ آئے دن کے مناظروں کے باعث دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی تقریروں اور مناظروں کے مشق کرائی جاتی رہی تھی اور علامہ عثمانی ان امور کے انتہا پر جاتے تھے اور طلبہ کو ن فتون کے شیب و فر سے گاہ کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ کے عہد میں اس قسم کی مختلف جماعتیں ظہور میں آتی رہتی تھیں۔ تحریک خلافت کے زمانہ کے بعد جب حکومت برطانیہ نے ہندو مسلم اتحاد سے جس پر نفاذ اور پھوٹ کی بجلی کرائی اور پنڈت شرما نے آگرہ اور اس کے اطراف، جو ب میں شرمی کی تحریک شروع کی، تو علامہ بھی وہاں پہنچے اور دارالعلوم میں طلبہ کے سامنے مناظرہ نشان کی تقریریں شروع فرمائیں اور اسی کے نتیجہ میں علامہ کا اعجاز القرآن جیسا مقالہ بھی خزانے دے کر ہمارے سامنے آیا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم میں ہندی کی تعلیم کا بھی آغاز ہوا اور آپ نے جہاں قادیانوں کے رد میں بہت کچھ کام کیا، وہاں عربوں کے متعلق بھی آپ کے مضامین مناظرہ کرنے والوں کے لئے حاصل ہتھیار ہیں۔ قادیانوں کے رد میں بعض آیات کے ماتحت آپ کی تفسیر میں بہت کچھ ہے اور خاص طور پر آپ کی کتاب "اشہاب" اور "صدائے ایمان" نیز دیگر تقریریں ہیں۔"

ادب و شاعری :

ایسوی صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی دور کی طرف تھوڑی سی توجہ دیا کر دیکھیں گے تو ہمارے اردو ادب کے کچھ ایسے نقشے نظر آتے ہیں جن میں سید آغا محمد رفیع احمد دہلوی اور جلی نے طرح طرح کے رنگ بھرے ہیں ان میں سے ہر ایک کسی

کسی طرز کا موجد ہے اور ہر ایک کوئی۔ کوئی شان ادب اپنے شریک میں رکھتا ہے۔ سب کو سب کا چوں، علمی غنیمتوں اور ادبی مایناموں میں ان کی بستیوں کی دھوم ہے اور ان کے ادب اردو کا چمچہ ہے، ادبی مایناموں میں ان بستیوں کی دھوم ہے اور ان کے ادب اردو کا تہہ پا ہے۔ آخر اہل دوق نے اس کے ادبی شاہکاروں میں کچھ امتیازی رنگ ہی تو دیکھا ہے جس کے باعث یہ ہستیاں مستار نظر آتی ہیں اور بقینا اس کی تحریروں میں حسن ادب کی وہ جھلکیں ہیں جن کے سبب ان کی فلمی کارناموں کو قبولیت اور عقیدت کا تاج پہنایا گیا ہے۔ ان کی ناموران ادب کے معیار کو پیش نظر رکھ کر شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی ادبی گلکاریوں کا ادب نو رنگا ہیں فیصد کر سکتی ہیں کہ باغ اردو کو اپنی تصانیف میں علامہ نے کس طرح آراستہ کیا ہے۔ اردو کے مذکورہ محسوس کی جان مندوں کے برابر میں ان کی اردو زبان کا بہترین اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور وہ اس ناموران ادب سے کسی صورت میں بھی کم نہ تھے جس کی تحریریں ملک سے خراج ادب لے چکی ہیں، چنانچہ اہل علم اور اہل ادب نے علامہ کے اردو ادب کے متعلق جو کچھ کہا ہے، مختصر پسند اہل علم ادب کے خیالات پیش کئے جاتے ہیں۔

ادارہ فروغ اردو اور جس نے علامہ کے جنس مقالات مثلاً، الاسلام، حیر القرآن، العقل، العقل، الروحانی القرآن کو ایک جگہ جمع کرنے پچا ہے اور اس کے شرواع میں ایک مختصر تعارف پیش کیا ہے علامہ کو اردو کے جہاندیدہ "ادب کے نام سے یاد کرنا ہو لکھتا ہے۔

"علامہ کی جماعت سے باہر بہت کم اصحاب کو اس خوشگوار حقیقت کا علم ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی "محض خطبہ و تقریر پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ آپ نے دینی مسائل اور حکمت و فلسفہ کے نکات پر ایک جہاندیدہ ادیب اور پختہ کار حکم کی حیثیت سے قلم اٹھایا ہے۔" (تعارف مقالات عثمانی)

مولانا عبدالجبار یادوی نے آپ کی تفسیر کی اردو زبان کے متعلق لکھا ہے کہ

”علامہ کی رہائش در طرزِ بیان نہ خشک نہ مخلوق، نہ مولویانہ جملہ عموماً سلیس گفتار اور ادباً ہے۔“ (مقدمہ قرآن کریم، ص ۱۰۰)

مولانا قاری محمد طیب قاسمی فرماتے ہیں کہ

”علامہ کی تحریر کی قلعہ کی مسلم فہمی اور ان کی ادبی جامعیت قلعہ کی اور بلاغت کو خود ان کے اکابر بھی، مانتے تھے اور اس کی کافی داد دیتے تھے۔“ (سہ ماہی، ص ۱۰۵)

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ

”علامہ عثمانی کی تحریر بھی شستہ فہمی، علامہ کی تحریر کے بارے میں مولانا محمد علی جوہر نے کہا تھا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی مہارت کی انگریزی بتانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کیونکہ اس کی ساخت انگریزی طرز پر ہوتی ہے۔“ (سہ ماہی، ص ۱۰۵)

بہر حال علامہ عثمانی اردو ہی کے ادیب نہ تھے بلکہ عربی و فارسی کے بھی بہترین ادیب و شاعر تھے، علامہ کی شعر و شاعری کے متعلق حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ

”علامہ عثمانی شعر و شاعری سے بھی باری نہ تھے، گو اس کا ذوق نہ تھا، مگر چند موقع ایسے بھی پیش آئے کہ جذباتِ دل کی ترجمانی آپ نے انعم میں فرمائی۔ حضرت شیخ ابوسنی رحلت پر ”جگرِ دل“ کے نام سے ایک نظم لکھی جو بہت پسند کی گئی۔ اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وفات پر علامہ کے قلم سے سور و در و دل کی بے تابی میں لکھے ہوئے غم کے آئینہ بہت مقبول ہوئے ان کے علاوہ کئی اکابر کی وفات پر مرثیے لکھے جو مشہور ہوئے۔“

نصرت کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حضرت شیخ عبدالرحیم رانچہٹی کے بارے میں اور حکیم الامت تھانوی کے بارے

میں

بہت اچھا ہمیں سب چھوڑ کر تنہا چلے جاؤ
 کہ حامی ہم فریبوں نیکیوں کا بھی خدا ہوگا
 کلیجہ منہ کو آجاتا ہے جب یہ سوچتا ہوں میں
 کہ کیسا حال تیرا اے اسیرِ مالکا ہوگا
 تمہارے ذکر سے جس کے بدن میں جان آتی تھی
 تمہاری فکر میں ہی کیا خبر تھی وہ فنا ہوگا

وہ حسرت کہ شیخ زمانہ نہیں رہا
 امت کا وہ حکیم بگاندہ نہیں رہا
 جائیں کہاں ازوۂ شبہات کیلئے
 اب کوئی اپنا ایسا مکانہ نہیں رہا

امثالِ حق نظر کا نگارہ کدھر گیا
 یعقوب کی نگاہ کا تارہ کدھر گیا
 فیضِ رشید و قاسم و محمود شیخِ الہند
 ہم بے کسوں کا آہ سہرا کدھر گیا

علامہ مفتی تقی عثمانی مدظلہ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

حضرت والد صاحبؒ نے جن اکابر کی صحبت اٹھائی، اور جن سے آخر وقت تک خصوصی تعلق رہا، ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بھی شامل ہیں۔ آپ کا ہم کرای کسی قورف کا محتاج نہیں۔ آپ کی علمی اور سیاسی زندگی کے بارے میں مفصل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ نے ہدایہ کا کچھ حصہ اور صحیح مسلم حضرت مولانا عیسیٰ سے پڑھی تھی اور جب مولانا ذابھیل میں صحیح بخاری کا درس دیتے تھے تو ایک مرتبہ بیماری کی بنا پر تدریس سے معذور ہو گئے۔ اس موقع پر مولانا نے اپنی جگہ صحیح بخاری کا درس دینے کیلئے حضرت والد صاحبؒ کو نامزد فرمایا۔ حضرت والد صاحبؒ اس وقت دارالعلوم دیوبند سے مستغنی ہو چکے تھے۔ مولانا کی فرمائش پر ذابھیل تشریف لے گئے اور چند ماہ وہاں مولانا کی جگہ صحیح بخاری کا درس دیا۔

پھر جب قیام پاکستان کیلئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے ملک گیر جدوجہد کا شروع کی اور اس فرض کے لئے جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو حضرت والد صاحبؒ اس پوری جدوجہد میں مولانا کے دست و بازو رہے اور اس فرض کے لئے

ملک کے طول و عرض میں دورے کئے۔ متعدد مقامات پر جہاں مولانا تشریف نہیں لے جاسکتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کو اپنی جگہ بھیجا اور سرحد، پٹنہ، بھوپال کے موقع پر پورے صوبہ سرحد کا دورہ کرتے ہوئے والد صاحبؒ کو اپنے ساتھ رکھا۔

پاکستان بننے کے بعد یہاں اسلامی دستور کی جدوجہد کا آغاز ہوا، تو شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی دعوت پر حضرت والد صاحبؒ پاکستان تشریف لائے۔ ان کی بدولت پر تعینات سلاوی بورڈ میں شامل ہوئے، جو اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کیلئے بنایا گیا تھا، پھر مولانا کی وفات تک ہر ہفت روزے میں اس کے شریک کار رہے اور حضرت مولانا کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی آپ ہی کو حاصل ہوئی۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ پاکستان کے صف ازل کے معماروں میں شامل تھے۔ قائد اعظم اور نواب زادہ سیادت علی خان مرحوم تقسیم ملک کے وقت آپ کو اپنے ساتھ پاکستان لے آئے تھے اور مغربی پاکستان میں پاکستان کا پرچم سب سے پہلے مولانا ہی نے لہرایا۔

اگر آپ چاہتے تو یہاں رہنے سے بہت کچھ لیوی سارا سامان اور عہدہ و منصب حاصل کر سکتے تھے، لیکن مولانا نے "حقوق تک درویش زندگی تزاری" اپنے لئے کوئی ایک مکان بھی حاصل نہ کیا، بلکہ وفات کے وقت تک دو مستعار لئے ہوئے کمروں میں مقیم رہے اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ آپ کا کوئی بنک بیلنس تھا، زندگی مکان تھا، نہ سارا سامان۔

۱۹۴۸ء میں جب حضرت والد پاکستان تشریف لائے تو روزانہ شام کے وقت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس جانے کا معمول تھا۔ راقم الحروف اس وقت بہت کم سن تھا اور اکثر والد صاحبؒ کے ساتھ مولانا کی خدمت میں چلا جایا کرتا تھا اس زمانے میں کراچی میں کوئی میٹروپولیٹن سڑک نہیں تھی کبھی بھی سب خاتہ بھی نہ تھا۔ بعد ازاں کسی علمی

مسند تحقیق مقصود ہوئی تو مولانا حضرت والد صاحب کے پاس تشریف لے آئے۔ کیونکہ والد صاحب نے اپنے ساتھ اپنی ذاتی کتابوں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے۔ چنانچہ ہمارے مکان پر بھی بعضی کتابیں رہیں اور مولانا اپنے صنف و طعالت کے ہر حوالہ کی پیاس بجھانے کیلئے تیس سالہ مکان کی میز میاں پر لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ شہید احمد رضا صاحب کو تحریر و تفسیر دونوں کا منفرد ملک عنایت فرمایا تھا۔ خاص طور سے آپ کی خطابت انتہائی موثر و ردول شین ہوتی تھی اور آپ مختلف مصلوں کے دروید اپنی بات دوس میں اتار دیتے تھے۔ حضرت والد صاحب سے نئے ہوئے حضرت علامہ عثمانیؒ کے چند جملے اس وقت یاد آئے۔

۱۔ فرمایا کہ حق بات اگر حق نیت سے در حق طریقہ سے کہی جائے تو کبھی دایاں نہیں جاتی۔ اس کا کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔ بات جب بھی بڑھتی ہوئی تو بات وہ خود حق بات نہ ہوگی یا بات حق ہوگی، مگر کہنے والے کی نیت حق نہ ہوگی یا بات بھی حق ہوگی، نیت بھی حق ہوگی نہیں ہے کا طریقہ صحیح نہیں ہوگا، لیکن اگر یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو بات سے غیر موثر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

۲۔ فرمایا کہ ”دنیا کی جنت یہ ہے کہ وہیں ایک ہوں اور نیک۔“

۳۔ حضرت علامہ عثمانیؒ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے اور وہ اس شب اور اسلامی دستور کے مسئلہ میں دوسرے رکن سے بحث و مباحثہ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا کی تجویز پر عاصم (اس وقت گورنر جنرل) علامہ محمد صاحب نے یہ طعن دیا کہ ”مولانا یہ موصفتیں ہیں، ان کو اس باتوں کی کیا خبر؟ لہذا اس صحافت میں علامہ کو دخل اندازی نہ کر لی جائے۔“

اس موقع پر حضرت علامہ نے جوق پر فرمائی، اس کا ایک طبع جمد یہ تھا

”ہمارے اور آپ کے درمیان صرف اے ربی، ہی ڈی کے پردے حامل ہیں اس

مصنوعی پردوں کو اٹھا کر دیکھئے تو پتہ چلے گا کہ علم کس کے پاس ہے اور جاہل کون ہے؟۔۔۔
۴۔ بعض لوگوں کو اسلامی دستور یا اسلامی قانون کا تصور آتے ہی خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے کہ اسلامی دستور و قانون کے نفاذ سے ملک میں تہیو کرہی قائم ہو جائے گی۔ اُید مرتجی ہی قسم کا کوئی معذرت سبلی میں زیر بحث تھا۔ اس موقع پر حضرت علامہؒ نے ارشاد فرمایا: ”آپ کو ملا سے یہ خطرہ ہے کہ وہ کہیں اقتدار پر قابض نہ ہو جائے، لیکن غیب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ملا کا ایسا کوئی ارادہ نہیں، ملا اقتدار پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا، البتہ اصحاب اقتدار کو تھوڑا سا ملنا ضرور ملنا پاتا ہے۔“

علاء کی اصل پالیسی شروع سے یہ تھی کہ نہ الیکشن میں حصہ لیں، نہ اقتدار میں آئیں اور اگر ارادہ پ اقتدار اسلامی دستور قانون کے نفاذ کے سلسلے میں ملک بھر کے علماء کا مطالبہ تسلیم کر لیتے تو کسی اہل علم کو الیکشن کی سیاست میں حصہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوا اور اس کے بعد بعض معائنہ کرام مجبور ہو کر الیکشن کی سیاست میں داخل ہو گئے۔

۵۔ وطن کے سلسلے میں حضرت علامہ عثمانیؒ کا ایک ارشاد حضرت والد صاحبؒ بکثرت نقل فرماتے تھے اور اسے اپنے ”سفرنامہ بدیع ہندوستان بھون“ میں بھی تحریر فرمایا ہے: ”یاد آیا کہ میرے استاذ محترم اور برادر کرم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے ایک روز ”وطن“ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر شخص کے تین وطن ہیں۔ ایک جسمانی، دوسرا ایمانی، تیسرا روحانی۔ وطن جسمانی وہ جگہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا۔ وطن ایمان سو من کا دینہ طیب ہے جہاں سے اس کو نور ایمان ملا اور وطن روحانی جنت ہے جہاں عالم ارواح میں اس کا اصلی مستقر تھا اور پھر پھر آکر پھر وہیں جاتا ہے۔“

(مفتی روضات ص ۵)

۶۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ عثمانیؒ ”علم و فضل کے پہاڑ

تھے اور اللہ تعالیٰ نے جلیلہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانو قوی قدس سرہ بانی
 دارالعلوم دیوبند کو جو علوم دینی عطا فرمائے تھے، خاص طور سے فلسفہ و کلام اور حکمت و دین کے
 بارے میں حضرت بانو قویؒ کو جو دقیق معارف عطا ہوئے تھے، وہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ
 میں نہیں آتے، لیکن علماء دیوبند کی جماعت میں دو بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے حکمت قاسمی
 کی شرح و توضیح اور اسے الطوب الی الفہم بتانے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔
 ایک حضرت علامہ شیعہ رحمہ عثمانی صاحبؒ، اور دوسرے مولانا قاری محمد حبیب صاحبؒ۔

۷۔ حضرت والد صاحبؒ نے عیساؑ یا کہ جب حضرت عثمانیؒ نے صحیح مسلم پر اپنا شہرہ
 آفاق شرح "فتح المسلم" تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے۔ وہاں
 روئے قدس کے سامنے بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کی اور پھر روئے قدس پر بھی اور حرم مکہ
 میں منقرم پر بھی مسودہ سر پر رکھ کر دعا کی تھی کہ

"یہ مسودہ احرار نے ہے سر و سامانی کے عالم میں مرحب کیا ہے یا اللہ! اس کو قبول
 فرما لیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام فرما دیجئے۔"

اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدر آباد کی طرف سے
 پیشکش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدر
 آبادی کے مصروف پر بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس نے پوری علمی دنیا
 سے اپنا لوہا سوا دیا۔

۸۔ حضرت والد صاحبؒ حضرت علامہ عثمانیؒ کی اردو تصانیف میں تفسیر عثمانیؒ کے
 علاوہ "اسلام، عقل و اہل" اور "اجاز قرآن" کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے درکنں مرحبہ
 اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ ان کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ ہو جائے۔ اپنے بعض
 انگریزی دان متعلقین کو اس طرف متوجہ بھی فرمایا، لیکن لمسوس ہے کہ یہ کام حضرت والد
 صاحبؒ کی حیات میں انجام نہ پاسکا۔ وعلی اللہ بحمدہ بعد ذلک امر۔

۹۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کی خطابت کا غیر معمولی کمال عطا فرمایا تھا، لیکن ساتھ ہی طبیعت میں نزاکت اور لطافت بھی بہت تھی۔ چنانچہ جب ذرا طبیعت میں ادنیٰ تکدر ہوتا تو، غلط و تقریر پر آمادگی ختم ہو جاتی تھی۔ فیروز پور میں جب قادیانوں کے ساتھ تیار امتاظرہ ختم ہوا۔ (اس متاظرہ سے تفصیل خود حضرت والد صاحبؒ کے قلم سے مولا نامہ محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنے مقالے ”مختصر اعظم اور رد مرزا ایت“ میں بیان فرمائی ہے، یہ مقالہ ابلاغ نمبر میں شائع ہو چکا ہے) تو اہل شہر نے رات کے وقت ایک بڑے جلسہ عام کا اہتمام کیا۔ خیالی یہ تھا کہ اس وقت فیروز پور میں اکابر علماء دیوبند جمع ہیں، جن میں حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ خان صاحبؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ وغیرہ جیسے آفتاب و ماہتاب شامل ہیں۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل شہر کو ان سے استفادہ کیا جائے۔ یوں تو یہ تمام ہی حضرات علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے، لیکن جہاں تک خطابت کا تعلق ہے سب کی نظر میں علامہ عثمانیؒ پر لگی ہوئی تھیں، چونکہ ان کی تقریر عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہوتی تھی اور عام لوگ اس کا اثر زیادہ قبول کرتے تھے۔ چنانچہ جلسہ کے پروگرام میں آپ کی تقریر کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

لیکن جب جلسے کا وقت قریب آیا تو حضرت علامہ عثمانیؒ کی طبیعت کچھ تازہ ہو گئی۔ تقریر کے لئے و شراح باقی نہ رہا اور مولانا نے تقریر سے غدر کر دیا۔ جتنے علماء اس وقت موجود تھے، ان سب نے مولانا کو تادہ کرنا چاہا، مگر مولانا آمادہ نہ ہوئے بلکہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن خان صاحبؒ مولانا پرتاب شاہؒ بھی ہوئے۔

لیکن میں جانتا تھا کہ مولانا اس معاملہ میں معذور ہیں اور جب تک از خود آمادہ نہ ہوں، وہ تقریر نہیں فرما سکتے۔ اس لئے خاموش رہا۔ یہاں تک کہ جب تمام حضرات جلسہ میں جانے لگے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات تشریف لے جائیں، میں

بعد میں آؤں گا۔ اب قیام گاہ پر صرف میں حضرت علامہ عثمانیؒ کے ساتھ رہ گیا۔ جب کچھ دیر گزری تو میں نے عرض کیا

”حضرت! آپ کی طبیعت میں کچھ انقباض ہے، یہاں قیام گاہ پر تنہا رہنے سے یہ انقباض اور بڑھے گا، اگر جلسہ میں صرف تشریف لے جائیں اور بیان نہ کریں تو شاید کچھ طبیعت بہل جائے۔“

فرمانے لگے ”لوگ مجھے خطاب پر مجبور کریں گے۔“ میں نے عرض کیا کہ ”اس کا میں ذمہ دیتا ہوں کہ آپ کی رضامندی اور خوش دلی کے خلاف کوئی آپ سے اصرار نہ کرے گا۔ مولا اس بات پر راضی ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد ہم جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ وہاں پر دوسرے علماء کرام تقریر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جمع کا ذوق و شوق دیکھ کر حضرت علامہ عثمانیؒ کے دل میں خود بخود آمادگی پیدا ہو گئی اور پھر خود ہی اسٹیج سیکرٹری سے کہا کہ ”میں بھی کچھ کہوں گا۔“ اس کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ مولانا کی تقریر ہوئی، جس نے حاضرین کو سیراب کر دیا۔

۱۰۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو تحریر کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آزادی ہند کی جدوجہد کیسے جمی۔ علماء ہند قائم فرمائی اور اس غرض کے لئے دہلی میں ایک عظیم الشان جلساں طلب فرمایا تو اس کا خطبہ صدارت شیخ الہند کو دینا تھا۔ حضرت کو خود لکھنے کا موقع نہ تھا۔ اس لئے اپنے تلامذہ میں سے متعدد حضرات کو یہ خطبہ لکھنے پر مامور فرمایا۔

”پہلے سے متعدد تلامذہ نے اپنے اپنے انداز میں خطبہ لکھا لیکن پلا فر حضرت نے اس خطبہ پر پسند اور مشکور فرمایا، وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کا تحریر فرمودہ تھا۔ چنانچہ حضرت نے اس خطبہ پر دعا، روپیہ شائع بھی ہوا۔

حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ حضرت علامہ عثمانیؒ کا رشتہ دلی کا بھی تعلق تھا۔

حضرت والد صاحب آپ کے شاگرد بھی تھے اور پھر تحریک پاکستان کی جدوجہد میں آپ کے دست و پا رہے۔ ان تمام رشتوں کے نتیجے میں حضرت علامہ عثمانیؒ صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے اور آپ کی علمی و عملی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ قوی نظریے کے بارے میں حضرت والد صاحب نے ایک استفسار کے جواب میں مفصل رسالہ لکھا، اس پر بطور تقریر علامہ عثمانیؒ نے تحریر فرمایا

”میں نے اس فتویٰ کا بالاحتیاج مطالعہ کیا، ماشاء اللہ مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ اہل علم و فکر کے لئے گنجائش نہیں چھوڑی۔ سب اطراف و جواب واضح ہو کر سامنے آ گئے ہیں۔ حق تعالیٰ بجاۃ مفتی صاحب کو جزائے خیر دے۔“

شبیر احمد عثمانی دہلی ہند

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ (جواہر اللقہ) ص ۲۳۸ ج ۱

اور حضرت والد صاحب کے رسالہ ”لہلہ السآدب فی المسح علی الجوارب“ پر تحریر فرماتے ہیں

”میں نے سراسر علی الجورین کی بحث پڑھی۔ حق تعالیٰ مفتی صاحب کے اعجاز و علوم میں برکت دے، انہماک تحقیق و تمییز سے جواب لکھا ہے، بہر حال میرے نزدیک مفتی صاحب کی تحقیق صحیح ہے۔“ (فتاویٰ دارالعلوم دہلی ہند ص ۲۳۸ ج ۲)

☆ ☆ ☆

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک عظیم مثالی شخصیت

آپ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کے معتد بہ علمائے شاگرد میں سے تھے۔ غیر معمولی دیانت و ذکاوت کے حامل تھے۔ علم محض تھا اور نہ شیخ علم تھا۔ علوم عقلیہ سے خاص ذوق تھا۔ منطوق و قلم اور علم کلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ صحت قاسمیہ کے بہترین شاعر تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مسجد فتح پوری دہلی کے مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریس علوم میں مشغول ہوئے، پھر جامعہ اسلامیہ انجیل میں ایک عرصہ تک شیخ التفسیر کی حیثیت سے کام کیا اور اپنے آخری دور میں چند سال دارالعلوم دیوبند کے صدر و مہتمم بھی رہے۔ صحیح مسلمؒ کی بہترین شرح سکھانے انداز میں تفسیر اور حکمت قاسمیہ کو اس میں نمایاں رکھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے تفسیری فوائد جو حضرت علامہ نے ترجمہ کے ساتھ شروع فرمائے تھے۔ آپ نے پایہ تکمیل کو پہنچائے۔

بے مثال خطیب تھے اور خطابت میں قاسمی علوم کثرت میں فرماتے تھے۔ تحریر و تقریر میں ان ہی علوم کا غلبہ تھا۔ یہی شعور ادنیٰ بچہ کا تھا۔ ملکی معاملات کے آثار چھٹاؤ کا چراغ حشر و جن کے سامنے رہتا تھا اور اس بارے میں بھی کئی رائے قائم کرتے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں شریک رہے۔ جمعیت علماء ہند کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ آخر میں مسلم لیگ کی تحریک میں شامل ہو گئے اور جمعیت علماء اسلام اور بنیاد ڈالی۔ جمعیت علماء اسلام کے ارکان علماء کرام نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا۔ سرحد و سیلوٹ، ریر ٹرم میں انکم کروار ادا کیا۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان پہنچی ترک وطن کر دیا اور پاکستانی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قرارداد متصادم پاس کرائی۔ وہاں کی قوم نے آپ کو کنگ الاسلام پاکستان کے لقب سے یاد کیا۔

حق تعالیٰ نے حضرت علامہ کو علم و فضل کا ایک دافر حصہ عطا فرمایا تھا، لیکن اس کے ساتھ عجز و انکساری اور برہمگوں کا ادب، احترام ان کے خاص اوصاف ہیں۔ اہل علم کے قدردان اور سطوس کا بحسہ تھے در نہایت صاف و شفاف قلب کے مالک تھے۔ فرمایا: "ساکین سے بہت شفقت و محبت اور اخلاقی کریم۔ کا برتاؤ فرماتے تھے۔ اخلاقی طور پر آپ میں ایک خاص صفت یہ تھی کہ جو بہت ہی اچھا تھا کہ ظاہر و باطن میں یکسانیت تھی۔ اپنے لنگی بند بات کے پھپھارے یاں کے بر خلاف اظہار پر قدرت نہ رکھتے تھے، کسی سے خوش ہیں تو ظاہر و باطن خوش اور اگر کسی سے ناراض ہیں تو علانیہ اس کا اظہار اس کے چہرے سے ہو جاتا تھا اور یہ بھی دیتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے معاملات میں اگر ذمہ داروں سے انہیں کوئی کرائی پیش آتی اور حضرت مولانا صاحب الرحمن صاحب مٹانی مہتمم دارالعلوم دیوبند جو ان کے بڑے بھائی بھی تھے، رنجش ہو جاتی تو اکثر روٹھ کر بیٹھ جاتے یا سفر میں چھپ جاتے۔ انہیں منانے اور راضی کر کے لانے کے لئے اکثر میں مامور ہو جاتا تھا، کیونکہ آپ مجھ پر شفقت زیادہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ خفا ہو کر تھاں بھون تشریف لے گئے تو یہ احقر وہاں گیا اور راضی کر کے لے آیا۔ ایک دفعہ ناخوش ہو کر گھر بیٹھ رہے اور مدرسہ میں آتا

جانا کہ کر دیا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے طے فرمایا کہ تو ہی جا کر دے سکتا ہے
میں حاضر ہوا اور عرض معروض کی تو راضی ہو گئے۔ دربارِ اعلیٰ میں پہنچے۔ طبعیت اس
قدر صاف تھی کہ جس وقت بھی بات ان کے دہن میں آجاتی تھی تو ہی میں گرائی رہ جاتا تھا
تحتیاً ہنست چہرے پر نمودار ہو جاتی۔ درایسے خوش اور مستحضر ہو جاتے کہ گویا گرائی ہی
میں۔ ایک عالمِ دین کے لئے یہ وصف ایک عظیم مقام ہے کہ اس کا عہدِ باطن ایسا ہو
اور یہ مطلب نہیں، بلکہ تسبیح و ثناء اس کی فکری رفتار میں ہو۔

حضرت علامہ کا ایک وصف یہ بھی میں نے بار بار دیکھا کہ ان کے ہنر میں نہ
بہرہ نہیں تھا۔ میں بھی انہیں تہذیب آمیز کچھ سے کوئی بات کہی تو کبھی ان میں سے کچھ نہ
بات ان نے درایسے قائل تسلیم نہ ہوتی تب بھی پے کاہ کے حقوقِ رعایت راہ فرماتے
تھے۔ قلبی جدت کو بالکل صفا کی سے کہ ڈالتے تھے۔ خواہ وہ اپنی ہی سرداری ہو، ایسا
ناخوش ہو کر گھبراتے تھے۔ میں حسبِ معصوم منانے کے لئے کیا تو کبھی سے کچھ میں فرمایا
کہانی حبیب۔ مجھے مردہ سمجھایا ہے، جو اس طرح مجھ سے قطع نظر کی تو اس لوگ سے قطع نظر
پر۔ میں اس میں دو طرح کے جذبات پیدا ہوئے۔ ایک جذبہ نفسانیت ہے اور
ایک غلبہ ہے۔ نفسانیت سے تو یہ کہ اگر انہوں نے مجھے مردہ سمجھا ہے تو انہیں میں اپنی
رہ کی باور میں اس کا یہ طریقہ ہوتا جو انہیں میری زندگی سمجھواتا، مردہ اور جذبہ
نفسانیت سے پیدا ہوا، وہ یہ کہ میں دیوبند سے کہیں باہر جا کر صحیح مسلم کی شرح قلعے میں لگ
جاساں۔ میری طرف سے کچھ بھی ہوتا رہے، نہ میں یہاں رہوں گا، نہ یہ وہ روز کی کوئی
فہم نہ پڑے گی۔ میں نے کہا کہ حضرت ان دونوں جذبوں میں سے کون سے کو آپ نے
جیتا لیا ہے۔ فرمایا انہیں واسے جذبے کو۔ میں نے کہا، الحمد للہ، مگر میں نے پھر کہا
حضرت! آپ کے سے تو اس میں بلاشبہ اثر ہے اور یہ نیت یقیناً پاک ہے، مگر اس پر تو
امید ہے کہ یہ کسی کی چھوٹی چھوٹی طبیعت یا گوار یوں سے جماعتی کام کا ترک کر دیا جاتا

مناسب ہوگا، جبکہ کاموں کا دار و مدار آپ ہی جیسے حضرات کے اوپر ہے، اگر اسی طرح کل جماعت کے دوسرے بزرگ بھی ایسے ہی وقتی اور ہنگامی ناگوار یوں کے سبب جو کبھی نہ کبھی آپ کی طرف سے اس میں پیش آ جاتی ہیں، یہی فیصلے کر لیں کہ ہمیں کام چھوڑ دینا چاہیے، تو فرمائیے کہ یہ کام آخر کس طرح چلے اور اسے کون سنبھالے گا۔ میرے نزدیک تو آپ سے یہ اپنے کو یکسو کرنے کا فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اس جماعتی کام کو ختم کر دینے کا فیصلہ فرمایا ہے، یہ مناسب ہے؟

بس اتنا سن کر ایک دم چہرے پر بے بسیاں - مگنی اور فرمایا ہاں یہ تو نے صحیح کہا، اب میں نے دوسرا جذبہ بھی دس سے نکال دیا اور کل سے دارالعلوم پانچ کر کام کروں گا۔ چنانچہ علی الصبح حسب وعدہ و تشریف لے آئے اور ایسے انداز سے آئے کہ گویا کوئی بات پیش نہیں آئی تھی۔ یہ درحقیقت وہی خاہر و باطن کی یکسانیت، قلب کی صفائی اور حق پسندی کا یہ اثر تھا کہ دل میں کبھی کچھ نہیں رکھتے تھے۔ بہر حال علم کے ساتھ حق تعالیٰ سے یہ خاص وصف عطا فرمایا تھا جس نے ان کی بڑائی دلوں میں شہادتی تھی۔ قلبی طور پر استقامت اور اذکی کیفیت کا علم یہ دہ تھا۔ کام کے سلسلے میں جب تک دوسروں کی طرف سے طلب اور کافی طلب ظاہر نہ ہوتی تھی، متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان جو میرے رفیق قدیم ہیں اور حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے معتقد علیہ السلام اور رفقاء کار میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی "علم و فضل کے پہاڑ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے اوصاف سے نوازا تھا۔ عرصہ دراز تک آپ دارالعلوم دیوبند میں درجہ حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے اور آخر میں دارالعلوم کے صدر مہتمم کی حیثیت سے کام کیا اور دارالعلوم نے نمایاں ترقی کی۔ تفسیر عثمانی، صحیح مسلم کی شرح فتح البہم، آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں جو آپ کے علمی کمال کی دلیل ہیں۔ حضرت علامہ نے صحیح مسلم پر اپنی

شہید "فاق" فتح الہلم "جب تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے وہاں رہنے والا قدس کے سامنے بیٹھ کر مسجد نبوی میں اس کی ورق گردانی کی اور پھر بعضہ قدس پر بھی اور حرم مکہ میں ختم پر بھی مسودہ رکھ کر حضرت علامہ نے دعا کی تھی کہ یہ مسودہ احقر نے بے سرو سامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے۔ یا اللہ اس کو قبول فرما لیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام فرما دیجئے۔" اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدر آباد دکن کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدر آباد کے مصارف پر بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس عظیم الشان تالیف نے پوری علمی دنیا سے اپنا لوہا منوایا۔

الغرض حضرت علامہ مرحوم بلند اوجھ پیر (بہا دپور) میں وزیر تعلیمات درس کی محنت پر تشریف لے گئے اور بغرض تجدیدی آپ وہاں کچھ روز وہاں قیام فرمایا مگر قیام کو ابھی تیس ہی دن گزرے تھے کہ وقت سو عود آ پہنچا اور ۱۳ دسمبر ۱۹۳۹ء یوم شنبہ آپ نے دائمی محل کو لیک کر اور ہمیں داغ مفارقت دے کر راگیر عالم جاودانی ہو گئے۔ یہ جبر مسلطانہ ہندو پاک عموماً اور متوطنین دارالعلوم دیوبند کے حلقوں میں خصوصاً انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی تھی۔ دارالعلوم کی فضا رنج و غم میں ڈوب گئی اور تمام وقار و کثرت بند کر دیے گئے۔ علی الصبح صبح فجر کے بعد مسجد دارالعلوم میں حضرت علامہ کے سانچہ احتمال کا تذکرہ کر کے کل شریف اور قرآن کریم شتمہ کیا گیا، جس میں تمام اساتذہ اور طلبہ اور کارکنان دارالعلوم نے شرکت کی، پھر بعد نماز عظمیٰ تہنیتی جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد نے اپنے تہنیتی کلمات میں ارشاد فرمایا کہ

حضرت علامہ عثمانیؒ کی شخصیت بے مثال تھی۔ علم و فضل میں آپ کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔ ہم میں سیاسی اختلاف ضرور پیدا ہوئے مگر وہ اپنی جدہ ہیں۔ حضرت علامہ مرحوم کے علم و فضل اور بلند پایہ شخصیت سے انکار نہیں کیا جا

سکتے۔ یقیناً ان کی یہ دائمی مفارقت ہم سب کے لئے باعث مدد و مددال ہے۔ حضرت علامہ مرحوم نے دارالعلوم میں تعلیم پائی اور حضرت شیخ بہنڈ اور بہت سے اکابر دارالعلوم سے انہیں نسبتی تعلق تھا اور تقریر و تحریر کا خدا داد ہنر حضرت مولانا مرحوم کا حصہ تھا اور بہت سی خوبیوں سے حامل تھے۔

حضرت مولانا مدنیؒ کی تقریر کے بعد احقر نے ایک مفصل تقریر کی، جس میں شیخ الاسلام علامہ مرحوم کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات و خصوصیات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ جماعت علماء میں حضرت علامہ مرحوم نہ صرف ایک بہترین عالم و فاضل ہی تھے بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے۔ آپ کا فہم، افراستہ اور فکس بے نظیر تھا۔ آپ اس علمی ذوق کے امین تھے، جو اکابر دارالعلوم سے بطور ورثہ آپ کو ملے تھا۔ حضرت قاسم العلوم وائسرائے دینی دارالعلوم کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی اور دوسروں میں ان کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔ علوم میں نظر نہایت گہری اور عمیق تھی۔ علمی لائقوں میں آپ کو درس و تدریس اور مختلف مدرسہ مدرسہ فتح پوری علی گڑھ، دارالعلوم دیوبند، جامعہ اسلامیہ، انجیل کے ہزار باطلہ کو جیسے بعد دیگرے، قادیان ایک امتیازی شاہ رکھتا تھا۔ تقابلی دوسوں میں آپ کی متعدد تصانیف اور قرآن حکیم کی تفسیر بصورت فوہ واد مسہر شریف کی عربی شرت یا اگر رمانہ ہیں کی جو چوری، انہی اسلام میں نہایت پسندیدہ کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں۔ سیاسی مائنوں میں آپ نے تقسیم ملک سے پہلے اپنی مدد نہ سیاسی قابلیت سے ریاست حیدرآباد کو ایسے وقت میں محض مہلک مدد کی قوتوں سے پیہ کی سعی جمیل فرمائی، جبکہ اس کے بعد مدت بہت زیادہ خطرناک خطرہ میں تھے۔ آخری ملک کی جدوجہد میں آپ نے کافی حصہ لیا اور آپ کی صحیح و بلیغ تقریروں سے انہوں باشندگان وطن آزادی وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کو اپنا مستقل وطن بنا لیا اور اپنی میں مقیم رہ کر پاکستان کی بہت سی دینی و علمی

سات انعام دیں۔ پاکستان کے ارباب حکومت پر آپ کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاص حق اور وہاں کی گورنمنٹ کے ہائی آرڈر میں آپ کا عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص امتیاز حاصل تھی آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی اور مذہبی قانون کمیشن کے صدر تھے۔ وہاں کی حکومت نے آپ کے ساتھ حیات اور مرگت میں وہ معاملہ کیا جو ایک قدر میں حکومت کا اپنے مفلس خیر خواہ اور ملک کے ایک ممتاز عام آدمی کے ساتھ کرنا چاہئے۔

علامہ مرحوم کی ان چند فضیلتوں اور پھر مخصوص بہتوں سے اول آپ دارالعلوم کے یہ تازہ فرزند تھے، پھر اس کے قابل قدر مدرس بنے اور آخر کار ادارہ کے صدر مہتمم بنے۔ ان کے حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم بطور دو سنے حق نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے لئے دعا ہے مغلطرت اور ایصال ثواب کریں اور نہ صرف آج بلکہ آئندہ سبھی برابر کرتے رہیں۔ علامہ و طلباء کے پھر سے جمعے نے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے ہاتھ دھوا کر اور کافی حد تک خشوع و خضوع کے ساتھ دعا فرمائی اور دعا۔ رنج و الم میں ڈوبی ہوئی یہ مجلس برخاست ہوئی۔ وقتاً بوقتاً گویے گئے اور حضرت کے ایصال ثواب کے لئے ایک دن کی تعطیل کی گئی۔ احقر مہتمم دارالعلوم اور جماعت کی جانب سے تعزیت کے نام حضرت علامہ مرحوم کے اہلی بیت اور پاکستان کے گورنر جنرل اور علامہ اور ایسوسی ایٹ پریس پاکستان کو روانہ کئے گئے جن کی عبارت حسب ذیل ہے۔

”شیخ الاسلام پاکستان علامہ شیخ احمد عثمانی کی وفات پر صرف پاکستان بلکہ عالم اسلامی کا ایک شدید حادثہ ہے۔ میں خود اور تمام جماعت دارالعلوم ایوبیہ آپ کے اور تمام امت مسلمہ کے فہم میں شریک ہیں اور تعزیت پیش کرتے ہیں۔ دارالعلوم میں تعطیل کی گئی اور قہر قرآن اور دعا کر لی گئی ہے۔“

(ماہنامہ اچھا بھلا منیات)

شیخ الحدیث مولانا فیض احمد صاحب مآثر

علامہ عثمانیؒ ... ایک جامع شخصیت

حضرت اقدس علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ شانہ نے متنوع مآثرات سے متصف فرمایا تھا علامہ صاحب اپنے دور کے بے بدل مفسر، محدث اور خطیب تھے۔ جدید علم کلام کے لابیانی منظم و محقق تھے۔ حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ کے ترجمہ قرآن مجید پر علامہ عثمانی مرحوم کے تفسیری حواشی کو برصغیر کے متاثر علاء کرام نے بہت پسند کیا ہے۔ بعد میں یہ اردو تفسیری حواشی تفسیر عثمانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ افغانستان میں علامہ حفظہ اللہ کے دور میں اس تفسیر عثمانی کو فارسی زبان میں بحال کر خوبصورت کتابت کے ساتھ بہترین کاغذ پر شائع کیا گیا۔ ایک دفعہ ہندو سفر حج میں مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں حضرت مولانا مفتی عاشق امینی بندہ شہرئی کی خدمت اقدس میں حاضر تھا تو مفتی صاحب نے فرمایا: سعودی حکومت نے شاہ فہد عفاۃ اللہ کے حکم سے تفسیر عثمانی کو دس دس لاکھ کی تعداد میں متعدد بار چھاپ کر دنیا بھر کے اردو دان مسلمانوں میں مفت تقسیم کیا۔ ہندو راقم کے خیال میں عالم ایک کروڑ نسخہ شائع کیا گیا۔ سعودی مملکت نے یہ مصوبہ نشر و اشاعت حضرت مولانا بوعلی علی میاں ندوی مرحوم کے مشورہ سے ترتیب دیا تھا۔

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ خود زبردست مفسر تھے۔ تفسیر بیان القرآن آپ کی لابیانی تفسیر ہے۔ حضرت حکیم الامت "تفسیر عثمانی" کو بہت پسند فرماتے تھے۔ وفات کے قریب حضرت تھانوی نے اپنا کتب خانہ اس کی تمام

نہیں ہر سر کے نام وقف کر دی تھیں۔ لیکن محبت و عظمت کی وجہ سے تفسیر عثمانی کو اپنے
پاؤں نہ بٹھایا تھا۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرمایا
کرتے تھے۔ یہ تفسیری فوائد ”دریاب کوزہ حصاد“ ہیں۔ بلا مبالغہ یہ ”تفسیری حواشی“ عالم
مذہب کی تمام مجتہد تفسیروں کا خلاصہ جو ہر اور مخطوط ہیں۔ اردو ادب کے لحاظ سے بھی یہ تفسیر
حضرت علامہ عثمانی کا بے مثل قلمی شاہکار ہے۔

علامہ عثمانی کا کچھ نسبتی تعارف :

() علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ مجتہم دارالعلوم دیوبند
دار مولانا مفتی عزیز الرحمن دارالعلوم دیوبند باپ شریک بھائی تھے۔ مولانا مطلوب الرحمن
حضرت علامہ عثمانیؒ کے بھائی تھے۔ ان کے علاوہ علامہ عثمانی کے اور بھائی تھے۔ بعض
بھائی اور بعض اخیانی تھے۔ (مقرر تفسیر عثمانی مرتبہ مولانا محمد اشفاق احمد علی ایچ ایم سید کہنہ کاپی نمبر ۴۰)
علامہ عثمانیؒ کے والد ماجد مولانا فضل الرحمن مرحوم اسپیکر مدارس تھے۔ انگریزوں
کے ظلم و جبر اور ان کے عزائم سے بہت پریشان اور متکدر رہتے تھے۔ انگریزوں نے
مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی۔ اس کا سارا زور مسلمانوں کے اسلامی ورثہ اور دینی علوم کو
ختم کر دے پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں پر اس حالت کو منکشف فرمایا تھا۔ مولانا
فضل الرحمنؒ نے دینی تعلیم کے کتب کھولنے کی تجویز حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے
ساتھ پیش کی۔ چنانچہ ایک کتب کھولا گیا۔ مولانا محمد یعقوب اس کتب کے مجتہم مقرر ہوئے
مولانا محمد یعقوبؒ نے خواب میں دیکھا کہ سرور کونین ﷺ ایک مقام پر عصا مبارک
باتھو میں لئے ہوئے کھڑے ہیں اور مولانا محمد یعقوبؒ سے فرما رہے ہیں (اٹھائے
مبارک سے زمین پر نشان ڈالتے ہوئے) مولوی یعقوب درر۔ یہاں بتاؤ۔ صبح مولانا محمد

یعقوب صاحب نے اپنے مولانا محمد قاسم نانوتوی کی خدمت میں خواب بیان کیا اور ان کی طلب کی۔ مولانا نانوتوی نے فرمایا تعمیر تو بعد میں پوچھنا ہے اس مقدمہ پر چلو چنانچہ جس وہاں پہنچے تو عصابہ رک کاٹوں موجود تھا۔ اسی نشان پر مدرسہ کی تعمیر شروع ہوئی۔

(مقدمہ تعمیر عثمانی مسجد میں شیخ محمد سعید بھی رہے)

ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ

یہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید کی نقل ہے۔ حضرت صاحب کے ترجمہ میں جو لفظ مردورمان سے مترادف یا غیر مستعمل ہو گئے تھے، ان کی جگہ دوسرے مردود الفاظ رکھائے ہیں اور جہاں عبارت میں انصاف تھا، اس کو کھول دیا ہے۔

(۱۹۱۱ء)

حضرت شیخ الہندؒ نے پادروں کا ترجمہ کر پائے تھے کہ آپ نے بہ سرفراز کار اور ۱۹۱۱ء میں مکہ معظمہ پہنچے۔ انگریزوں نے شریف مکہ کی غداوی سے آپ کو گرفتار کر کے جزیانہ میں قید کر دیا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو ہم کام کئے۔ ایک تو آپ قرآن مجید کا ترجمہ پورا کیا، دوسرے پان سداختہ ایک کو زندہ کیا۔ مختلف ممالک اسلام کے تھے۔ بڑے بڑے انگریز نے وہاں قید کر رکھے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے سب کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ اس طرح عالمی اسلامی تحریک کئی قوت کے ساتھ پھیلنا شروع ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء کی تفسیر مجموعی تفسیر تھی مگر سورۃ آل عمران کی تفسیر کا مسودہ رقم ہو گیا۔ بعد میں علامہ عثمانیؒ نے اس کی تفسیر کر لی کہ قرآن مجید کی تفسیر مکمل کر دی۔

جناب مولوی مجید حسن صاحب نے بڑی عاجزانہ سے حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ شائع کیا۔ بعد میں انہوں نے کوشش کی کہ تفسیر کے ساتھ ترجمہ شائع ہو، تو انہوں نے

بڑے بڑے علماء کی طرف رجوع کیا، مگر اس کے تفسیری نمونے حضرت شیخ الہندؒ کی تفسیر سے
 کام نہیں لھاتے تھے۔ بالآخر انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی طرف رجوع کیا۔ انھوں نے مولانا
 مطلوب الرحمن صاحب نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو ایک خط لکھا، جس میں اپنا ایک اہم
 بیان کیا، جس میں اشارہ تھا کہ قرآن مجید کی خدمت کی جائے اور مولانا مطلوب الرحمن نے
 یہ بھی لکھا کہ مولوی مجید حسن صاحب سے اس سلسلہ میں مرادست کی جائے۔ مولوی مجید حسن
 صاحب پہلے خط لکھ چکے تھے۔ حضرت علامہ یہ خط لے کر حضرت علامہ انور شاہ صاحب
 کشمیری کے پاس پہنچے کہ بھائی مطلوب الرحمن کا یہ خط آیا ہے، حضرت انور شاہ صاحب نے
 فرمایا: مولوی شبیر احمد مولوی مطلوب الرحمن بھی یہی بات نہیں کہہ سکتے، آپ تفسیر کا کام شروع
 فرمائیے۔

اس وقت علامہ انور شاہ صاحب اور مفتی عزیز الرحمن ڈابھیل میں تھے۔ علامہ شبیر
 احمد فرماتے تھے تفسیر لکھتے وقت جب کسی مقام پر الجھن ہوتی تھی تو میں حضرت انور شاہ
 کشمیری کے پاس جاتا اور پوچھتا کہ شو و صاحب فلاں مضمون کس کتاب میں ملے گا تو شو
 صاحب فرماتے، ایکھو مولوی شبیر مضمون فلاں کتاب فلاں صفحہ پر ملے گا اور شاید فلاں سطر
 پر۔ مولانا شبیر احمد فرماتے تھے کہ صوت و صیغہ بھی سطر بھی غلط نہ نکلتی۔ اس طرح حضرت علامہ
 انور شاہ کشمیری بھی اس تفسیری خدمت میں شریک ہیں۔ (اجزاء ۲۰)

ترجمہ شیخ الہندؒ کی خوبیاں

مولانا مطلوب الرحمن فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت انور شاہ صاحبؒ نے محفل
 میں حدیث شیخ الحداد کے ترجمہ کی خوبیاں بیان ہو رہی تھیں۔ ہم فہمیں پہنچے، پتے واقع کے
 مطابق خوبیاں بیان کر رہا تھا۔ حضرت انور شاہ صاحبؒ میری طرف ہی متوجہ ہوئے کہ مولوی
 مطلوب ترجمہ پیش ہو تو نے کوئی بات نہیں کہی۔ میں نے عرض کیا شو و صاحب میرے خیال

میں دو باتیں ترجمہ میں خاص ہیں۔ پہلی بات یہ ہے قرآن کریم کثیر المعانی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو کثیر المعانی ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ شان نزول قرآن مجید خاص ہے، مگر اطلاق عام ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے حتیٰ الترتیب شان نزول سے گریز کیا ہے تاکہ معانی محدود نہ ہو جائیں۔ حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا، مولوی مطلوب جہاں تمہاری نظر پہنچی ہے وہاں کسی کی نظر نہیں پہنچی۔ (ایضاً ص ۶۱)

مولوی مجید حسن صاحبؒ نے صرف مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری نمونہ کو حضرت شیخ الہندؒ کی تفسیر کے موافق پایا اور اسے پسند کیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ علامہ عثمانیؒ علوم شیخ الہندؒ کے حقیقی وارث تھے۔

حضرت جہ مہر علی شاہؒ گوڑہ والے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند اللہ تعالیٰ شہدہ کے صفت علم کے مظہر اتم تھے۔

واقعی علامہ عثمانی صاحبؒ حضرت نانوتوی کے علوم کے شارح تھے اور امین و محافظ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے، مولانا محمد قاسم صاحب کا جتنا فیض مجموعی طور پر ہم سب کو پہنچا ہے، اس سے زیادہ تمہارا مولوی شبیر احمد کو پہنچا ہے۔ (ایضاً ص ۶۱)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا مقام

حضرت سید حسین احمد عثمانیؒ کی نگاہ میں

”ولی راوی شائستہ“ ایک مرتبہ بعض نادان کافرئیں کے حامی طلبہ نے گستاخی کی اور غلط پر ہے حضرت عثمانیؒ کے گھر پھینک دئے۔ اس اطلاع پر حضرت اقدس سواتا حسین احمد عثمانیؒ نے غمزدہ جہ کے بعد دیوبند کی جامع مسجد میں تقریر فرمائی۔ آپؒ نے فرمایا:

”میں عرض نہ کر سکتا ہوں کہ جو بات میں نے ہندوستان کے علماء میں دیکھی وہ کہیں نہیں دیکھی۔ اور ہندوستان کے علماء میں جو بات میں نے دیوبند کے علماء میں

بھی وہ کہیں ہیں دیکھی اور دیکھ کے علماء میں جو بات میں نے مولوی شبیر احمد کے اندر بھی دیکھی ہیں دیکھی اور میرا خیال ہے کہ جب امت میں کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے تو انہوں نے مخصوص بندوں کو بھیج کر اس کی اصلاح کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولوی شبیر احمد نبی پاکوں میں سے ہیں۔ لہذا آئندہ مجھ کو محنوم ہوا کہ کسی نے گستاخانہ کلمات لکھ کر ان کے کان میں ڈالے ہیں تو میں رات کو اُنھ آٹھ کر اس کے بعد پوچھا کروں گا۔

مخصوص بندوں سے مراد مجتہدین کی جماعت ہے۔ اکابر علماء دین و بزرگ درجہ بدرجہ دین کی مقدس جماعت میں شامل تھے۔ دین کے متعدد شعبوں میں ان بزرگوں نے بڑے کام کیا ہے۔ تفسیر محدث فقہ احیاء سنت، روایات، عام دعوت و تبلیغ، جہاد اکبر و جہاد اصغر، دینی و اسلامی سیاست ان تمام شعبوں میں تجدیدی کردار ادا کیا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر عثمانی نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے عقائد و خیالات درست کئے۔ جانوں، کدایوں نے اس امت میں جتنے گمراہ کن افکار پھیلائے ہیں تفسیر عثمانی میں ان سب کا ازالہ کیا گیا۔ ظاہر ہے اسی کو تجدید کہتے ہیں۔ یہ تفسیر تمام مغیبات معتبر تقاسیر کا نچوڑ ہے۔ (ایضاً ص: ۴۱)

یوں تو عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ نے اس تفسیر کی تعریف کی مگر ائمہ اربعہ ہرات افغانستان کے علماء کرام نے تفسیر عثمانی کی اقاویت اور فیض ربانی پر عمدہ لکھ دیا ہے ان کا ارشاد ہے۔

”یہ تفسیر ایک مبلغِ ادنیٰ ایک مدرسِ علمی ایک عالمِ تقویٰ ایک فیضی و اخلاقی کا درجہ رکھتی ہے۔ اردو سے فارسی میں ترجمہ علماء افغانستان کی چند سالہ کوششوں کا نتیجہ ہے اور اس مسئلہ میں جمع کرنے والوں کی خدمات قابلِ قدر و ستائش ہیں۔ یہ تفسیر وحدتِ ملی و قومی کے ادنیٰ شیرازہ بندی میں اور معارف و معلوماتِ دینی و علمی کی توسیع میں مبارک مقام رکھتی ہے۔“ (ائمہ اربعہ کے مدرسین کی نظر میں اس تفسیر کی اشاعت اور مطالعہ ہمارے ملک

افنی نساں کے تعظیم یافتہ در کم پڑھے رکھے افراد دونوں کیلئے مفید ہے۔ یہ تفسیر معاصر
معاذ کے امور میں بہترین ہدایت ہے۔ جس قدر ہمارے لوگ اس تفسیر کا مطالعہ کریں گے
اور اس میں عبور حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسی قدر قوم میں عدالت کا قیام اور
احکامات کا احترام اور خالق و مخلوق کے حقوق و حفاظت کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ یہ تفسیر
کیسے صحیح اخلاقی و روحانی رہبری کا مقام رکھتی ہے اور اس کے اچھے نتائج برآء ہوں گے
میں قلم و قندہ کی سہولیات اور دوسروں کے حقوق میں مداخلت کے جذبات کی اصلاح
ہوگی۔

دینی و شرعی دساتیر کیلئے یہ تفسیر بحرب نفع بخش کرتی ہے۔ چونکہ ہمارے مسلمان
باشعور مسلمانوں کے عام طور پر بے خبر ہیں۔ اس لئے ملکی قوانین اور دستور کیسے
معاون ہے اور روحانی مربیوں کیلئے شفا کا سامان ہے۔ اسی طرح ہر ملک کے رہنما
مسلمان طبقے کیلئے اس تفسیر کی یہی تاثیر اور نفعی شان ہے۔

فتح الہام شرح مسلم

علامہ شیعہ احمد عثمانیؒ کا دوسرا بڑا علمی کارنامہ صحیح مسلم شریف کی عربی شرح
”الہام“ ہے۔ بڑے سائز کے قریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۱۰۰
پیشینہیں (۳۵) سطریں ہیں اور ہر سطر میں تقریباً تیس (۳۰) کلمات اور ۱۰۵ حروف ہیں۔
بقیہ حاشیہ ہر کوثری اگر یہ کتاب مصر میں طبع ہوتی تو اس کی ایک حدیث دو جلدیں بنتیں
بھی بڑے سائز کی۔ اس شرح سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ عثمانیؒ قدس سرہ عظیم مصر
نے سائنس و ماحولیات کی تعلیم بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ تفسیر و حدیث میں مہارت کیلئے طبع و فکر
کمال لازم ہے۔ تو موصوف بیک وقت علوم قرآن و علوم حدیث اور علوم فقہ میں مہارت
کی شان رکھتے تھے۔ فتح الہام شرح مسلم کا حاتم احمد شیعہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ

ربان میں تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں

”کتاب مستطاب ہدایت نصاب صحیح مسلم“ کے درجہ ثانیہ در کتب حدیث وارد چنانکہ حدیث در درجہ ثانیہ کتاب اللہ است دریں زماں خدمتے از جانب مخالف ندارد و مصور است کہ پنج تم کے از مآثر حضرت رسالت پناہ ﷺ اصح و افضل از کتب و علم حدیث است کہ نقاس قدسیہ کریمہ نبی کریم ﷺ بدون کلام تعریف و بے کم و کاست مستند و ظاہر است کہ پنج خدمتے بعد از خدمت کتاب اللہ موجب مرصعہ و خوشنودی حضرت نبوت مانند خدمت حدیث نماند بود۔

لاجرم علامہ عمر خود مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کہ محدث و مفسر و مکتفم این عصر اند و در علم این احقر پنج کس خدمت این کتاب بہتر و برتر را ایشان نمانندے کرو۔ متوجہ این خدمت شدہ منت ہر قاب اہل علم نہاد و حق این خدمت ہی آوردند و حصہ معتد بہارا در کتاب موصوف شرح نوشیہ کہ در خصائص مود بعلم احقر نظیر ندارد۔ و اما کہ سائنس ہیز جیس خدمتے کری بریں کتاب نگردہ شد شرح مذکور بریں، مورد مشتعل است۔

و شرح مشکات حدیث کہ در باب ذات و صفات سید دیگر افعال یا دیگر حقانی عامہ بہتر از افہام و ادراکی شوند۔

نقل عمدہ و حسنیہ اراکان علم کرام در ہر مادہ و موضوع۔

تہذیب خواہ معش یا مشکہ نگار کہ اوفق بہ مقتضای بہتر از س نباشند۔

نقل غائب آمد دین از کتب معتد علیہا در غائب ایب از حد۔ گفت اند۔

نام نہاد کتاب مست پر از انش و داد صحائف قضایہ و جہاد و بدو معاد

شیراز و شریعت و غائب اوراق نعمت ہر شاگرد پیچہ دستاو

خدمت غیب جعبہ رسلک مختلف فیہا بنیت تصوف و صقیہ۔

نقل کا شاد و سرار مولیٰ کہ در مدح و تعظیم غائب۔ یا قوت شد و ارفق غائب شیخ

اکبر قدس سرہ و بختہ اللہ الباقی و غیرہ۔

سایحاً و مع شہادت متوریں عسکر تکلیف و رہائیں قلب ضائع کردہ اند۔
جامعاً جمع کردن احادیث مختلفہ باب از کتب متنوعہ در یک جابجہ از امکان۔
جامعاً جمع و توفیق احادیث و پذیر جہد اندازیں۔

ع شراً مراجعت نقول از اصول و دیگر غیچ مناسب این خدمت گرامی باشد۔

علامہ محقق راہد کوثریؒ کے قلم سے فتح المسلمین اور اس کے مصنف علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا تعارف

صورة ما كتبه فضيلة الشيخ العلامة الحبر المحقق الناقد صاحب
التصانيف والمآثر الشهيرة مولانا محمد واحد بن حسن بن علي الكوثرى برجل
القاهرة اطال الله بقاءه و احسن اليه في دنياه و آخرته و الفاض عليا من
شايب علمه و فضله

”الى حضرة العلامة المحدث الناقد الفقيه البارع العالم الرباني فخر
المجلس النعماني مولانا الشيخ شبير احمد العثماني اطال الله بقاءه في صحبة
وعافية و رفقه لكل خير و نفع بعلمه المسلمين

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته و بعد فقد كان من حسن حظي
ان اتعرف الى الاستاذين الجليلين المتدبين من قبل المجلس العلمي المؤثر
بطبع كتب خاصة بعصر القاهرة فانشرح صدرى جدا مما علمت من
حضرتهما من احوال اخواننا في الهدى في سبيل احياء معالم العلم بما يرسي
الله و رسوله و كنا نعم شيئا من ذلك قبل و لكن اينما كنا نعلمه مما استعدنا
من حضرتهما في هذا الصدد و بالامس شرفا عرفنى و قدم الى (فتح الملهم
في شرح صحيح مسلم) من مؤلفاتكم الراحرة فظلم ضرورى و ابتهاجى
بذلك حداً و كلمنا درسته اردت اعجاباً بالكتاب فانتم يا مولانا فخر
رحمته في هذا العصر حقاً ، اهديتكم بشرح صحيح مسلم هذا عن علم عزيز و

فصل فیاض فی هدوء تامه و مسکینه کامله فی کل خلد و رة كما هو شأن
رباب القلوب من السلف الصالح ، فاشکرکم باسم العلم عني عملکم التامع
هذا كما اشکرکم عظیم شکر علی هدیتکم القيمة هذه و ادعو الله سبحانه ان
یوفقکم لامثال امثاله من التألیف النافعة فی غیر و عافیة ، فانواجب عني هذا
المحاضر ان یرتفع فی حیاضه و یعکف علی دراسته یقلو ما یسمح له صحته
یکون ذلك ذخراً لاخرتی و تنویراً لقلبی ، و نظرة عینی فی الکتاب اظهرت
لي عن کثر تمییز و کم کان سروری عظیماً من تلك المقدمة النفیسة فی
مصطلح الحديث و فی شرح مقدمة صحیح مسلم فانها مما لم اوه مسطراً فی
موضع واحد بهذا الجمع و هذا التحقیق و طریقتکم البهیة فی شرح الکتاب
مما یختص لبالغ استقامته کبار اهل العلم ساعا و عذفاً فماذا یکون قول عني
من لمتطفلیں علی تعلم سوی الاکبار و الاحفال ، اطال الله بقاءکم فی عافیة
کاملة و صحة تامه و یبلغ بعلومکم المسلمین ، فی التمام أرجو من مولانا
الدعاء لی بحسن الخاتمة

من الداعي المخلص

محمد زاهد بن الحسن الكوثری

خادم العلم بدار الخلافة العثمانية سابقاً ، المعیم بالعرفان رقم ۸۰

بشارع العباسیه بمصر القاهرة

فی ۹ / جمادى الثانية سنة ۱۳۵۷ هـ

ثم قرط حضرة العلامة الممدوح فی مجلة " الاسلام " المصرية بکلمات
حسنة ما مضى

فتح العلمهم فی شرح صحیح مسلم :

لاهل العلم بالحدیث عابة خاصة بصحیح مسلم عدماً منهم بمنزلة

العلماء بين أصول الإسلام السنة فمهم من ألف مستخرج حاب عليه ومنهم من
ألف في رجاله خاصة ، ومنهم من عنى بمواضع النقد عند بعض أهل النقد
سناً ومثلاً ، ومنهم من عنى في إيضاح مخفيات معانيه وشرح وجوه دلالاته و
كشف ما علق في أسانيده ، فمن جملة الشارحين لهذا الكتاب الجليل لأمام
أبو عبد الله محمد بن المارزي صاحب " المعلم " في شرح صحيح مسلم . و
مهم القاضي عياض بن موسى الحبيشي مؤلف " اكمال المعلم في شرح
صحيح مسلم " ومنهم أبو العباس أحمد بن عمر القرطبي مصنف " المفهم لم
اشكل من تلخيص كتاب مسلم " ومنهم أبو كريمة محي الدين يحيى النووي
صاحب " المنهاج في شرح صحيح مسلم من الإعجاز " وهو استمد من
الكتب الثلاثة التي ذكرناها و من الاعلام ومعلم المسر للخطابي ، وشرح
النووي هذا هو أول شرح برز في عالم المطبوعات من شروح مسلم الأئمة
ليس مما يشقى على الباحث في حل المطالب ثم ظهر في عالم الوجود
" اكمال كمال المعلم " لأبي عبد الله محمد بن حنيفة الأبي الذي طبع قبل
محو ثلاثين سنة ومعه " مكمل اكمال الاكمال " لأبي عبد الله محمد بن
محمد الموسوي وقد جمعه فيها صورة ما في الشروح السابقة من العوائد مع
استدراكها ما يبرر لهما وكان سرور أهل العلم بهما عظيماً بما لقوا فيها من
نوع من البسط بالنظر إلى شرح النووي المطبوع فيما سبق ولكن الحق يقال
أنه لم يكن شرح من تلك الشروح بمعنى صحيح مسلم حقه من الشرح
والإيضاح من جميع النواحي التي تهتم بها الباحثين المتعطين إلى اكتساب ما في
الكتاب من الغيايا فإن إيجاز أحد الشروح في الفقهيات أو الاعتقادات عني
منه من المذهب مثلاً نحوه يغفل شرح ما يتعلق بآثار المذاهب عملاً و
اعتقاداً وهذا لا يروى ظناً الباحث أو تراء به من شرح مقدمه مع أنها من أقدم

سفرة النعمة بحديث في التمهيد لقواعد المصطلح ككتاب " التمهيد " وحق مثلها ان ينشرح شرحاً وافياً ، و تجد بين الشراح من يترك الكلام على الرجال بأسرة مع ان الباحث في حجة شديدة الى ذلك في موضع بعد المعروفة ، فاذ اعطيتك احد تلك الشروح من بعض الوجوه تجد لا يشعشع غلتك من وجوه اخرى وهكذا سائر الشروح ، وهذا فراغ من كل في غاية الشوق الى ظهور شرح لصحيح مسلم في عالم المطبوعات يملأ هذا الفراغ وها نحن اولاء قد ظهر بضالنا المشودة بروز فتح "مسلم" في شرح صحيح مسلم " بتوفيق القريب و حليلة المستندة في عهد المطبوعات الهادية ، و قد صبر الى الآن مجدد ان يجتهد من جديد صفحات كل مجدد منها خمسمائة صفحة و عدد اسطر كل صفحة خمسة و ثلاثون سطراً و لو كان الكتاب طبع بمصر لكان كل مجدد من مجلدين بالقطع الكبير و تمام الكتاب في خمسة مجلدات هكذا و المجلد الثالث على شرف صدور ر لند اغتبطا جد الاغتباط بهذا الشرح الصخم المصنف ضرورة و على حيث و جساء قد شفى و كفى من كل ناحية و قد ملأ بالمعنى الصحيح فانك اسرع الدين كما انشأنا اليه ، فيجد الباحث " مقدمة كبيرة " في اوله فتجمع شباب علم أصول الحديث بتحقيق باهر يصل آراء المحدثين الصفة في عهد السند بما قرره علماء اصول العقدة على اختلاف المذاهب غير مستعصر غنى فريق دون فريق ، فهذه المقدمة السبعة تكفي المطالع مودة البحث في مساجد و بهديه لها ، و بعد المقدمة البالغة مائة صفحة يلتقي الباحث شرح مقبلة صحيح مسلم شرحاً يشرح له صدر الفاحص حيث لم يدع الشارح الحميد موضح اشكالها اصلاً ، بلا اهان مالها و ما عليها بكل انصاف لم يشرح الاحاديث في الابواب بعناية من الأثر ان فلم يترك بحثاً فقهياً من غير

تصحيحه بل مرد أدلة المذاهب في المسائل وقارن بينها وقوى القوي ودفع
 الواهي بكل بصفة ، و كذلك لم يهمل الشارح المفصل أمراً يتعلق بالحدود
 في الأبواب كلها بل وفاء حقه من التحقيق والتوضيح ، فاستوفى في حد
 الأسماء و شرح الغريب و الكلام على الرجال و تحقيق مواضع أورده
 يحض أمة هذا الشأن و جوهراً من النقد من حيث الصاعقة غير مستسبح
 قول من قال " كل من اعرج له الشيطان فقد قهر القطرة " ذريعة التقصير
 الاعشى و كم رد في شرحه هذا على صوف اهل الربيع ، وله مراعاة بالغة في
 ردوده على المخالفين من اهل الفقه والحديث ، و كم أثار من ثانياً الاحاديث
 المشروحة فوائد شاردة و حقائق عالية لا يتنبه اليها الا اعداء الرجال و زعم
 المغلوب و لا عجب ان يكون هذا الشرح كما وصفناه و فوق ما وصفناه
 المطالع المنصف ، و مؤلفه ذلك الجهد المحجة الجامع لاشات العلوم
 محقق العصر المفسر المحدث الفقيه البارع النقاد الغواص مولانا شير محمد
 العثماني شيخ الحديث بالجامعة الاسلامية في داهيل سورب (مالهند)
 مدير دار العلوم الديوبندية (ازهر الاقطار الهندية) و صاحب المولدات
 المشهورة في علوم القرآن والحديث والفقه والرد على المخالفين اصل له
 بقاء في خير و عافية و وفقه لاتمام طبع هذا الشرح الثمين و تأليف كثير
 من امثاله مما ليد سعادة الدارين و نفع بعونه المسلمين في مشارق الارض
 مشاربها ، انه قريب محبيب

محمد واهد الكوثري

كتبه الفقير محمد عبد السلام البرمي عفا الله عنه

(حوال ١٣٥٤هـ)

فتح المہملہ شرح صحیح مسلم

مؤلفہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی قدس سرہ بقیم قاری شریف احمد
المقری من فضلاء و حائلی الہند ۱۳۵۷ھ و ۱۹۳۷ء لک مکتبہ رشیدیہ کراچی پاکستان
پوری کتاب میں حسب ذیل امور کا اتراس کیا گیا ہے۔

(۱) ایمانیات میں جو مسائل اہل السنۃ والجماعہ کے درمیان اختلافی سمجھے گئے ہیں،
اسی مستوعب تحقیق اور اسکی نقول پیش کرنا جو بعد امکان اختلاف کو کم کرنے والی ہوں۔

(۲) رد و کے تراجم میں ان سے ممتاز اور صحیح احوال کا تذکرہ، غیر معروف و سادہ کا ضبط،
بقدر ضرورت و کفایت جرح و تعدیل۔

(۳) استثنائی مباحث خاص خاص مواقع میں جہاں کوئی اشکال یا غلطی تھی۔

(۴) الفاظ حدیث کا اعلیٰ۔

(۵) جس فن کا مسئلہ ہو اس فن کی مشہور اور معرکہ فایہ کتابوں کے اقتباسات پیش
کئے گئے ہیں تاکہ مسئلہ کے سب اطراف و وجوہ پوری طرح واضح ہو جائیں اور بالکل بھی
کے قدر سامنے آجائیں کہ ایک طبعم کو اس مسئلہ کے لئے دوسری کتابوں کی طرف
دھوکہ کرنے کی چند اس ضرورت نہ رہے اور مسئلہ کی پوری صحیح صورت روشن ہو جائے۔ اس
رو میں صرف شروع حدیث کے اقتباسات پر قناعت نہیں کی چند نچے بعض مواضع میں ایسا
بھی ہوا ہے کہ ایک مسئلہ کی بہت زیادہ مکمل تحقیق کسی ایسی کتاب میں مل گئی جہاں بالکل وہم
و گمان بھی نہ تھا۔

(۶) سربراہ شریعت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتی ہیں اور
شیخ ابوالخیر ہم کی تصانیف۔ ان سے بھی موقع موقع پر استفادہ کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اعلیٰ
معاشرے اور عمیق متفکر و اسرار بھی حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کے مطالعہ سے گذر

جائیں۔

(۷) فتح الہری وغیرہ کے مختلف باب میں یہی موضوع کے متعلق جو تحقیقات بکھری ہوئی تھی اس کو یکجا کیا گیا۔

(۸) حلیہ کے مسائل کی تحقیق و تشریح اور ثبوت و ایضاح کے لئے فقہ حنفی کے شروحات و حواشی کے ضروری اقتباسات پیش کئے گئے۔

(۹) اپنے اساتذہ اور کارہ کی وہ تحقیقات جو زبانی نقل ہوتی چلی آرہی تھی یا کسی کسی کتاب میں مندرج تھی جس کی طرف قارئین حدیث کا ذہن منتقل نہ ہو سکتا تھا عربی سے سود و سری زبان میں تھی اس کو کافی بسط و ایضاح کے ساتھ شروع میں درج کیا گیا۔

(۱۰) بہت سی ایسی تحقیقات جو اس سے پہلے مسطور نہ ہوئی ہوں گی جن کی قدر و قیمت ان شاء اللہ مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکے گی اور جن سے یہ اندازہ ہوگا کہ خداوند قدوس ۛ انعام اور رسول کریم ﷺ کا فیض کسی وقت بھی قطع نہیں ہے۔

(۱۱) تاکہ امکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ جس مسئلہ پر کچھ لکھا جائے وہ محض جملہ و احتمال آفرینی کے طور پر نہ ہو بلکہ کسی چیز ہو جس کو وجدان قبول کرے اور ذوق سلیم رکھے۔

(۱۲) مؤلف نے جہاں تک ممکن ہو عبارت "قلت یا قاسم العبد الضعیف" وغیرہ عنوان سے نکھی ہے پوری کوشش کی ہے کہ عبارت سلیس اور صاف ہو اور تنہیم میں کوئی گنجلک نہ رہے۔

(۱۳) دور روایات جس میں بظاہر اختلاف ہے خود وہ مذہب سے متعلق نہ ہوں ہر موقع پر اجتہاد کوشش کی گئی ہے کہ خود روایات ہی کے ذریعہ سے اُن میں تطبیق دی جائے یا ہر ایک کا جدا گانہ منشا بیان کیا جائے تاکہ تعارض کا شبہ نہ رہے۔

(۱۴) اپنے مقدور کے موافق بہت جگہ سعی کی گئی ہے کہ احادیث کے مآخذ قرآن کریم

میں احمد کے حامی ہیں۔

(۱۵) حبیہ کے اور دوسرے مذاہب کے دلائل کی کافی تنقیح کی گئی ہے اور پوری فراخ دلی سے جہد مذہب کے ادلہ اور جوہر ترجیح کا بیان ہوا ہے۔

(۱۶) جو مسائل مہمہ یا ان کے دلائل بطور اختصار ترک کر دیئے ہیں ان کے متعلق ان کے مطالب کے حوالے دیئے گئے ہیں تاکہ طالب بہدولت ان کی تحقیق کر سکے۔
(۱۷) جدید شبہات کے ازالہ کی طرف بھی موقع بہ موقع توجہ کی گئی ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بہ حیثیت خطیب اعظم

برصغیر میں ممتاز خطیب اور مقرر چار گندہ رہے ہیں۔ (۱) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
(۲) مولانا ابوالکلام آزادؒ (۳) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (۴) مولانا احمد سعید صاحب الہند
دہلوی۔

شنا ہے کہ ایک دفعہ علامہ حیدر آباد دکن کے یہاں علامہ شبیر احمد صاحبؒ مدعو تھے اور آپ کا خطاب تھا۔ نظام دس کے ماحول میں قدرت سے شیعہ کے اثرات تھے۔ علامہ صاحبؒ نے مناقب صحابہؓ پر خطاب فرمایا اور فرمایا کہ حضرت بلالؓ کا تائبہ و بالہ مقام تھا۔ حدیثی شلف و رسوم اکرم ﷺ کے یہاں اس قدر بلند مقام قریب پر فائز تھے کہ نواب اکبر صاحب ان کی خاک پاؤں کو پائی آنکھ کا سرمہ بنانے پر فخر کرتے ہیں۔ اس پر نظام صاحب مرحوم نے کھڑے ہو کر خوشی کا اظہار کیا اور کہہ اعلیٰ حضرت بلالؓ اور دیگر صحابہؓ کرام کی خاک پاؤں کو پائی آنکھوں کا سرمہ بنانا میری سعادت اور میرے لئے باعث صد فخر ہے۔

خطاب کا وقت مقرر تھا۔ نواب صاحب نے اس وقت میں ایک گھنٹے کا اضافہ کر دیا۔ حضرت عثمانی مرحوم کی ایک تقریر سے صحابہ کرام کے حق میں ماحول اور فضا بدل گئی۔ علامہ عثمانیؒ بہ حیثیت مدرس برصغیر میں دینی تعلیم کے لحاظ سے ممتاز ترین دارالعلوم دہلوی تھے۔

دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم اجماعیہ۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ سے معقولات سے معقولات کی اہم کتابیں ۳۷ سال دیوبند اور اجماعیہ میں مسلسل پڑھاتے رہے۔ ان دنوں علامہ نے آپ سے علم حاصل کیا اور وقت کے مفسر و محدث بنے۔ حضرت اقدس ۱۹۷۰ء قریب رحیم بخش صاحب قدس سرہ سید القراءہ و الحجۃ دین جامعہ خیر المدینہ ملتان سے ہندوستان روانہ ہوا۔ سنا کہ ایک مرتبہ علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے بخاری شریف کی ایک حدیث پر انظار روز دریں دیا۔ یہ درس حضرت عثمانی کے درہائشی مکان پر تھا۔

اہتمام :

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ چند برس دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم بھی رہے، جبکہ قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ فل لا استنکم علیہ۔ علامہ عثمانی نے ساری عمر تدوین کتب ہو یا دارالعلوم دیوبند کا اہتمام، کبھی اس پر تنخواہ نہیں لی۔

سیاست پاکستان کی تعمیر :

دوسرے طبقوں کی طرح علماء حقانی پاکستان کے مسئلہ پر دو طبقے بن گئے تھے۔ اکثر علماء براہ جمیعۃ علماء ہند حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر تمام برکات و ان کے پیروکار تقسیم ہند کو مسلمانوں کے حق میں سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ دوسرے طبقہ جمیعۃ علماء اسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مولانا مفتی محمد شفیعؒ، علامہ فقیر احمد عثمانیؒ پاکستان کے حق میں تھے۔ طرفین سے یہ تمام علماء براہ قلم تھے۔ یہ اختلاف اجتہادی اختلاف تھا۔ حدیث شریف ہے، ادا حکم المساکم لاحتیاج و اصاب فله اجران و ادا حکم فاجتہاد و اخطا فله اجر واحد۔ (بخاری ص ۷)

جہادی مسائل میں اجری اجر ہے، کسی شخص کا دوسرے فریق کے قتل لوگوں پر
 جس شخص نے جمع ہے دوسرے کا احترام کرنا لازم ہے۔ اس موضوع پر حضرت شیخ محمد عیث
 مولانا محمد رفیع قدس سرہ کا ایک مستقل رسالہ ہے "الاختلاف فی ال اختلاف"۔ اللہ تعالیٰ کا
 حمد بھی ہے، اس کی حکمت سے قتلِ عام نہ ہو۔ اختلاف سے فریقوں کے عوام و خواص کو
 فی اللہ فائدہ ہے۔ پاکستان بننے کے بعد جو لگی احباب بھارت میں رہ گئے تھے ان کو
 جمعہ عام اسلام اور اتر رکی وجہ سے فائدہ ہو۔ ابتلاء و امتحان سے نقص کم ہوا۔ اسی طرح
 برہانِ جمعیت عام ہند اور احرار سے تعلق کے باوجود پاکستان میں رہ گئے یا آ گئے، ان کو
 جمعہ عام اسلام اور تھانوی حضرات کی وجہ سے فائدہ ہوا اور امتحانی منزل قدرے آسانی سے
 گذر گئی۔

مصطفیٰ کمال اتارک :

بعض لوگ مصطفیٰ کمال اتارک کا نظریہ رکھتے تھے اور اب پچاس ساٹھ سال سے
 بعد بھی ان کے جراثیم پاکستان میں محسوس کئے جا رہے ہیں۔ میں نے سرائی میں بعض لگی
 حضرات سے سنا کہ پاکستان بننے کے بعد بعض بے دین لوگوں نے کہا پاکستان کے مخالف
 لوگوں سے مصطفیٰ کمال وار رو پیا تھا رکھا جانا چاہئے۔ لیکن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور
 آپ کے رفقاء کرام آڑے آ گئے۔ بے دین بلکہ بد دین مصطفیٰ کمال اتارک کے ہموا
 لوگوں کو کام نہ دیا۔ اس سلسلہ میں تھانوی حضرات نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

حقیقت

پچی بات یہ ہے کہ دونوں طرف غیر قتل لوگوں نے دھوکہ دیا۔ کانگریس نے
 پچے دھوکے پورے نہیں کئے۔ بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کو اب تک قتل و قہر کا
 شائبہ بتایا ہوا ہے۔ اسی طرح پاکستان میں اسلامی لکھنے سے فائدہ کرنے کا دھوکہ مسلم لیگ نے

پورا نہیں کیا بلکہ قادیانوں اور رافضیوں جیسے بے دینوں کو عوام پر مسلط کرنے کی ناسمجہ کوشش کی، اب تک کوشش کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ حق اور اہل حق کو کامیاب بنائیں۔ (آمین)

علامہ عثمانی "کاملتان میں ورود مسعود اور ایک لطیفہ :

۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ کی دعوت پر تشریف لائے۔ اگلے سال ۱۹۳۹ء میں بندہ فیض احمد خیر المدارس میں جلالین کی جماعت میں داخل ہوا، بعض رفقاء نے بتلایا کہ حضرت علامہ عثمانی "سے گزشتہ سال خطاب میں لطیفہ بتایا اور سنایا تھا، آپ نے فرمایا ہرے بعض احباب کا اور پاکستان کا قصہ کچھ یوں ہے۔

رمضان شریف کا چاند نظر آ گیا لیکن ایک شخص نے کہا کہ میں چاند دیکھوں گا اور نہ روزہ رکھوں گا، کیونکہ روزہ رمضان کا چاند دیکھنے پر لارم ہوتا ہے۔ (صومو الرقیۃ) تو وہ شخص ننگہ پنچ کر کے چل رہا تھا۔ اچانک بارش کے پانی میں چاند نظر آ گیا اور روزہ رکھ لیا۔ ہو گیا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اسی طرح ہمارے احباب پاکستان نہیں دیکھنا چاہتے تھے بلکہ آخر قدرت خداوندی نے پاکستان دکھا دیا بلکہ پاکستان کو ان احباب کیسے پناہ گاہ بنا دیا۔ واقعی وہ ذاتِ طہیم و حکیم اور علی کل شیء قدیر ہے۔ حضرت عثمانی " قاسم بید ملتان شریف نے گئے۔ جو حضرت محمد بن قاسم فاتح سندھ و ملتان کی یادگار ہے اور وہاں نیچے فرش پر بیٹھ گئے اور فرمایا مجاہدین جہاں رہتے ہیں یا جہاں سے گذرتے ہیں وہاں خاص انوار و برکات محسوس ہوتے ہیں۔ "قاسم بید" کی حاضری میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ اور منشی عبدالرحمن خاں ملتانی بھی ساتھ تھے۔



باب : ۲

سیرت و کردار

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سیرت و اخلاق کی چند جھلکیاں

مشی محمد رحمن خان

شیخ الاسلام، امام المفسرین، شیخ الحدیث، محقق اسلام، دانائے شریعت، مہرِ مروجین، وقار الکلام مقرر، بیغ البیان خطیب، عامل قرآن، چراغِ مظلّم عرفان، جہاندیدہ، عالم ملت، صاحبِ نظر نائبِ رسول، داعی الی اللہ، بیکرِ عزم و استقلال، علامہ عصر، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا سلسلہ و شجرہ نسب خاندانِ ولی الہی سے ملتا ہے، جس میں بڑے سے بڑے ائمہ و محدث و مفسر پیدا ہوئے۔ آپ حضرت شیخ ابہند مولانا محمود حسن اسیروماں کے علم و معرفت کے جانشین اور سیاسی و علمی امور کے ترجمان تھے۔ آپ پر حضرت شادِ ائمہ کے علوم کا عکس اور پرتو سایہ فلک رہا، انہوں نے احیاءِ اسلام کی جس سیاسی و علمی عہد کا آغاز کیا، آپ نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں زندگی کے آخری لمحہ تک ستموار شاہِ قائدِ اعظم محمد علی جناح کا ساتھ دیا اور پاکستان بننے کے بعد اور قراقرم مقاصد پاس سے قبل قائدِ اعظم کے جانشین دستورِ اسلامی کے سلسلہ میں یونیورسٹیاں سرور ہے تھے، آپ نے انہیں کھلے فکروں میں چیلنج کیا کہ

”اگر اسلامی دستور کو آئندہ حسب وعدہ پاکستان میں رائج کرنے کو پس پشت ڈال دیا گیا تو میرا راستہ اور ہوگا اور آپ کا اور نہ صرف یہ بلکہ میں تو مولانا ابوالکلام آزاد کے دستور اسلامی کے سلسلہ میں اچھی نیت نہیں رکھتا۔“
(تجلیاتِ حقیقیہ ص ۴۶)

قراردادِ مقصد اسی چیلنج کا نتیجہ تھی اور اسی مرحلے کی تخلیق جو پاکستان کی سرزاسمبلی نے پاس کی، جسے آئین پاکستان کے دیباچہ کی حیثیت دی گئی، مگر اسبابِ فتنہ اسے صحیح معنوں میں عملی جامہ پہنانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ اس نئے نظامِ اسلامیہ کے نظارے یہاں دیکھنے نصیب نہ ہوئے، جو سعودی عرب میں نظر آ رہے ہیں۔

مکتب فکر :

آپ محمد ہندوستان کی مایہ ناز یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے حلقہ دار تھے۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن اسیر مالکان کے ممتاز شاگرد بن رشید میں سے تھے جن کے سامنے مولانا مفتی کفایت اللہ مفتی ہند، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین احمد دہلوی اور مولانا سید انور شاہ شمشیری رحمہم اللہ نے بھی زانوئے تلمذت کئے تھے۔

خاندانی اور علمی نسبت کا اثر بچپن سے لیا ہوا تھا۔ آپ اپنے ہم عصروں سے کچھ کھیل کود یا سیر و تفریح میں قطعاً شریک نہ ہوتے تھے۔ بچپن سے آپ کو طبعاً عبادتِ حق، بوشِ سنہا سے ہی تعلیم کا ایسا شوق لگا کہ مدرسہ کے اوقات سے فارغ ہونے کے بعد بھی آپ اساتذہ کی خدمت کے لئے پہنچ جاتے اور ان سے درسِ اخلاقیات حاصل کرتے رہتے تھے۔ شام کو گھر واپس لوٹنے اور رات بھر عبادت کرتے۔ شب بیداری کی حالت جب تجویز مگنی، تو سخت پر اثر پڑے گا۔ والدہ آپ کو عبادتِ شائق سے منع کرتی کہ شب بیداری معزز صحت ہے۔ جب صحت ہی نہ رہے گی تو پڑھو گے کیا؟ جب مشفق و مدبر

اصرار پڑھا تو فرمایا

اماں! اگر آپ مجھ کو حقیقی آرام دینا چاہتی ہیں تو شب بیداری سے منع فرمادیں۔ اس ریاضت و عبادت سے مجھے اس عانی زندگی میں آرام ملتا ہے تو میں نہیں کرتا ہوں گدا گدا زندگی میں بھی حقیقی آرام مینرا آجائے گا۔

(حیاتِ شمع، اسلام میں ۱۳)

اس جواب نے آپ کی والدہ کو جواب کر دیا تو وہ ماما کی ماری آپ کے شفیق ماما، حضرت شیخ بہنہ کی خدمت میں پہنچی اور آپ سے تمام صورتِ حال بیان کر کے شاکہ بیان کر کے۔ "حضرت دو کہنا نہیں مانتا۔ آپ اس کو صبح فرمائیں۔"

چنانچہ حضرت نے آپ کو پلایا اور صرف اتنا فرمایا :

"شبیر! تم نے بٹی شب بیداری کی وجہ سے اپنی والدہ کو شکایت کا موقع دیا ہے۔"

جس پر آپ رو پڑے اور شب بیداری میں حد اعتدال پر آ گئے انہیں جس سال کے میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

دس و تدریس :

آپ کی علمی قابلیت و دہانت کی وجہ سے آپ کو دس سو پچھتر پوری میں صدر مدرس مل گیا۔ دس سال بعد آپ کو دیوبند واپس بلا دیا گیا، جہاں آپ اٹھارہ (۸) سال تک رہے، پھر تھانہ پر بے لوث خدمت سرانجام دیتے رہے، چونکہ آپ نے سی درس گاہ سے تعلیم حاصل کیا تھا۔ اس لئے آپ اس کو ایک احسانِ عظیم تصور کر کے ہاری تھوڑے لیتے تھے۔

اس اثناء سے ڈرتا ہوں، مگر میں ان دنوں کی تنخواہ لے لوں، جن دنوں اور عہدہ سے میرے حاضر رہتا ہوں، چوری توجہ و انتہا تک سے ایک یا دو دفعہ اپنے فرائض مکمل طور سے ادا نہ رسوں تو کیسے قیامت کو مجھ سے مواخذہ ہو گا۔

جائے۔ (ہفتا نمبر ۳۳)

تو نے کراہ کی صف میں اتنی بلند کردار شخصیت، ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ ۹۔ ہمارے
دارالعلوم دیوبند میں علمی خدمات سرانجام دینے کے بعد وہاں کی تعلیمات کا رکارڈ پارٹ
۱۰: تکمیل نفع سورت چلے گئے۔ جہاں جامعہ اسلامیہ کے نام ایک اسلامی دارالعلوم کی بنیاد
رکھی۔ یہ نئی درسگاہ تقریباً دو سو سال یعنی تقسیم ہند تک ترقی کرتی رہی۔

مسلم لیگ میں شرکت

مسلم لیگ میں شمولیت کا فیصلہ کرنے کے لئے آپ کو کئی مرتبہ اس مسئلہ کے حل
پیش ہوئے۔ مگر آپ نے ہر بار حرم محمد بن حسن شیبانی (تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہؒ) کی کتاب میں
اچھی طرح یہ تصریح آپ کے کام آئی کہ اگر خوارج کی جنگ شرکیں بت پرستوں کے ساتھ
تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مفاد نہیں کہ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ میں خوارج کی مدد
کریں، کیونکہ وہ اس وقت کفر (صریح) کے حق کو دفع کرے اور نقش اسلام کو خراب کرے
کے لئے ہے۔ اور یہ ہے، چونکہ فقہ حنفی کا سارا اہل امام محمدؒ کی تعلیمات پر ہے۔ اس لئے آپ
نے اس تصریح کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمایا

”اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقصد بھی کفار و مشرکین سے
ہے اور مسلم لیگ میں شمار ہونے والے کل گودھی اسلام ہیں، جو مسلمانوں کے
قوی، استقلال، سیاسی اقتدار، نفس کاملہ اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو
من حیث الجموع، مضبوط، طاقتور اور سر بلند کرنے کے لئے آئینی جنگ ان
کفار و مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں، پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے
والے بے شمار آدمیوں میں چند باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کی نسبت
مشرعیہ بھی نہیں۔“ (جلد ۱۰، ص ۱۰۳)

اس یصلہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عثمانیؒ کی نظران مسائل پر ترقی مہری تھی۔

فہم جانشینی :

ای نئے جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو آپؒ کے استاذ مکرم حضرت شیخ ہندوہ مسئلہ آپ کے ہی سپرد فرماتے۔ مثلاً حضرت شیخ الہندیؒ کی ماں سے، ایس کے بعد ترک مولات کی تحریک کے مسئلہ میں ان سے استفسار کیا گیا تو اسوں نے آپ سے فرمایا۔ ”دونوں مولانا مفتی کھایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ کو ترجیح دے کر فرمایا کہ آپ یہ فتویٰ لکھیں، سب نے کہا کہ آپ کی موجودگی میں ہم کیا لکھیں گے۔ حضرت شیخ الہندیؒ نے یہ بند فرمایا کہ

”مجھ سے انگریزوں کی نفرت کا جذبہ شدت سے ہوئے۔ مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ حدود کی رعایت ہو سکے گی اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ”و لا یجوز مکنکم انسان لقوم علی الا تفلدوا“ (کسی قوم کی عداوت تمہیں بدل سے نہ بنادے)۔ (سوانح کاکی ج ۲، حاشیہ ص ۷۷)

ان ہر سر حضرت نے ترک مولات پر جو فتوے لکھے، ان میں حضرت شیخ الہندیؒ، مولانا عثمانیؒ کا ترقی پسند پایا، جو انھیں نہیں صحاحات پر مشتمل تھا اور جمعہ ص ۷۷، ہند کے دوسرے سال ۱۳۱۰ء جلد منعقدہ ۱۹۲۱ء نومبر ۱۹۲۱ء میں حضرت شیخ الہندیؒ زیر صدرت پڑھا۔ ”یہ اور جس کا ترقی قرآن کریم مطبوعہ مدینہ پر پریس مٹر جمہور شیخ ہند میں تفسیر عثمانیؒ سورہ ”ماعران ص ۶۸ کے حاشیہ نمبر ۸ پر موجود ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ الہندیؒ کو ملاز سے واپسی کے بعد جہاں جہاں سے بھی عقیدت مندوں نے بلایا، آپ نے مولانا عثمانیؒ کو ہی اپنے قارئین مترجمان کی حیثیت سے مینجھا۔ اسی طرح حضرت شیخ الہندیؒ نے آپ کو اپنی زندگی میں اپنا قابل فخر جانشین بنادیا تھا۔

حق گوئی :

میں بات آپ نے حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر انصاری سے
 سامنے دہرائی، جس کی مورخ سلام مولانا سید سلیمان ندوی نے آپ کو اس الفاظ میں "اور
 "گائے کی قربانی ترک کرنے کے مسئلہ میں بھی جس کو حکیم اجمل خاں
 نے ٹھایا تھا، حضرت شیخ الہند کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحب نے بہت
 واضح کاف تقریر فرمائی تھی، یہ ترجمانی اور نیابت مولانا شبیر احمد صاحب کے سے
 نہ صرف فخر و شرف کا باعث بلکہ ان کی سعادت مندی اور ارجمندی کی بڑی
 دلیل ہے۔" (سارو)

آپ کی تقریر کے بعد یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا اور پھر کسی نوکارت
 قربانی ترک کرنے کے جواز میں آوارہ گانے کی جرأت نہ ہوئی، کیونکہ یہ حقیقت سب
 آشکارا تھی کہ مولانا عثمانی حق گوئی، حق گوئی اور حق طرازی میں کبھی کسی کی پروا نہیں کرتے
 اسی لئے آپ نے ترک موالات والے خطبہ میں اپنے اس مسئلہ کا کھلے طور پر اس
 میں اظہار کر دیا تھا کہ :

"مسلمانوں کی فلاح سے متعلق شریعی حیثیت سے جو سبھی معلومات ہیں،
 ان کو بلا کم و کاست آپ کے سامنے رکھ دوں اور اس کی پالنگ پروا نہ کروں کہ
 حق کی آواز سننے سے حضور و انبیاء سے ہر دور مجھ سے پرہیز ہو چائیں گے یا
 مسٹر گاندھی یا علی برادران یا کوئی اور ہندو یا مسلمان۔" (خطبہ ترک موالات ص ۳)
 مولانا عثمانی "حق بات کہنے میں بڑے جفاک اور غرور واقع ہوئے تھے اور
 معاملہ میں اپنی رائے بڑی آزادی سے پیش کرتے کے جہاں تھے اور اس قومی جہاد کو
 اگر تصور کرتے تھے، حق بات کہنے میں آپ شاد و مگد میں کوئی تمیز نہ کرتے تھے۔

میرزا حسن علی خان کی نیکی شریا کے پردہ اُتارنے پر ملک کے اخبارات میں جوہ در پہنچا۔ اخبارات "زمیندار" وغیرہ میں بالخصوص مضمون نگاروں نے اس پر بے حد سہارے کی مگر کسی کو جو شاہ افغانستان کو تہذیب کرنے کی جرأت نہ ہوئی، یہ صرف مورخہ میں "نئی روایت" نامی کتاب تھی، جیسوں نے شاہ امان اللہ خان تک پہنچنے کیسے یہ پتہ چلا۔

"کاش! کوئی صاحب ہمت دوست علیہ افغانستان کے امیر غازی اور اس کی ملکہ معظمہ شریا جاو کے معہ ہمایوں تک حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ پہنچا دے۔ اے بوسیدہ و احم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، حقیر اور کمتر تھے۔ اللہ نے اسلام کے دریچہ سے تمہاری عزت بڑھائی، جس جب کبھی تم غیر اللہ کے دریچہ سے عزت حاصل کرو گے، خدا تم کو ذلیل کرے گا۔"

جرأت و بیباکی :

نظام حیدر آباد دکن علامہ عثمانیؒ کی تقریریں پڑھنے والوں و شوق سے سنتے تھے اور آپ سے اتنے متاثر تھے کہ قیام حیدر آباد کے دوران نظام اپنے خاصے سے علامہ عثمانیؒ سے ملنے کے لیے تھانا بھیجتے تھے اور کبھی اپنے دست و پاؤں پر پا کر مولانا کے ہمراہ کھانا کھانے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ جن منٹ ملاقات کا وقت دے کر آپ سے مل کر نظام اتنے محظوظ ہوتے تھے کہ ایک ایک محفل طلب گفتگو میں گزار دیتے تھے۔ نظام نے استدعا کی کہ آپ میرا روپیہ ماہوار وظیفہ پر دارالقرآن کی صدارت قبول فرمادیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ نظام کے زیادہ اصرار پر آپ نے صرف دوسروں پر ماہوار وظیفہ لینا قبول کر لیا، جو تقسیم ہند سے آپ کو ملتا رہا۔ مالی منفعت آپ کے نزدیک بہت بڑی اہمیت نہ رکھتی تھی، مگر اس وظیفہ سے آپ کی حق گوئی متاثر نہ ہوئی اور آپ نظام کی موجودگی میں کھری کھری سناتے نہ۔ علامہ سید سلیمان مدنیؒ لکھتے ہیں کہ

"ایک وقت ایسا آیا کہ جب نظام پر تقصیریت کا غلبہ تھا اور اتفاق سے امام مسجد میں تھرا پڑ گئے تھے تو مولانا شبیر احمد صاحب نے تقریر فرمائی جس میں صحابہ کرم رضی اللہ عنہم کے فضائل بہت دلنشین طریقے سے بیان کیے گئے تھے۔ اس دن لوگوں کو آپ کی تقریر سے بڑی خوشی ہوئی اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ (معارف، مضمون ۱۰۰)

حسن خطابت :

مولانا عثمانی بڑے خوش بیان مقرر تھے۔ جب تقریر کے لئے کھڑے ہوتے مجمع پر چھا جاتے تھے۔ آپ کا ایک ایک لفظ علم و عرفوں کا سینہ اور ایک ایک بات عقائد و معارف کا دہیزہ ہوتی تھی آپ کی چادری عثماني کا مولانا ابوالکلام آزاد بھی لوبانہ کرتے تھے قاری محمد کمال عثمانی دیوبندی کا بیان ہے کہ

"خلافت کے زمانہ میں بمقام الہ آباد ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد دونوں شریک تھے۔ دونوں قریب قریب کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ناگوار مولانا عثمانی کی تقریر کے کسی حصہ نے ابوالکلام آزاد کو چونکا دیا اور اپنی طرف جذب کر لیا۔ گردن جھک گئی اور مولانا ابوالکلام ایسے مختصر تقریر ہوئے کہ مولانا عثمانی کی تقریر ختم ہو گئی اور سر اس طرح نیچے جھکا رہا۔ جب آزاد کے کان آوار سے لطف بخوری نہ کر سکے تو سر اٹھ کر دیکھا مولانا عثمانی بیٹھ چکے تھے۔ چنانچہ مولانا آزاد نے پھر دوسرے اجلاس میں آپ سے تقریر کی فرمائش کی۔"

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برہان وطنی لکھتے ہیں کہ

"مولانا عثمانی کی تقریر کے وقت عقل کو کبھی جذبات سے مغلوب نہیں

ہونے دیتے تھے جو بات کہتے تھے۔ ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ آپ قول کر کہتے تھے تحریک خلافت کا زمانہ حدودِ اشتعال انگیز اور جذبات کی پریشانی کا عہد تھا۔ اس زمانہ میں آپ نے کبھی بھی تقریر یا تحریر ایسی کوئی بات نہ کہی، جو صرف جذبات کا نتیجہ ہو۔ (برہان دہی)

۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو آپ نے لوہر دو یا قتل علی خان وزیر اعظم پاکستان کو قمر رداؤ مقاصد سے متعلق تجویز پیش کرے پر پاکستان کی مرکزی پارلیمنٹ میں یوں مہارکب و پیش کی یہ مہارکب و فی الحقیقت میری بات کی طرف سے نہیں بلکہ اس ہی ہوئی اور یہی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے، جو خاموشی و پرستھاقتوں کی حریدہ حرم، رقیبہ ہوس تا کیوں کے میدان کارزار میں مدقوں سے پڑی کر اور ہی ہے۔ اس کے تراپنے کی تاریں اس قدر درون انگیز کہ بعض اوقات اس کے سگدل قاتل بھی گھبراہٹے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہونے کی عجزی دیر کے لئے مہاداد تلاش کرنے لگتے ہیں مگر پھر علاج و ردوائی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے وہی کوڑا اور اکسیر سے سوا کچھ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے، دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے حل میں پھنس چکی ہے۔ اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھنچ پھرائے گی، اسی قدر جاں سے معلق کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی۔ دوسرا ستم رنگی ہے اور جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے۔ اس پر جتنے روز سے بھاگے گی، دو حقیقی خوراندی کی سرل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

یہاں روز کی طویل تقریر کا ابتدائی ٹکڑا ہے، جس سے مولانا عثمانی کے شوکت ۵۵۵ جہاد ہوا ہوگا، جس سے جمعیت العلماء ہندوئی کے حصارِ اجماع کی اس رائے

کی توثیق ہوتی ہے کہ :

”ہمیں ملحقہ علماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلغ بیان خطیب شاہ
عمر تک میسر نہ آسکے گا۔ جب آپ تقریر کرنے کے لئے غز سے ہوتے
تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم و کمال کا ایک سمندر تھا جس کا نام ہے اور علم
عرفان کی سونے کی روڑہ کر لیں ہیں۔“ (المجلد ۹، ص ۱۰۰)

آپ کی تحریر ہو یا تقریر سلاست و فصاحت، مسانت و بلاغت، یقیناً ہر مہین
مربح ہوتی تھی۔

شوقی تحریر :

آپ کی تحریر کی شوقی اور اس کے ادبی رنگ کا اندازہ آپ کے آید منظر۔
مندرجہ ذیل نکلے سے لگ سکتا ہے۔ جو آپ نے دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں
کے سلسلہ میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لئے لکھا۔ یہی رنگ آپ
کے پیش ہر تحریر پر عیاں ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

”عشق و محبت کی بحث میں تم نے سلی مجنون کے تذکرے پڑھے۔ قیس

فرہاد کی داستانیں سنیں اور یہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ رات کے وقت

جب شمع روشن ہوتی ہے تو ہزاروں پروانے اپنی چھوٹی چھوٹی ہستیاں کو کس

اشتیاق اور بے تابی کے ساتھ شمع کی لو پر غار کرتے اور تن من کو جلا دیتے ہیں

لیکن تم کو کبھی ایسے پروانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہو ہوگا، جنہوں نے شمع کی

”گ“ میں اپنے آپ کو اس لئے جلا دیا ہو کہ وہ جلنے سے بچ جائیں اور اس سے

فنا کیے ہو کہ وہ پھر کبھی فنا نہ ہوں۔ چمن میں خاموش پھولوں کے دروازے پتھروں

دفعہ لمبوں کے چھبے سے ہوں گے۔ پر ایسا آئینہ دفعہ بھی نہ بنا ہوگا کہ شاید کب نہ

خود چھپا رہا ہوا اور شور مچانے والی بیلیں ساکت و صامت رہ کر اس کے ایک
پل غلطی نہیں رہی ہوں۔

اس تمبیہ کے بعد کچھ آگے چل کر علامہ مٹائی نے لکھا

”حرب کے خشک ریگستانوں اور بے آب و گیاہ پہاڑوں میں خدا کی
قدرت دیکھو کہ ایک غنچہ میں چمک ہوئی اور ایک ایسا پھول کھل، جس کی مست
کراہت، و صفت کے سامنے ملک و ملک کی بھی حقیقت نہ رہی اور جب
بیلوں کے دماغوں میں اس کی مدہوش کر دیے والی خوشبو پہنچی، تو انہوں نے
جمع ہو کر خوب شور مچا شروع کیا۔ اس پر چنستاں نبوت کا دو گل سرسبز گویا ہوا
اور پہلے علم طرب افراسے سب کی زبانیں خاموش کر دیں، پھر کیا تھا بیلیں
اس نے شہر وادی سننے کے لئے گرائیں جھکا جھکا کر اور پر سمیٹ سمیٹ کر
چنہ نہیں اور جو لفظ بھی اس کی زبان سے نکلا، اس کو اٹھالیا اور جو کلمہ بھی سنا، اس
پر دل کی تختی پر لکھ لیا۔“ (الاسم، ذرا دی جائے)

شہر وادی، قتبوسات اربعہ کے شاہکار ہیں، جو پورے شوکت و دیباچہ کے
ساتھ حقائق و حسیں استعاروں میں پیش کر رہے ہیں۔ یہی رنگ اخیر وقت تک آپ کی
تخلیقات میں موجود رہا۔ چنانچہ جنوری ۱۹۳۶ء میں جمعیت العلماء اسلام کانفرنس لاہور کے
اعلیٰ صدارت میں علم کی حالت کا یوں نقشہ کھینچا

”میں نے دیکھا تھا کہ کس قدر بھیا تک اور کیسی تاریک نظر آ رہی ہے۔

شیطان طاقتور نے کس قدر پرے ہمارے کھینچے ہیں، امن و امان کی ایک کرن

بھی کسی طرف نظر نہیں آتی۔ تیرہ و تار یک گھلاؤں نے دن کو رات بنا دیا ہے۔

اس کی طرف سے مدحیروں میں مکہ کی پہاڑیوں پر ایک چمک دکھائی دی۔

حضرت تھانویؒ نے اپنی تقریر میں آپؐ کی یوں جو صلا افروختی فرمائی
 جو اہل عقیدہ وجود صالح حقیقی اور ضرورت نبوت و رسالت پر مولوی
 شیعہ ہر مبنیٰ کا حسبِ رائے یا فرمائی ہیں، جس پر ان سے زیادہ کیا کہہ سکتا
 ہوں۔ (درود مؤخرانہ ص ۱۰۷)

مولانا عثمانی حضرت تھانویؒ سے عمر میں بہت چھوٹے تھے، مگر آپؐ کے علم و فضل
 ان پر حضرت تھانویؒ آپؐ کی جڑوں جیسی عزت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے وعظ
 سے ان پر آپؐ مولانا عثمانیؒ کو اپنے برابر کھڑ کر کے فرمایا۔

تھانویؒ میں یہ اعتقاد نہ رہا کہ وہ جانے، جس کی خیال کرتا ہوں کہ یہ
 مولوی شیعہ احمد صاحب جن کی تقریر آپؐ سے سنی۔ مجھ سے چھوٹے ہیں، مگر
 میں بویزا بگھٹتا ہوں۔ ان کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ یہ سب کچھ کر لیں
 گے۔ اب ہم کو موت کا ڈر نہیں رہا، کیونکہ ہماری جماعت میں کام کے آدمی
 یہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنا وعظ شروع کیا۔

(امام احمد رحمہ اللہ جلد اول ص ۳۸۳)

حضرت تھانویؒ نے اربابِ مسلم لیگ اور قائدِ عظیم محمد علی جناح کو تبلیغ کرنے کے
 لئے مقرر کیا، تو انھیں بھی تو آپؐ نے ایک وفد کا ملازمہ عثمانیؒ کو بھی امیر متحب کیا۔

نومبر ۱۹۳۷ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس ہوا تھا، اربابِ
 یہ تبلیغ کرنے کی غرض سے حضرت تھانویؒ نے اس اجلاس کے زمانہ میں
 یہ تبلیغی وفد جیسے کا فیصلہ فرمایا، آپؐ نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اس
 وفد کا امیر مقرر فرمایا۔ (بریت شریف)

تصنیف و تالیف :

حضرت مولانا عثمانی اگرچہ صلیبی اوراد سے محروم تھے، لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو ایسی معنوی اول سے سرفراز فرمایا، جسے تا قیام قیامت موت نہیں چھین سکے گی اور اس عدا بہار پھول پر کبھی خراں نہ آئے گی۔ اس میں سرفہرست تفسیر عثمانی ہے۔ حضرت شیخ بند مولانا محمود حسن امیر مان نے ترجمہ قرآن کے بعد حواشی لکھنے شروع کئے، ابھی سورہ بقرہ اور سورہ نساء تک ہی فوائد مکمل کئے تھے کہ آپ کو آپ کے خالق نے واپس بلا لیا اور اس مسلسل کام کی تکمیل کی سعادت علامہ عثمانی کے حصہ میں آئی اور آپ نے بقید ۲۶ پاروں نے حواشی تحریر فرمائے۔ جس کا افغانستان میں قاری ترجمہ بھی شائع ہوا۔ یہ واحد ترجمہ تفسیر ہے جسے بلا استاد پڑھنے کی اجازت ہے۔ اس کے بعد آپ نے بدوران قیام ذابھل شرٹ بنوری شریف بھی لکھی اور تیس جلدوں میں مسلم شریف کی مستند شریعت مہم تحریر فرمائی، جسے پوری دنیا کے اسلام نے پسند کی۔

- ۱۔ آپ کے مقالات میں ۱۔ الاسلام (۱۹۱۱ء)۔ ۲۔ استقل و اقل (۱۹۱۶ء)۔
- ۳۔ اعجاز القرآن۔ ۴۔ اشہات (۱۹۲۳ء)۔ ۵۔ معارف القرآن (۱۳۳۱ھ)۔ ۶۔
- الدار الاخرۃ (۱۹۱۲ء)۔ ۷۔ ہدیہ سنیہ (۱۹۱۵ء)۔ ۸۔ قرآن کریم میں تکرار کیوں ہے
- (۱۳۲۸ھ رمضان)۔ ۹۔ تحقیق خطبہ جوہ (۱۹۱۳ء)۔ ۱۰۔ منہاج نبی۔ ۱۱۔ لطائف حدیث
- (۱۹۱۵ء)۔ ۱۲۔ تشریح و اقتدایہ بند (۱۳۳۳ھ رمضان)۔ ۱۳۔ محاب شری (۱۹۱۶ء)۔
- ۱۴۔ تجرؤ نفس (ربیع الاول ۱۳۳۳ھ)۔ ۱۵۔ خوارق عادات (مجزات) (۱۹۲۲ء)۔
- ۱۶۔ اروج فی القرآن خاص طور پر قائل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے خطبات قرآن
- موا۔ ت ۱۹۳۰ء، مسلم ایک کالہرلس میر غفر ۱۹۳۵ء، جمعہ العلم اسلام کا طرلس ۱ ہور ۱۹۴۶ء۔
- خطبہ صدر و حاکم ۱۹۳۹ء، تقریر قرار و مقامہ ۱۹۴۹ء، و مر اسامات سیاسیہ ۱۹۴۵ء، عالمی
- الصدریں ۱۹۴۵ء، چچا مسو تکر کل بند فکرت تارت پائستات کے اہم جز ہیں اور اپنے دور کے

سیاہی و جزر پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ایسی سدا بہار قریریں ہیں، جن سے ہر وقت رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تصوف و تقویٰ :

علامہ عثمانیؒ بڑے نازک طبع اور رقیق القلب تھے۔ خوف و خشیت کا اکثر طبیعت پر غلبہ رہتا تھا۔ اسی لئے نر زب سے خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے، درتوبہ اور استغفار کی سخت تائید کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ

”تمام احکام بحال کر پھر اللہ سے معافی مانگو، کیونکہ کتنا ہی خطا محض ہو، اس سے بھی کچھ کچھ تعمیر ہو جاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کر دیا بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو، اسی قدر اپنے کو تعمیر و اصلاح کچھ اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہے کہ اسے غفور و رحیم اللہ اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما۔“

تعلق باللہ پر آپ زیادہ زور دیتے تھے اور یہاں تک فرماتے تھے

”علاوہ قیاس و سبیل کے، دوس میں بھی (گو مخلوق سے معاملات و علاقے رکھنے پڑتے ہیں، لیکن دل سے) اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھئے اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اس کی یاد میں مشغول رہئے۔ غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لئے دوسرے کو نہ پہنچے دے، بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے، یا یوں کہ لو کہ سب تعلقات اسی ایک تعلق میں مغموم ہو جائیں۔“

تعلق باللہ سے ہی خوف پیدا ہوتا ہے، جس کے حصول کا یہ طریقہ فرمایا

”ایسا عدل و انصاف جیسے کوئی دوست یا دشمن نہ ہو کہ اس کے درجہ سے اختیار

کرنے سے آدمی کو تسلی بننا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اس کی شان انتقام کا خوف ہے اور یہ خوف "ان اللہ خیر بعدا تعملون" کے معصوم کا بار بار مج قہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے جب کسی مومن کے دس میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہر کی کوئی چھپی یا کھلی حرمت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو قلب شہید الہی سے لرزے لگے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاصات میں بدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے گا۔

یہ وہ اصول زندگی ہیں جن پر آپ خود بھی عمل پیرا رہے اور دوسروں کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب دے کر فرماتے رہے۔

اعتراف خدمات :

روزنامہ امروہ نے اپنے امروہ فردا کے کالم میں ۷ اربسمبر ۱۹۵۷ء کو لکھا "مولانا عثمانیؒ کی زندگی اور ان کے کارناموں سے پاکستانی عوام بھی طرح آگاہ ہیں، کیونکہ ان کے تجربہ علمی و ان کی راست ہدایت اور حق گوئی و حق شناسی نے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کو راستہ سمجھایا۔ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ قائد اعظم کی سیاسی بصیرت اور قانونی مہارت کے ساتھ ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تجربہ دینی اور فیض روحانی نے مسلمانوں کو وہ قوت بخشی کہ انہوں نے صدیوں کا راستہ چند برس میں طے کر لیا۔"

روزنامہ "احسان" لاہور نے اپنی ۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں آپ کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔

"جب کانگریس کے نام پر ہندو امپریلزم کے پھیلنے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے علامہ عثمانیؒ مسلم لیگ کے نمونے تو عوامی اعتماد و ہر دھڑائی کی

حس رو کو طے کرنے میں دوسرے لیڈروں کو سالہ سال صحرا نوردی کرنی پڑی، اسے آپ نے چند ہفتوں میں طے فرما لیا۔"

مولانا نصر اللہ خان عزیز ایڈیٹر نسیم نے ۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء کے شمارہ میں لکھا "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریک پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے میں اور بھی کئی مٹا مٹا کار فرما تھے، مگر اس تحریک کو مذہبی تقدس بخشنے والی ذات تھا مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تھی، اگر وہ بھی ادھر نہ آ جاتے تو ہم مسلمانوں کو یہ یقین دلانا مشکل تھا کہ یہ تحریک مذہبی درجہ رکھتی ہے اس مقصد کا اعتبار کرے کے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی حمایت سب سے زیادہ کار آمد ثابت ہوئی۔"

پیشین گوئی :

پاکستان بننے سے قریباً ایک سال قبل آپ نے لاہور کانفرنس کے جلسہ صدارت میں پاکستان کے متعلق یوں پیش گوئی فرمادی تھی کہ

"ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امرور شاید وہ رائے ادا آئے، جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا منہ مٹیر طلوع ہوگا۔ اس صبح کی امید کی نمود تک ہم نومید یوں کی شب تار کو پٹی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے قہر مندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔" (خطبہ لاہور ص ۷۰-۷۱)

ماہنامہ ”مسیحائی“

کی

”ہادی اعظم نمبر“

محترم اہل احمدیہ! میں انصاری کی داریت میں نکلنے والے مسروقہ پر سہ مسیحائی کا
ہادی اعظم سے بھی چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔ جس کی ترتیب و تالیف ڈاکٹر خالد محمد جانی
و حاصل ہوئی۔ ہادی اعظم سر میں بیٹنے والوں میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، پروفیسر، ڈاکٹر
خالد صوی ڈاکٹر نذیر مصطفیٰ خان سوات ڈاکٹر عبدالعلیم چشتی ڈاکٹر محمود الحسن حارث ڈاکٹر
قاری یونس انیس محترم اہل احمدیہ! میں انصاری ڈاکٹر محمد جانی ڈاکٹر عثمانی میاں قادری
پروفیسر رین۔ جسے فضلی، ڈاکٹر محمد اشرف شاہیں قیصر الی اور مولانا اکرام اللہ جانی قادی
جیسے عظیم الشان علماء و ائمہ ہدایاں ہیں۔ سیرت پاک کہ سہ سہ جہتی مطالعہ اور جامعیت
و جامعیت سے محمود میں ایک عظیم تاریخی دستاویز ہیں۔ سیرت کے موضوع ایک عظیم علمی
شہکار جس کا ہر محقق و آدر جس کی ہر تحریر اثر انگیز و اصلاحی پر مشتمل ایک عظیم
تاریخی دستاویز و ادبی کار ہے۔ جو اب قلم عثمانی کے لئے نوادہ کا سامان۔

رابطہ کیلئے

دفتر ماہنامہ مسیحائی

74700 B-197، بلاک A، شارع بابر نارتھ، ناظم آباد کراچی

الموعظة الحسنة



معروف عالم دین، مخلص خطیب و دہلی مبلغ اسلام شیخ طریقت استاد
عبدالحق صاحب مولانا محمد عمر قریشی مدظلہ کے تقاریر اور دینی افادات پر
مشتمل کتاب "الموعظة الحسنة" منظر عام پر آگئی ہے۔

۳۳۶ صفحات کی اس کتاب میں حضرت قریشی صاحب نے توحید، علم
میں مسئلہ حاضر و ناظر، عقائد، کمال ولادت، سعادت، عظمت سید المرسلین
شیت النبی ﷺ اور حقیقت حدیث پر تفصیل اور دلائل سے مؤثر گفتگو
کی ہے۔ کتاب اٹھائے تو پڑھتے چمے جائے، سونا نے لفظ لفظ میں
حوم و حارف کی موتی جمع کر دیے ہیں۔

رابطہ کیلئے

دارالمبلغین

مدرسہ فرقانیہ

کوٹ ادو، مظفر گڑھ، پنجاب

مجلہ ”معارف اسلامیہ“

کی

”سیرت رسول ﷺ نمبر“

پروفیسر ڈاکٹر عہد الرشید رئیس کالج معارف اسلامیہ کی زیر اہمیت و نگرانی
کراچی سے نکلنے والے مجلہ کا پیش نظر پرچہ خصوصی شمارہ ”سیرت رسول ﷺ“
کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ لکھنے والوں میں پروفیسر علی محمد صدیقی
ڈاکٹر شاد احمد، حافظ فضل الرحمن، حافظہ حفیظہ میاں، قادری سید محمد، خواجہ کشتی
مورانا سید عزیز الرحمن، ڈاکٹر ذہانت ہارون، ڈاکٹر شہناز اور مورانا ڈاکٹر محمد
رضی الاسلام شامل ہیں۔ سیرت کے موضوع پر بہترین مضامین کا ایک
حسین مرقع ...

رابطہ کیلئے

شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی

D-24، اسٹاف کالونی کراچی یونیورسٹی کیمپس کراچی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نا قابل فراموش شخصیت

وزہ نوری

محکم مسلمانان عالم و جمیع العلماء اسلام کے صدر اور پاکستانی دستور ساز
مجلسی سے زمین علامہ شبیر احمد عثمانی سے اوائل ۹۴۷ھ میں ہی میرا رابطہ قائم ہو گیا تھا، جبکہ
اپنی بھی ریوید میں ہی مقیم تھے۔ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی یادگار میں رہا۔
بغلام اسلام یادی رہا تھا۔ اس سلسلہ میں میں نے ایک محمول کی پلاٹ خریدی۔ یہ اہل
روحانیت دن و رات آپ سے اپنی عزالت، صعب اور تقاضات کے موجود مجھے پناہ پہل
رہا۔ یہ مصائب و اہل العظیم تحریر فرمایا

دع ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء)

مقامات مختار زمین مجددہ

بعد اس مہینوں آنکہ گرامی نامے موصول ہوئے۔ میں عرصہ سے غلیل ہوں۔
اللہ تعالیٰ سے ہر مشاغل سے بمشکل فرصت نکال کر مختصر تقریر لکھ سکا۔ بافضل رسالے کے
سے ختم ہوا۔ دشا رہا، پھر کسی وقت بن پڑا تو بھیج دوں گا۔ دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ

آپ کو خدمت اسلام کی پیش از پیش توفیق مرحمت فرمائے۔ والسلام
 جس سے اس ناچیز کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ جو اب جوں وقت ضرورت
 تعلقات پر جیتے گئے۔ آپ سے میری دعوت پر باجیل و حجت اور بغیر کسی امر و نہی
 سلطان تشریف لانے کا وعدہ فرمایا، اگر ان کی جلد کوئی اور رہبر درجہ نما ہوتا۔ تو صورت یہ
 بالکل مختلف ہوتی اور ایسی خاتہ واحدی نظر نہ آتی، جو میرے نام ان کے مکاتیب سے
 ہے، جو "انوار عثمانی" اور "انوار عثمانی" میں شائع ہو چکے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الحدیث کے علاوہ مسلم شریف نے
 حضرت شیخ بلند مولانا محمود حسن دیوبندی کے سزاوارق قرآن مجید کے حواشی نگار بھی تھے۔
 نے جس خوبی اور خوشنویسی، کمالی، معانت، مسامت، اصاحت اور بلاغت سے
 معارف قرآن کو اردو کا جامہ پہنایا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ یہ واحد ترجمہ و تفسیر ہے جو
 ایک برہم کے بد استاد پڑھا اور سمجھا یا سکتا ہے اور اسی کی بدست میں اپنی بد
 تالیفات تعارف قرآنی، بصائر قرآنی اور حکام قرآنی لکھے میں کامیاب ہوا، جس میں
 نے بے حد پسند فرمایا۔

جرات و بیباکی :

میری زندگی میں سب سے پہلا انقلاب غازی امان اللہ خان شاد افغانست
 عہد حکومت میں آیا۔ وہ خدث برپا کے ہمارے جب و رہپ کی یہ کوئٹہ تو وہاں ملک ٹرپا
 اتار دیا، جس پر افغانستان میں اس اسلامی شعار کے ترکہ گرد سینے پر ٹیگہ و غصب
 طوفان آیا جو غازی امان اللہ خان کو خسر و خفا شائبہ کی طرح بہا کر لے گیا اور تخت و تاج
 محروم ہو رہا وطن کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اخبارات میں جب پردہ موضوع بحث بناتا
 تو آپ نے بھی پردہ کے موضوع پر قلم اٹھایا اور اس کی حقیقت اور شرعی اہمیت واضح

ہوئے شاہ قفغانستان کو یہ پیغام بھیجا تھا فرمایا

”کاش کوئی صاحبِ ہمت، دولت علیہ افغانستان کے امیر غازی، دوران کی حکمہ، مظفر ثریا باد کے مع اعلا یوں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ پہنچے دے کہ ”اے اہلِ بیہودہ تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، حقیر اور کمتر تھے، اللہ نے اسلام کے ذریعہ سے تمہاری عزت بڑھائی، پس جب کبھی تم غیر اللہ کے در بید عزت حاصل کرو گے تو خدا تمہیں ذلیل کر دے گا۔“

ترکِ موالات کے خطبہ میں بھی حق کوئی کامیاب رہی نہ یاں نظر آتا ہے کہ ”مسلمانوں کی فلاح سے متعلق شرعی حیثیت سے جو میری معلومات ہیں، اس کو جان دو کہ مست آپ کے سامنے رکھ دوں اور اس کی ہانکل پر، اندازوں کہ حق و آوار سننے سے تصور، اسرارے بہادر مجھ سے برہم ہو جائیں گے، یا مسٹر گامدھی باطلی برادر اس یا اور کوئی بندہ یا مسلمان ناراض ہو جائے گا۔“ (خطبہ ترکِ موالات ص ۲)

نظام حیدر آباد دکن بھی آپ کے بلائے معتقد تھے۔ آپ کی تقریر بلائے اوق و شوق سے سنتے تھے۔ قیام حیدر آباد دکن کے دوران نظام اپنے دستِ حواں پر علامہ شبیر احمد علی کو کھانا کھاتے اور گفتگو ان کی گفتگو سے محفوظ ہوتے رہتے، مگر حق کوئی آپ نے اس بھی نہ چھوڑی اور جب بھی موقع ملا، نظام کو کھری کھری سنا دیں۔ نظام حیدر آباد کے مسجد میں نماز پڑھنے آیا کرتے تھے، جس زمانے میں اس پر تفضیلیہ کا غلبہ تھا، اسی زمانہ میں علامہ عثمانیؒ نے نظام کی موجودگی میں فضائل صحابہ کرام پر ایک ایک دہائیں تقریر کر کے نظام ”درط حیرت میں ڈال دیا اور اس کی ہر انگلی کی قطعاً کوئی پروا نہ کی۔“

دقویٰ نظریہ :

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے قیام دہلی کے دوران اپنے ہم عصر علامہ کوکا بھگت کی

تصاویر سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ آپ اپنے استاذ و مرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود حسن کی طرح دوقویٰ نظریہ کے حامی تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ

”ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے، میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ تہنہ ہلکا اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آج کے دورِ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندانِ اسلام کی مستقل قومیت سے انکار کیا جائے۔ اس عاصیہ قومیت کا بیان مسلم شریف کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامِ روحانہ میں ایک قافلے نے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا ”تم کون قوم ہو؟“ جواب میں انہوں نے یہ نہ نہ کرنا، عجمی، انگریزی یا کسی میں باقریش یا بدیل یا تھمیر یا کچھ اور ہیں، سب سے زیادہ قبائلی تہصیب رہنے والے ملک میں ان کا جواب صرف یہ تھا کہ ”ہم مسلمان ہیں“۔ گویا وطنی، نسلی تہصیب کے سبب بت لوٹ چکے تھے اور بحرِ اسلام کے آب کوئی قومیت ان کے برداشتِ قلبی قدرتی تھی۔“

ای ای سی عقدِ نظر سے لامحالہ کل فیہ مسلم قومیں دوسری قومیں بھی جائیں گی اب اس چرچہ کا کوئی مکاں باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے احتجاج سے کون سی قومیت صحیح معنوں میں بن سکے۔

وطنیت، قومیت کے جوہر آج سے چودہ سو سال قبل توڑ دئے گئے اور جس کی پرپاستا معرکہ وجود میں آیا، اب پھر ان کی پوجا پاکستان میں جاری ہے۔

مسلم لیگ میں شرکت :

نام باعمل بھی بدسوچے کچھ قدم نہیں اٹھاتا، بلکہ وہ رقعہ پر یہ دیکھتا ہے کہ کتنا اس کا یہ قدم اللہ شہد اور سو سو متبعین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب تو نہیں ہوگا۔

اس کا وہی جواب کتاب وسنت میں موجود ہے؟ مسلم یک میں شہریت کا فیصلہ کرنے کے لئے
 اپنی مرضی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا پڑا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا تھا کہ
 میں ایک طویل مدت کے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کو
 دستور پاکستان کی خاطر مسلم یک کی تائید و حمایت کرنی چاہئے۔ اس وقت مسلم یک
 کا نام دہلی تو پہ شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو کس ملک میں رہنے کا موقع نہیں ملے گا۔
 ایک دوسرے موقع پر فرمایا

وقت کی ہم ضرورت یہ ہے۔ مسلمان مسلم یک کے بارے میں مضبوط کریں۔
 مسلم یک کا نرسل منعقدہ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کی صدارت کرتے ہوئے آپ نے
 یہ خطہ صدارت میں اپنی شہریت مسلم یک کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا
 "اتفاق سے پنج ہندوستان میں مسلم یک کا مقدمہ بھی اٹھا رہا ہے۔ لیکن یہ ہے
 کہ مسلم یک میں شامل ہونے والے ملک کو مذہبی اسلام میں جو مسلمانوں کے قومی استقلال،
 سیاسی اقتدار، ہمیں ہر اسلام کے اعداء اور ملت اسلام کو من حیث مجموعہ، مضبوط،
 طاقت دار اور سر بلند کرے۔ اسے یہی جنگ اس کا کاربش نہیں کے مقدمہ پر کر رہے
 ہیں۔ ہر مسلم یک میں شامل ہونے والے بے شمار امیوں میں میں چند اہل پرستوں کی
 تعداد میں حق و انصاف مشر مشیر بھی نہیں۔"

اس فیصلے سے ادا رہا کہ مولانا عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سیاسی مسائل پر بھی بیانی
 کی نظر رکھتے تھے۔

آئین اسلامی

جون ۱۹۴۷ء کی آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے موقع پر علامہ عثمانی نے ایک وفد
 کی حیثیت میں قائد اعظم سے ملاقات کی جس میں قائد اعظم نے علامہ عثمانی کو یقین دہایا

کہ پاکستانی دستور ساز اسمبلی کے قیام کے بعد محورو دستور کی شرعی نقطہ نظر سے جانچ پڑھنے کے لئے علماء کی کمیٹی بنائی جائے گی۔ چنانچہ اعلان پاکستان کے بعد اس غرض کے لئے صدر میں ایک مجلس علماء قائم ہوئی، جس کی صدارت کے لئے علامہ شبیر عثمانی کی خدمت میں عرض لکھا گیا۔ اس کے جواب میں آپ نے شفیع احمد صاحب صدیقی جنرل سیکرٹری مجلس علماء جو عقد تھا، اس میں اس امر کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا کہ

"میں اس نظریہ (آئین اسلامی) کا دل سے حامی ہوں اور جس حد تک موقع ملے، اپنی بساط کے مطابق اس بارے میں سعی کرنا اپنا فرض مذہبی سمجھتا ہوں، چونکہ میرا انتخاب دستور ساز اسمبلی کے لئے بھی ہو چکا ہے، اس لئے میرا مضمون مزید ہے کہ وہاں پہنچ اپنی استطاعت کی حد تک اس سلسلے میں پوری قوت کے ساتھ وار بلند کروں، خواہ مالی پارٹی میرا ساتھ دے یا نہ دے اور آخری نتیجہ چھوٹی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ نہ صرف میرے ضمیر کی - وار ہوگی، بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اس طرح کروڑوں مسلمانوں کے صحیح جذبات وراں کے ایمانی تقاضوں کی بھی ترجمانی کروں گا۔ (دارالافتاء ص ۱۸۹-۱۹۰)

پاکستان بننے کے بعد اور قرار داد مقاصد پاس ہونے سے قبل جو مغرب زدہ عقیدہ محنت اقتدار، سنبھال رہا تھا، وہ صدقہ دل سے آئین اسلام نہ چاہتا تھا اور اس کی رو میں اس نے بظاہر ٹھیک روڑے انکالے شروع کر دیئے تھے، جس پر علامہ عثمانی نے انہیں اس الفاظ میں چیلنج کیا کہ :

"اگر اسلامی دستور کو آئندہ حسب وعدہ پاکستان میں رائج کرنے کو ہمیں واپس دیا جائے تو میرا استدہ اور ہوگا اور آپ کا اور نہ صرف یہ بلکہ میں قوم کو بتا دوں گا کہ اہل اقتدار دستور اسلامی کے سلسلہ میں اچھی نیت نہیں رکھتے۔" (تخلیقات جلد ۱ ص ۴۶)

علامہ عثمانی نے نہ امر چہ بعدہ مشکل قرار داد مقاصد پاس کرالی، مگر آج تک قرار داد

۱۷۔ شیخ محمد رفیع مدظلہ العالی، بلکہ اسے دیکھنا دیا گیا اور آپ کا یہ اندیشہ صحیح نکلا کہ اردو ادب
 کا زوال سداۓ "میں پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۵ جولائی ۱۹۷۱ء تک پاکستان
 میں "میں اسلاف نہ بننے دیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں اس ضمن میں جو عملی قدم اٹھایا گیا ہے وہ
 کہ وہ وہ وہ وہ یہ تکمیل تک پہنچ جائے۔

حسین احرام :

۱۔ حد اور مہلت کا جب ریفرنڈم پیش آیا تو یہ میدان سر کرنے کے لئے قائد اعظم
 کے اس وہوں محاذوں کی کمان بھی تشریف مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے
 پر بن اور بصدقت تھی یہ دونوں معرکوں ہر دو حضرات نے قائد اعظم کو جیت دیئے، جس پر
 قائد اعظم کی جان میں جان آئی۔ قائد اعظم کے اس میں ان ہر دو علماء کا کتنا احترام تھا۔ اس کا
 اندازہ اس لئے ہر دو واقعات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

۲۔ ۱۹۴۶ء کی دہلی کی عظیم الشان کشمکش میں علامہ عثمانی کو جب جائے قیام سے
 ہٹا کر نئے جیتنے میں دیر ہو گئی تو قائد اعظم نے آپ کی آمد تک اجلاس کی کارروائی روک دی
 "میں وقت علامہ عثمانیؒ کو کشمکش میں پہنچے تو ہزاروں کے مجمع میں قائد اعظم کچھ دیر تک
 آپ سے تنہا کے لئے بڑھے اور تمام مقتدر حضرات یہ وہ کھڑے ہو گئے۔

۳۔ ریفرنڈم جیتنے کے بعد جب علامہ عثمانیؒ قائد اعظم کو مبارکباد کہہ رہے تھے تو
 قائد اعظم نے فرمایا "اس مبارک کے مستحق آپ ہیں، میں خواہ یہ سزا کی کی لیکن آپ
 سزا وقت دہر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی۔"

۴۔ ہریان حکومت منبھا لئے کے بعد جب پاکستان نے پرچم کشائی کا وقت آیا تو
 قائد اعظم نے جو پرچم کشائی کی بجائے تحریک پاکستان میں علامہ احرام کی خدمات جلیلہ کا
 تذکرہ کرتے ہوئے مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو درمشرقی پاکستان میں

مجھے اس تفسیر کے مطالعہ کی تلقین مولانا عبدالمجید ابوسری علیہ حضرت مولانا
 زکریا علی قزوینی نے ایک اتفاقی ملاقات میں کی۔ وہ میں نے اسے مسلسل پچھریں مطالعہ
 اس سے میری کئی اپنی انجمنیں دور آئیں اور مجھے وہ بصیرت حاصل ہوئی جو دنیا کی
 کسی بڑی سے بڑی یونیورسٹی سے حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ مولانا علیہ السلام
 دنیا کی کئی تفسیر جب ساج لکھی نے شائع کی جو اردو زبان میں ایک گر قدر منفرد ہے۔
 اس کو بھی زیر مطالعہ رکھ۔ تفسیر عثمانی علی مشککات کے لحاظ سے وہ تفسیر جدید
 کی مصوبات کے لحاظ سے اپنا کوئی جواب نہیں دھکتیں تفسیر عثمانی "قوانین کو بڑی بڑی
 تفسیر خیر سے بہ یاد کر دیتی ہے۔ اس کو رہ میں بڑے بڑے سمندر بند ہیں۔

طہ پر تاشیر :

یہ اس اور پڑھ رکھا تھا کہ جس زمین کے گزے سے مجاہدین نزر جائیں، وہ بھلائی
 زمین ہمیشہ ہمیش کے لئے دوسری زمین سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ اسی سے جب حضرت
 علیہ السلام شہید ہوئے، اللہ اور جیلانی کی طبیعت میں ایک مرتبہ قبض پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے
 زمین کا ایک "مقام و ریت" ٹکڑا گیا تو آپ ایک ایسے خط زمین پر جا کر بیٹھے گئے کہ جہاں
 سے مجاہدین کا ایک قافلہ گزرا تھا، جس کی برکت سے نہ صرف اس کا قبض سہ میں بدل گیا،
 بلکہ وہ جس مقام پر پہنچنے سے ٹکڑا گئے تھے وہاں پہنچ گئے۔ ایسا ہی ایک مقام قائم ہونے کے
 بعد بھی ہے، جہاں پہلی صدی ہجری کے وفد میں اسلام کے نوجوان سپہ سالار اور مجاہد محمد
 بن قاسم سے پڑاؤ تھا اور جس کا خطستان، سرزمین عرب کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ ۹۳۱ء
 میں یہ وہاں سے نزر ہو، جوں جوں اس خطستان کے قریب ہوتا گیا، کشش بڑھتی گئی،
 جب وہاں پہنچے تو اس خطہ کے غیر معمولی اثرات سے طبیعت میں یہ تبدیلیاں پیدا کیا، جو
 ملک کے دور سے۔ میں وہاں کچھ دیر بیٹھ کر اپنی منزل مقصود کو چل دیا۔ میرے روحانی مربی

جب ملتان تشریف لائے، تو وہ بھی میرے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، جن کے ساتھ میری کتاب مشہدات و واردات میں دیکھے جاسکتے ہیں اور مجھ پر بھی جب بھی قبضہ حالت طاری ہوتی تو میں وہاں جا کر شرح صدر پاتا ہوں۔

۱۹۳۸ء میں مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ پر علامہ عثمانی کو پورے لائے، تو میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی جو رقی ملاقات کے مقابلہ میں سوے پر سہار ثابت ہوئی اور آپ کی سابقہ نوازشات کے ساتھ ساتھ اب بے تکلف قرب میں بھی غیب ہو گیا۔ ایک دن باتوں باتوں میں اس خطہ پر تائید کا ذکر کیا تو آپ فوراً اٹھ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ میں حضرت مولانا خیر محمد چاندھری بہتم خیر مدرسہ شبیر احمد صاحب رفیقی موز میں بیٹھ کر وہاں پہنچ گئے، جو فی ہم میں پاکستان میں پہنچتے حضرت عثمانی بھی مجھوروں کے درختوں کے ہی کول کے پاس پہنچ کر رک گئے، جہاں حضرت غازی صاحبزادے کے تھے۔ ایسے مقامات کے انوار کا کس اسی ہیرو دل پر ہی پڑتا ہے، جو دنیوی اغراض و نفسانی خواہشات کی آکاشوں سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ وہ ناچنے کی طبیعت پر اس خطہ میں کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہی مقام پر بڑی بے تکلفی سے سبز و پرہیز گئے، سبحان اللہ کہہ کر ایک لمبی ٹھنڈی سانس بھری اور فرمایا

تأثر است عثمانی

یہاں پہنچ کر مجھے یہ واقعہ یاد آیا ہے۔ آج کل جہاں دارالعلوم دیوبندین ہو ہے، وہاں سے مولانا، اسماعیل شہید کے پیر حضرت سید احمد بریلوی کی زیرِ کمان مجاہدین ایک دستہ گر رہا تھا۔ اس وقت وہ جہر غیر آباد و رما قابلِ انتہا تھی۔ مولانا سید احمد وہاں تک گئے، مجاہدین سے مجھ پر بھی تو فرمایا یہاں سے تم کی خوشبو آ رہی ہے۔

یہ کہتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے

چوہدری کے قدموں میں کیا برکت رکھی ہے کہ وہ جس زمین کو چھو جاتے ہیں، وہی برکت صدیاں گزر رہا ہے۔ کے باوجود بھی بھلاں رہتی ہیں۔

اسیوں سے وہاں بیٹھے بیٹھے دارالعلوم دیوبند کی ساری تاریخ بیان کر دی اور پھر مجھے فرماتے لگے کہ:

”میری خواہش ہے کہ میرے دفن کا یہاں انتظام کر دیا جائے۔ میں اسی زمین میں ہی دفن ہونا چاہتا ہوں۔“

یہ سننے ہی محترم رفیق صاحب کی طبیعت ہچائی، انہوں نے کہ اگر میرے دفن کا بھی یہاں انتظام ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو، میں یہاں بھی ایک خادم کی حیثیت سے ان سے پہلو میں پڑا رہوں گا۔“

ان کی دیکھا دیکھی میرے دل میں بھی ایسی ہی خواہش پیدا ہوئی، مگر غافلیں آیا کہ حد جانے یہ سر زمین پاک ہمیں قبول بھی کرے گی یا نہیں۔

یہ خیال ”تے ہی میں نے اپنی خواہش کا ظہور نہ کیا۔ ہم وہاں کافی دیر بیٹھے رہے۔ دولہائی طبیعت کچھ ایسی تھی کہ اس کا وہاں سے ٹھنسنے کوئی نہ چاہتا تھا۔“ خرطوطہ لکھ کر باوا کو

دیا۔ اس روز ان کا دوپہر کا کھانا منہ مرید حسین صاحب سے ہوا تھا، جس میں ملامہ والدین صدیقی بھی موجود تھے۔ ان کا پروگرام اس روز بذریعہ میل راپٹی جائے گا تھا،

مگر وہ اپنا راپٹی جانے پر راضی نہ تھے۔ دوبارہ بار کہتے تھے کہ مجھے تو کوئی وہاں اسی جگہ چھوڑ دینا۔ میں سرور مست کراچی واپس نہیں جاتا۔ اسی بکلی میں انہوں نے کھانا بھی لطف سے

کھایا اور صدیقی صاحب کو بھی مجبور کیا۔ دونوں کے ساتھ اس حد پاک پر جا کر اس کی شہادت دینا چاہیں، مگر انہیں وہاں دوسرے روز کسی ضروری کام میں شرکت کرنی تھی۔ اس لیے

دوسرا کو مجبور کر کے امتیاز تک لے گئے۔ وہاں پہنچ کر مولا نا کو پھر اسی زمین کی کشش دلی

اور آپ نے کراچی چلے گئے اور وہاں مقیم ہو گئے۔ حالانکہ گاڑی آجکل بھی بکثرت خریدی جاتی ہے مگر مولانا کی فرمائش سے تھے۔ مجھے واپس قاسم بیل سے چاہا، بڑی مشکل سے انہیں کراچی لے جانے پر اس شرط پر آمادہ کیا کہ ہم انہی واپس جاتے ہیں راضی کے مالکان کا پتہ لگا کر اس سے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور پھر مفصل پروگرام بتا کر اطلاع دیں گے۔ آپ نے اس پر بے حد اطمینان رہیں۔ اس اطمینان والا بے پروہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔

آغازِ سی :

میں وہاں سے سیدھا گھر پہنچا۔ لوہے کی پتیاں، کیل، ہتھوڑی اٹھ کر واپس قاسم بیل گیا اور حضرت نے اپنے مہمن کے لئے جو کچھ پسند فرمایا تھا، اس کے چاروں طرف گھجوروں کے درختوں کو لٹائی لگانے کے لئے لوہے کی پتیاں لگا دیں۔ مالک اور انہی کا پتہ معلوم کر کے واپس آ گیا اور حصولِ راضی کے لئے کوشش شروع کر دی۔

اس واقعہ کی اطلاع میں نے محترمہ اسد ملتانی کو بھی کراچی بھیجی، مگر میرے خط سے قبل دو مولانا عثمانی کو مل چکے تھے اور مولانا بدست خود انہیں قدامتہ ملا چکے تھے۔ جس کی نسبت اسد صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۴۸ء میں لکھا کہ

حضرت مولانا عثمانی سے چند روز ہوئے ملاقات ہوئی۔ سرملتان کے خاثرات ان کی رہائی سنئے۔ آپ نے جتن لکھا ہے، اس سے بھی کہیں بڑھ کر انہوں نے کیفیات بیان فرمائیں۔

بعد میں صدارتِ خیمہ ہی کہ یہاں باقاعدہ ایک یادگار قائم کی جائے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی، اور حضرت اسد ملتانی نے اس کے لئے یہ تہ تیغ کر دیا۔

فرودگاہ محمد بن قاسم

وہ مبارک اور خوش حسیب زمیں جس نے ۹۵۰ء میں مسلمانوں کو اسلام کے
 بقدر حضرت عمارؓ کی محنت کا ثمرہ دیا اور ان کے رفقاء و مجاہدین کی قدیموی کا شرف حاصل کیا
 یہ ہمارا ست بہاؤ ہے۔ یہیں نقش پائے ابن قاسم برتجیس
 عمارؓ کی تحریک پر یہ کتبہ وہاں نصب کر دیا گیا اور حضور ارضی کے لئے
 شاد و غمزدی۔

ذاتی کریمانہ :

شیخ اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ان حائے ربانی میں سے تھے، جن کے
 میں، یہ دولت کا جذبہ خدمت نے پایا تھا، جہاں اس کے دل میں قوم کا درد کوٹ کوٹ
 برہا ہو تھا۔ وہاں اس کا دل اپنے ادنیٰ ترین حادوس اور کشیدہ دلوں کی محبت و شفقت
 بھی سمور تھا۔ وہ ان سے بھائیوں کی طرح پیش آتے اور ان کی دہجائی کی ہر ممکن کوشش
 کرتے، جس کی مثال مثلاً ہیر قوم میں معنی مشکل ہے۔ ہم فرد گاہ محمد بن قاسم سے واپس
 آئے تھے، انہیں راستہ میں میری دکان ”دار القرآن“ کا علم ہوا، تو سیدھے وہاں پہنچے،
 اس سے اترے، بدقت تحت پوش پر چڑھ کر دکان کے اندر تشریف لے گئے۔ کافی دیر بیٹھے
 یہ اسلام پاک کے مختلف نسخے منظر فرماتے رہے، لوگ باہر جمع ہو گئے اور شیخ، اسلام
 کی تہنیتی دکان میں موجود پانچ جہت کا علم رکھتے رہے کہ یہ دکان پر کیوں تشریف
 لائے۔ اس ضرورت کی تیر وہاں دکھائی چاہئے تھی، وہ شخصیت پرستی کے زیر اثر ان کی
 شفقت اور اخلاقی کریمانہ نگاہ نہ لے سکے۔

اسی طرح عصر کے وقت دوسرا واقعہ پیش آیا۔ جلسہ کے اختتام کے بعد جب وہ
 گھر پہنچے، تو معاً سامنے ایک شخص عہد استار نامی آگیا اور اس نے آپ کو یہ خط
 دیا۔ ”وہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب ملتان آؤں گا تو تمہارے پاس ضرور چاہئے نوش

کراں گا۔ آپ کے چند ہم دیوں نے انہیں یہ دعوت مانگنے کی ترغیب دی۔ آپ نے ایک مسکین سا آدمی تھا، جسے کوئی خاطر میں نہ رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں یہ کہتا تھا اس سے میں اس کی دل شکنی کرنا نہیں چاہتا۔ وہاں سے وہ اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ میں ساتھ تھا۔ اس غریب آدمی نے ہمیں چٹائیوں پر بٹھایا اور جو کچھ تیار کر کے سامنے دیا۔ ایک غریب مسکین سے جو کچھ ہو سکا، اسے آپ نے بڑی محبت نوش فرمایا اور واپسی پر مجھ سے فرمانے لگے کہ ہمارے جانے سے ہمارا کچھ نقصان نہیں مگر اس کا جوش جوش ہو، اس کا یہ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یہ ان کے علم و فضل پر معمولی سے جھٹکتے تھے، جو اتنا بھی برداشت نہ کر سکی کہ جسے محض غربت و مسکین پرانے کپڑوں کی وجہ سے بظہر حقارت دیکھا جا رہا ہے، اس کی دل شکنی کی جائے۔

ملاقات سے جب واپس ہوئے تو کرچی کے کسی صاحب نے ان کو آپ کے حلوے کی دکان کے افتتاح پر مجبور کیا۔ آپ اس کے غلوں کی وجہ سے اس کی دروغ مسخرہ دہ کر کے در وقت مقررہ پر ۲۴ مئی ۱۹۴۸ء کے دن وہاں تشریف لے گئے، جس سے متاثر ہو کر حضرت اسد عثمانی نے لوگوں کو یہ قیمتی مشورہ دیا کہ

علم کا محسوس ہے مولائے عثمانی کی ذات
 پوچھئے ان سے مسائل معنی فوز و فلاح
 پوچھئے اب سے کہ یا ہے فرد و ملت کیلئے
 فتنہ مانعہ نو میں صورت خیر و صلاح
 پوچھئے ان سے کہ لادینی سے کرنے کو جہاد
 دین و فطرت نے جہاد روئے کیا کیا صلاح
 پوچھئے ان سے کہ ہے اہل تجارت کیلئے

نفع کس حد پر حرم اور ونسی حد تک سنا
 تانہ ہونے پائے کوئی ہات قرآن کے خلاف
 ہر نئی تجویز پر بیٹے وزیر ان سے صلاح
 ملک میں کیونکر ہو آئیں شریعت کا نود
 مشورہ ان سے یہ کہتے قائد اعظم جناح
 دیکھئے اہل کراچی کا مگر دوق حیف
 چاہتے ہیں ان سے صوبے کی دکان کا افتتاح
 خوب ان لوگوں نے پہچانی ہے موبائا کی قدر
 خوب ان لئے کے بندوں کو سوجھا ہے حزان
 کیا عجب ہے کچھ دنوں میں اس سے پڑھواتے لکھیں
 بس جنازے کی نماز اور خطبہ عقد نکاح

بات یہ ہے کہ جس دس میں نور مملوٹس ہوتا ہے، وہاں خوراک و خود نمائی نہیں
 مائی۔ بعد اس کی روشنی میں اسے دوسرے اپنے سے بھی نظر آنے لگتے ہیں اور اس سے وہ
 اس سے بدوں کی دلجوئی کو فرض میں سمجھتے تھے اور اس کی عظمت و فضیلت اس فرض کی
 نشی میں مزاحمت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ عثمانی کوئوں کی دلجوئی کے باعث اس کی
 میدان سے آجیہ کو پھر رچا کر نہیں مرتے تھے۔ اس سے اسد عثمانی کو تسویر کے
 دوسرے دن پچھی نظر لگنے چاہئے تھی، جو یہ ہے کہ

ج۔ ال بدست آدر کج کج کہر ست

شرعی اطلاع :

۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴

کر دیا گیا اور اس کی اطلاع انہیں جتنی دیر میں آپ نے ۱۵ جون ۱۹۴۹ء کو مجھے دی۔
 "بعد میں مسنون" تکراری نامہ، حیرت معلوم رہے خوشی ہوئی۔ یہ ایک
 یادگار نامہ ہے۔ اس میں صرف اتنا تھا کہ یہ مذکور ہو جائے۔ اور وہی ایک ثانی قلم ہو گا۔
 یہ مسئلہ معلوم ہے۔ آپ نے یہ نامہ دیا۔ پانچویں کے۔ اور تھیں۔ اور
 اور یہ سب کر رہے۔

آپ نے جو کچھ بتائی ہے وہ بہت مناسب ہے اور اختیارات میں میں نے اس
 سے اوّل شرح ہوئی ہے۔ اس میں بھی نامہ شامل ہے، فی الحال کبھی میں نے اس
 سے اوّل ہائی سے وزیر اعظم صاحب سے کسی مناسب موقع پر اس کا ذکر کروں گا۔
 اس ضمن میں ابھی کوشش جاری تھی کہ ۱۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ کی طرف سے مجھے
 رات آخری پمپنی ملی۔

برادرِ مہربان یہ سچ ہے

بعد میں مسنون" تکراری نامہ، خوشی ہوئی، آپ کے غلام اور محبت والا
 رکھتا ہوں۔ آپ نے حق میں دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ دارین میں فارما رہے
 رکھے۔ میں ۱۸ دسمبر کو بہار چار ہوں۔ ۹ دسمبر کو وہاں پانچوں کا اور غالب آئیے۔
 قیام رہے گا۔ طالع تحریر ہے۔

مذہب و تقدیر :

ان دنوں وزیرِ اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین اور وزیرِ پنجاب سردار عبدالرشید
 بھی ملتان آئے ہوئے تھے۔ میں نے مولانا خٹک صاحب سے ہمراہیہاں پہنچا۔ حضرت
 عثمانی صاحب کو ملتان لے گئے۔ کاپر اور امینا، تاجہ خواجہ صاحب اور سردار صاحب کی موجودگی
 میں یادگار اور آپ کے مقبرہ کے لئے حصولِ راضی کا مسئلہ طے ہو جائے، ابھی ہم یہاں
 رہنے کی تیاری کر رہے تھے۔ آپ کے عام بقا کو سدھارنے کی دردناک خبر ملی۔ اسی وقت

کے پتہ یا کہ حش ابھی مہیا پور سے یا واس سے جس سے جانی جا چکی ہے تو یہ
علوم کے طریقہ اصولوں پر کر رہا ہے اپنی آنی چلی ہے آپ کی حش خود آپ نے وہاں پہنچی
مگر جس صاحب نے ہائی نے کہا جو اس سے فی خواہش اور تہا رہی جہد جہد سے نہ ہوئی، اقلے
نے کہا کہ بدعتی نے جس حش نے جس میں دور رکھنے ملے کہ

مجھے حاصل بطور میں امر کا نہیں ہے۔ آپ صاحبوں سے کیا پھر سے نہ ہی
میں سے یہ مقام نہیں ہے وہوشش میں ہی خارجوں کی وجہ سے تھی کہ وہاں
بے ادب ہو، وہاں موت واقع ہو جائے تو مجھے کتاں قاسم میں نہیں یہاں سے۔ مجھے
یہاں سے قتل ہوئی جب حش میں وہاں سے کاری میں دریا جہد کا تھا، اُسے پسے طرہ مانا
ہو، وہاں سے وہوشش کا

اسد میں کتاں سے جہد کا تھا، داری بھی تھی
مخلوط کیفیت ہے۔ اس میں بھی
جس کا نہیں ہو، جو جہد قضا میں

اس کا جس جہد کا نہیں ہوتا ہے، وہاں سے اس سے دور اس سے
نہیں یہاں سے جہد کا تھا۔ یہ پڑے سر میں میں قہر بھی نہ کی وہاں سے حش
کا جہد کا تھا، یہ پڑے سر میں میں آباد ہو گئے تھے کہ وہاں سے جہد کا
نہیں میں طرہ آپ سے یہاں سے جہد کا تھا، یہاں سے جہد کا تھا، یہاں سے جہد کا
سے جہد میں عقیدت میں نے کہا مسافر میں سے اس سے اس سے اس سے اس سے
کہ جہد جہد

اس صاحب میں سے بھی "فرد کا جہد" کا تھا، یہ جہد کا تھا
میں سے اس سے جہد کا تھا، یہ جہد کا تھا، یہ جہد کا تھا، یہ جہد کا تھا

نے رومی جانِ حقیقت کی حامل تھی۔ قائد کا ایمان تھا کہ مسلمانوں کے پشت پناہ ہیں اور پستانِ قائم ہو کر رہے گا اور یہ سورانا عثمانی تھے، جنہوں نے جہوری اور کی منصوبہ بندی نہ کیا تھا۔ مبدول کرائی۔ سورانا عثمانی نے پاکستان کے بارے میں رات کے جلسے میں شہر مایا

ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے منتخب کیا ہے اور یہ یقیناً ہمارے مسلمانوں کو دشمن میں ملے گی۔ امر وارشید ہمارا لائق اڑا ہے، لیکن ہماری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس کے پردے سے ہماری خاموشیوں کا ہمیں مطلع ہو گا۔ ہمیں میدانِ کوسود تک ہم تو صدیوں کی فہم تاریک کو اپنی قیادت سے نور سے روشن نہیں کرتے۔ ہم ان کے پیچھے فرزندوں کی طرح ہم مصیبت کو چند پیشانی سے برداشت کریں گے۔

بیش نظارہ :

ماہور میں منعقد ہونے والی مذکورہ کانفرنس پنجاب کی تاریخ میں یا کار حقیقت کی حامل تھی۔ کانفرنس اتحاد امت کا دلکش نظارہ پیش کر رہی تھی۔ ایچ بندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ، اہل مکتب خیال کے افراد شیر و شکر تھے۔ کانفرنس کے خزانہ دار، علی رضا، پاشا، رہو سے تھے۔ پنجاب کی جولی نشست وزارت سرورہ برائے امر وارشید۔ حکومت پنجاب نے ایک کامیابی سے یہ کانفرنس میں مذہب کا نام لینا جرم ہے۔ یونانی نے حکومت کا حق تھا۔ علماء و صحابہ کیا جائے، علماء کے خلاف مقدمات قائم کئے جائیں تاکہ علماء پر بیانات ہوں۔ لیکن انہوں نے علماء کو پریشان نہ ہونے دیں۔ اور طلباء خود کانفرنس میں شرکت کریں گے کہ پاکستان کے سب سے جہاد مسلماؤں کا مذہبی فریضہ ہے۔ چنانچہ طلباء کی طرف سے راقم نے کانفرنس میں اس مقصود کی قرارداد پیش کر دی۔ حکومت پنجاب کے خزانہ دار آؤٹینس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلسہ میں امداد کیا گیا کہ مسلم لیگ کو

دوست و نیاز مسلمان کا وہی فرض ہے۔ اس تقریر سے حکومت پنجاب کے اسرار و حیل اور گھٹنیں۔ سید قاسم رضوی مرحوم نے اس موقع پر ایک بڑے جوش و خروش سے اپنی کامیابی عیب بولی کہ اس کے بعد پنجاب کی فضا کی دل مٹی۔ مسعود ایک سے۔ میں اپنی تحریک کی حیثیت اختیار کر لی اور یہ سیلاب غم و غصہ کی زد میں چلی۔ اسلئے دشمن عناصر غصہ و خفا کی طرح بہہ گئے۔ پنجاب کے نو جوانوں، دانشوروں، اہل علم حضرات نے مولانا شبیر احمد عثمانی کی بھرپور فرین شخصیت سے بڑے شوق و اشتیاق سے روشناس کیا اور میں غم سے، جب رخصت ہوئے تو پنجاب میں اپنی شخصیت سے جو نفوس چھوڑ گئے۔

۱۹۴۶ء میں مولانا عثمانیؒ اور محمد کبیر حضرت سید امین الحق علی عظمیٰ علیہ السلام تحریک پر سلطان ابن سعود نے عد معظمر میں اولین مؤتمر عام اسلامی کا انعقاد کیا۔ مؤتمر میں دنیا بھر کے اکابر اور علماء شریک تھے۔ ہندوستان سے مولانا سید سلیمان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ، مولانا عبدالعظیم، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی شریک تھے۔ اسلامی دنیا کے اکابر میں مولانا عثمانیؒ اپنے علم و فضل اور خطابت سے بڑا مقام حاصل کیا۔ مولانا کی عربی خطابت کے ۶۰ ویں کھلے اور انہیں مؤتمر کے بہترین خطیبوں میں شمار کیا گیا۔

حقیقۂ اصغر کے الفاظ سے یا فرماتے ہیں۔ مصر تشریف لے گئے تو وہاں شیخ محمد زاہدؒ کی خدمت میں حضرت عثمانؒ کی طرف سے "فتح السلام" کی دو جلدیں بھیجیں اور حضرت عثمانؒ کا تفصیلی تذکرہ ان سے کیا، شیخ کوثرؒ نے اس پر بڑی عمدہ تقریر لکھ دی۔ حضرت عثمانؒ کو شکریہ کا خط بھی لکھا "جو" انوار عثمانی " (ص ۸۱، ۸۲، ۸۳) میں ملتی ہے۔

چکا ہے۔

حضرت عثمانؒ کو آپ کے طالب علم کے زمانے ہی سے آپ سے کلمہ اقلین قلوب تھا۔ گذشتہ صفحات میں آپ حضرت عثمانؒ کی تحریر فرمودہ "سند اجازت" پڑھ چکے ہیں آپ کیسے تحریر فرمودہ "سند اجازت" میں آپ نے بارے میں لکھتے ہیں وہو لہی وادی ولا ادرک علی اللہ احدًا صالح . واحد . مسترشد . مستحب السیرۃ . جہد الفہم . ذو مناصبۃ قویۃ بالعلوم . مستعد لافترسہا . اس سے نقل تحریر فرماتے ہیں . فاجتہد واحتشد فی اکتساب علم السنۃ والعمول وسرع فیہ وطاقی القرائۃ ماشاء اللہ . چونکہ آپ سے مدت تک حضرت عثمانؒ کی صحبت میں کام کیا . اس لئے دونوں کے درمیان بڑا گہرا تعلق رہا اور حضرت عثمانؒ آپ سے ایسا معاذ فرماتے تھے جو ایک قلعہ رفیق و رہم عصر دوست سے کیا جاتا ہے حضرت بنوریؒ مصر کے طویل سفر سے واپس ہوئے حضرت عثمانؒ کو اپنی دعاؤں کی اطلاع دی . اس کے جواب میں حضرت عثمانؒ نے تحریر فرمایا

"بخدمت برادر محترم اداست مبارکم ، بعد سلام مستنون آنکہ محبت نامہ لکھا مسرور کیا . مع الخیر مراجعت وطن پر مبارکباد دیتا ہوں . مدت سے ملاقات کا شوق ہے . یوسف مصر سے ہندوستان تو آیا ، گجرات بھی انشاء اللہ پہنچ جائے گا . ہم کو آپ کی باتیں سے کتنا ہی شوق ہے . جتنے آپ کو سنا ہے . مگر خدا جانے کب ہمارا نمبر آئے ."

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں

"مجھے جو کچھ تعلق آپ کے ساتھ ہے، وہ خود آپ کو معلوم ہے، مجھے بہت سی علمی و تحقیقات آپ کی ذات سے ہیں۔ سس اہل دانش کے درس سے میری تہن پوری ہوئی۔ میں مدت سے چاہتا تھا کہ اس درجہ کا کوئی سبق آپ کے پاس ہو، الحمد للہ آپ کا درس مقبول ہے۔" (۱۳/۱۲/۱۳۵۸ھ)

ایک اور خط میں ۱۲/۱۲/۱۳۶۱ھ کو دوح بند سے لکھتے ہیں

"بے شک آپ کے کئی خطوط مجھے ملے، جواب میں حسبِ عادت تاخیر ہوئی، اور احقرم کے معاملات اور اکثر امور میں کاسٹل مالح ہوا۔ آپ نے ان ماموں آپ کی محبت قلب میں جاگزیں ہے اور ایسے دوستوں کا تعلق مایہ نذر سمجھتا ہوں۔"

ان چند اقتباسات سے دونوں حضرات کے قلبی تعلق اور باہمی اہمیت و محبت کا مدد ہو جاتا ہے، حضرت عثمانؓ مدت تک "جامعہ اسلامیہ ڈابھیل" رہے لیکن آخر میں مصروفیات و محوِ مرض کی بنا پر ڈابھیل کے بجائے مستقل طور پر دوح بند میں قیام رہا اور تقسیم شدہ بعد پاکستان میں شریف لے آئے۔

آپ کے بعد ڈابھیل میں آپ کے چائشین بھی حضرت بنوریؒ تھے، چنانچہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ "الحمد للہ کہ مجھے اپنے دونوں مشائخ (حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت عثمانؓ) کی چائشینی کی سعادت نصیب ہوئی۔"

حضرت بنوریؒ کو پاکستان جوانے کے محرک بھی حضرت عثمانؓ ہوئے، حضرت عثمانؓ نے آپ کو پاکستان کے نائب سفیر کی حیثیت سے عرب میں لے جانا چاہتے تھے مگر آپ اپنے مخصوص مزاج کی بنا پر کسی سرکاری عہدے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے ہند

حضرت عثمانؓ اور حضرت مدنیؒ کا یہی اختلاف شہرہ آفاق ہے جس کی شدت نے
 چوں گل بسیار شد چہاں بدخترند
 کا سا پیدا کرنا تھا۔ سو عقلمن تو معمولی بات تھی، بہت سے لوگوں نے سوء ادب
 کے مرتکب ہو کر اپنی عاقبت پر بادی کی لیکن یہ حضرت بخاریؒ کی سعادت و سلامتی فطرت اور
 عالی ظرفی تھی کہ اس طوفان میں بھی ان کے پائے استقامت کو غزش نہیں آئی۔ دو ایک
 طرف شیخ مدنیؒ کے عاشق و محبت رہے اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے محبوب و مقرب۔
 والد الک فصل اللہ بؤتیہ میں بشاء۔ (خود روایت بخاری نمبر)

اسلامی سیاست اور اس کے انقلابی خدوخال۔ از : مولانا عید اہتیم عثمانی

سیاست کا مفہوم اور اس کے مابین خدا و حال، مروجہ سیاست کی اصلاح اور دینی سیاست کی بے نی
 ضرورت، دینی و سیاسی جماعتوں کا کردار، قیادت کا انتخاب اور عراض، نظام تعلیم، سیاست کی
 شعبہ اولیٰ مغربی جمہوریت، برقیادہ نظام شریعت، اسلام ایک پائیدار نظریہ سیاست اور اخلاقی
 مابعدہ اخلاق، اسلامی سیاست اور اس کا طریقہ، اسلام کا حاشی نظام، سودی نظام اور اس کی
 معترضات معاشی، مالیاتی، بینکار، حوالہ و برس کا تسلسلہ جدید، مگر چھوٹے ادارہ میں
 نمایاں کیا گیا ہے۔ کئی تجویز، اور کئی محسوسات سے متعلق ایک تاریخی دستاویز، ایک انقلابی تحریر جو
 سیاست ادب، محسوسات تاریخی اور سیاسی کو دلوں میں تاریخی ہے، ہر لکھے پڑھے مسلمان اور عہدید
 کی جدوجہد کرنے والے کی حوصلہاں ملے کے لئے اس کا مطالعہ روش مستقبل کی ضمانت ہے۔ محمد
 کتابت، شہنشاہ جماعت، مسموطہ جدید بنی۔

قیمت 150 روپے

صفحات 304

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، پرنٹنگ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ



باب : ۳

اوصاف و کمالات

پاکستان کے شیخ الاسلام

بیسویں صدی عیسوی میں بعض ہمہ گیر اور بول انگیز تحریکوں کے نتیجے میں جہاں برہمن، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں نے غیروں کے پنجہ استبداد سے آزادی حاصل کی، وہاں کچھ نئے آزاد ملک بھی معرض وجود میں آئے۔ ان تحریکوں میں بعض وجود کی بناء پر تحریک پاکستان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس تحریک میں علماء کرام کا کردار ایک ایسا موضوع ہے جس پر بڑی تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ سردست ہمارا مقاصد یہ ہے کہ اس تحریک کی ابتدا میں جہاں برہمن کو چک کے علماء کرام کے ایک گروہ نے اس تحریک کی ابتدا میں مخالفت کی وہاں مختلف مکاتب فکر کے بہت سے علماء کرام نے اس تحریک کی حمایت میں اپنی جانیں لڑ دیں۔

یہ انہی علماء کرام کی شانہ روز مساعی کا نتیجہ تھا کہ مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان صوبہ مسلمانان ہند کا مطالبہ بن گیا، جس کے لئے انہوں نے سر دھڑ کی باری لگا دی۔ یہاں تک کہ ۲۳ اگست ۱۹۴۷ء کو ”لے کے رہیں پاکستان“، ”ہن کے رہے گا پاکستان“ کے نعرے حقیقت کے قاسب میں ڈھل گئے اور مملکت خدا داد پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قائد اعظم کو ان کی خدمات کا اعتراف تھا اور وہ ان کے بے حد عزت کرتے تھے۔ ان علماء کرام میں سب سے فعال، نمایاں و مؤثر کردار علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا تھا۔ علامہ موصوف

علم و عمل، زہد و تقویٰ، انکسار و تواضع، بیخبر اور جاہلیت کے پیکر جمیل تھے۔ وہ اپنی علوم میں ایک مگر ناپیدا کن رہتے۔ تفسیر حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔ اسی طرح فروعی اور فقہی مسائل میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ تمام علوم و ادیان میں ان کو اختیار حاصل تھا کہ ان کو مولانا محمد قاسم نانوتوی، مفتی دارالعلوم کے علوم و معارف پر پورا استواء تھا، حالانکہ مولانا موصوف کے مصداق نہایت عاصم، دقیق اور مشکل ہوتے تھے۔ علامہ سید سیدان ندوی کے بقول علامہ شبیر احمد ان مضامین کی تعبیر و تفہیم ایسے آسان پیرائے میں کرتے تھے کہ وہ دلنشین ہو جاتے تھے۔

(دارالافتاء ترجمہ مولانا شبیر احمد عثمانی)

دوسرے کمالات علمی کے علاوہ علامہ شبیر احمد تقریر و خطابت میں بھی غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے۔ علامہ سید سیدان ندوی کا بیان ہے کہ

”مولانا شبیر احمد صاحب بڑے حلیب و مقرر تھے۔ عامانہ استدلال کے ساتھ بڑے دلچسپ تھے اور لطیف بھی بیان کرتے تھے۔ جس سے اہل محفل کو بڑی دلچسپی ہوتی تھی اور طریقانہ فقرے اس طرح ادا کرتے تھے کہ خواہش جتنے تھے مگر دوسروں کو ہنسا دیتے تھے۔ ان کی تقریروں میں کافی دلائل بھی ہوتے تھے اور یہی علمی، تبلیغی اور داعیانہ ہر قسم کے بیان پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت، لطافت اور بڑے گوئی ان کی تقریروں سے نمایاں ہوتی تھی۔ کبر کے طریقانہ و فلسفیانہ شعران کو بہت یاد تھے اور وہ ان کو اپنی تقریروں میں عمدگی سے کہتے تھے۔“ (دارالکتاب ص ۶۴)

مولانا ابوالقادی نے علامہ موصوف کی وفات پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے اس کی تقریر و خطابت سے بارے میں یوں اظہار کیا

”علامہ شبیر احمد عثمانی کا انداز تقریر بے حدود دلنشین و راز انگیز تھا۔ اردو، شیراز، ہندوستان، فیضیت کی تقریر میں ہر شے والے کو محسوس ہوتی۔

ہاروس دو باتیں، ہماوٹ، ٹکلف اور آورد سے دو راودہ ستائش حاصل کرنے
پہلے سامعین کے جذبات سے وہ کہتے بلکہ شروع سے اخیر تک تقریر میں
تورامناٹ کا سلسلہ قائم رہتا۔ اکبر اور آبادی کے شعار نہایت سلیقہ کے
ساتھ استعمال فرماتے اور ان کی باریکیوں اور حکیمانہ نکتوں کی شرح بھی کرتے
ہاتے۔ علامہ کی تقریریں مگر منقذہ کر لی جاتیں تو علم و ادب کا یہ بہت بڑا
رہا یہ ہوتا۔" (قاری کراچی پریس، ۱۹۵۰ء)

مختصر یہ کہ علامہ شبیر احمد کو اللہ تعالیٰ نے تقریر و خطابت کی جو غیر معمولی صلاحیتیں
دی تھیں، انہوں نے دو سبب تحریک پاکستان کی کامیابی کے لئے وقف کر دیں۔ ان کے
بہ خصوص پاکستان کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس خطہ ارض میں اسلام سر بلند اور زندگی کے
نئے میں کار فرما ہو۔ یوں مسلمان دنیا پر ثابت کر سکیں کہ اسلام اور حاملین اسلام کا غلبہ و
تقدیم انسانی کے لئے کن کن لمحوں و برکات اور کسی کیسی کامرانیوں اور خوشحالیوں کا
سبب ہوتا ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ علامہ موصوف اور ان کے ہم خیال علماء
اسی مقصد، نظریہ پاکستان کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہی نظریہ جمہور اسلامیوں ہند نے
انڈیا راسی کی بنیاد پر پاکستان کا ملک دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ اگر کوئی برخود غلط فہم قیام
ان کے مقصد کچھ اور بیان کرتا ہے تو وہ شرمناک کذب بیان کا ارتکاب کرتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی "۱۳۰۵ھ ۱۸۸۷ء میں بھارت کے صوبہ یوپی کے مشہور شہر
آگرہ میں ایک خوشحال دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام فضل الرحمن عثمانی تھا
جو تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے اور ایک جید عالم دین ہونے کے
ساتھ ساتھ اردو کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے دہلی کالج کے نامور عالم دین استاد
محمد رفیع صاحب (متوفی ۱۲۶۷ھ ۱۸۵۵ء) سے تعلیم پائی تھی۔ ان کے دور کے حدود
تقریباً ۱۸۵۰ء سے ۱۸۸۰ء تک تھے۔ ان میں مولانا محمد قاسم

ناٹوٹوئی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب ناٹوٹوئی اور مولانا محمد مظہر صدیقی
مظاہر العلوم کے اساتذہ کرام کی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی
مولانا محمد قاسم ناٹوٹوئی، کے ساتھ مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ کا نام بھی بیان کیا جاتا ہے
دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے آخر تک زکین رہے۔ مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ ۱۹۵۵ء

۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین سعادت مند فرزند چھوڑے۔ (۱) امیر
عزیز الرحمنؒ، (مولانا) حبیب الرحمنؒ اور (علامہ) شبیر احمدؒ۔ یہ تینوں فرزند چھوڑے
آسمان علم و فضل پر آفتاب بن کر چمکے اور برکات کو چمک کے یگانہ روزگار علامہ بن گئے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے دینی تعلیم کی تفصیل کا آغاز ۷۷ سال کی عمر میں
۱۳۳۵ھ، ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ اس وقت کے

مدرسے میں سال کی تھی۔ دارالعلوم میں ان کا شارح البند مولانا محمود حسنؒ کے ارشد تلامذہ میں
تھا۔ شیخ البند کے دست حق پرست پر انہوں نے بیعت بھی کر لی تھی۔ تکمیل علوم کے بعد
دہلی کے مشہور مدرسہ فتح پوری میں مدرسہ مدرس مقرر ہوئے لیکن تین سال کے بعد ہی
وہاں سے دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا، یہاں وہ عرصہ تک درجہ علیا کی مختلف تدریس
پڑھاتے رہے۔ اس زمانے میں اس کے درس صحیح مسلم کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اس

علامہ ان کو مولانا قاسم ناٹوٹوئی کے علوم کے شائق کی حیثیت سے منفرد مقام حاصل ہوا
۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۰ء میں علامہ شبیر احمدؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمنؒ، مولانا

احمدؒ اور کچھ دوسرے علماء دارالعلوم دیوبند کو چھوڑ کر ڈابھیل (ضلع سورت، گجرات
کا ضلع) تشریف لے گئے۔ وہاں پہلے سے ایک مدرسہ جامعہ اسلامیہ کے نام سے قائم
تھا۔ یہ مدرسہ معمولی سا تھا، ایت اس کی عمارت اچھی خاصی تھی۔ مولانا سید سلیمان

کامیاب ہے کہ مولانا انور شاہؒ، مولانا شبیر احمدؒ اور مولانا سراج احمدؒ وغیرہ نے یہاں

چند سال تک زور و شور سے ان صاحبوں کا درس وہاں جاری رہا۔ (یاد رکھیں)
 مولانا اور شاہ کشمیری کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء میں علامہ شبیر احمد
 صاحب مدظلہ اجمیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۳ھ ۱۹۳۵ء میں وہ اپنی مادر علمی
 دیوبند میں واپس تشریف لے آئے۔ ان کو واپس لانے میں مولانا اشرف علی تھانوی
 جس دورے اکابر دیوبند کی مساعی کا بڑا دخل تھا۔ وہ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی
 بیت سے ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء تک کام کرتے رہے۔ اس دوران میں جامعہ اسلامیہ اجمیل
 میں بھی ترقی کا نام رہا۔

۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے درمیان متحدہ قومیت کے
 پر شدید سیاسی خلاف پیدا ہو گئے۔ بالفاظ دیگر کانگریس اور مسلم لیگ تحریکات میں
 اختلاف ہو گیا۔ اس سلسلے میں دارالعلوم میں بعض ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔ ان کے
 نتیجے میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے منصب سے مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد وہ پوری قوت
 سے متحدہ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت میں سرگرم عمل ہو گئے۔ اس سے پہلے بھی وہ
 ان سیاست میں مختلف حیثیتوں میں اہم کردار ادا کر چکے تھے۔ کوئی پچیس تیس سال
 کے اختلاف کینہی کے اہم رکن رہ چکے تھے اور جنگ بنگالہ کے زمانے میں انہوں نے
 پاکستان کو دینے چند جمع کرنے میں بڑی تک و دو کی تھی۔ اس کے بعد وہ ساہا سال تک
 پاکستان کی ہندو بھائی بھائی کے ذمہ رہے۔ ان کا شمار جمعیت کے چوٹی کے رہنماؤں
 میں آتا تھا۔ ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء میں سلطان ابن سعود (مرحوم) ولی عہد نے مکہ معظمہ میں
 اسلامی کانفرنس بلائی تھی۔ اس کانفرنس میں جمیع اہل ہند کی طرف سے جو
 شخصیات اس میں علامہ شبیر احمدؒ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے وفد کی ہدایات

سے طاقت کے موقع پر عربی زبان میں نہایت مؤثر اور شہرت تقریر کی جس میں اکابر دین کے عقائد اور فقہی مسلک کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ سلطان بڑی حد تک یہ لوجہ کے ساتھ سنتے رہے۔

دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد علامہ موصوف نظریاتی اختلاف کی بنا پر جمعیت العلماء ہند سے جی الگ ہو گئے اور تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حامی جمعیۃ العلماء اسلام میں شامل ہو گئے۔ اس جمعیت میں تحریک پاکستان کے حامی علماء و مشائخ کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۶ء میں علامہ شبیر احمد جمعیتۃ العلماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جمعیتۃ العلماء اسلام نے علامہ شبیر احمد صاحب کی قیادت میں تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کیلئے جو بے مثال جدوجہد کی، اس کا قائد عظیم کے مشن کو بے حد تقویت پہنچائی اور اس تحریک کو ایک سیاسی مسئلہ ہی نہیں بلکہ کی حمایت کو جمہور سلامیان ہند کے لئے ایک ملی اور دینی فریضہ بنا دیا۔ قائد اعظم کے ذاتی حیثیت میں بھی اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے بھی علامہ شبیر احمد کے کردار و کردار اور تادم آفران کی ملی خدمات کے معترف اور مداح رہے۔

۱۹۴۶ء میں ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کا انتخاب ہوا تو علامہ شبیر احمد صاحب کی طرف سے مسلم لیگ کے پیٹ فارم پر اس کے رکن منتخب ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد ان مشرقی پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے پاکستان کی مجلس دستور ساز کا رکن منتخب ہوئے اور پھر مشرقی دستور کمیٹی کا صدر مقرر کیا گیا۔

علامہ موصوف قیام پاکستان سے چند دن پہلے رمضان مبارک ۱۳۶۶ھ میں آئے اور کراچی میں مقیم ہوئے۔

۱۳۶۶ء مطابق ۱۴
۱۹۴۷ء کو مملکت خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو ان کے ایماء پر پاکستان کا قومی
پرچم سب سے پہلے علامہ شبیر احمد عثمانی نے لہرایا۔

یہ سعادت بزرگ و بار و نیست
نات بخشد خدایے بخشندہ

فی الحقیقت اس سعادت میں کوئی ور علامہ شبیر احمد عثمانی کا شریک و ہمیر نہیں۔

علامہ موصوف نے کراچی پہنچ کر کوئی سرکاری عہدہ حاصل نہیں کیا حالانکہ وہ
بڑے بڑا عہدہ آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے تھے۔ تاہم دینی معاملات میں رہا
تو رکے نزدیک ان کی حیثیت شبیر خاص کی تھی اسی لئے وہ عوام الناس میں ”شیخ الاسلام“
کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے جو اسلامی حکومتوں میں باوجود قاضی القضاۃ (چیف جسٹس)
کا لقب رہا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی ”حقیقی معنوں میں ایک درویش صفت انسان تھے۔ سانس بجمد
رہا اور معصومی ہوتا تھا۔ رہنے سہنے کا انداز بھی نہایت سادہ اور تکلفات سے پاک تھا۔
پاکستان آ کر انہوں نے اپنا کوئی گھر بنا دیا کسی کی، ان کی کوٹھی پر قبضہ کیا اور نہ کوئی بنگلہ اپنے
نام پر یا بلکہ ایک مخلص عقیدت مند کے مکان میں رہے، یہاں تک کہ سو دو سال بعد
مقامی قبیلے کے حضور پہنچ گئے۔ ۱۹۲۸ء کی اس مختصر مدت میں علامہ موصوف کی تمام عمر میں
کراچی، پاکستان میں ان کی اصل مکاں نہ رہی۔ فی الحقیقت پاکستان کی حکومت کو قراقرم، بلتستان
اور خیبر پختونخوا پر ”اسلامی حکومت“ بنانا ان کا مقصد حیات تھا۔ پاکستان کی دستور ساز
کمیٹی وقت و مقام صد مشکور رہے کی جو سعادت نصیب ہوئی، اس میں جس دینی جماعتوں
کی جدوجہد کے ساتھ علامہ موصوف کی مساعی کا بھی چھٹل دخل تھا۔ وہ حکومت کے غلط
کاروں پر اور پارلیمانی حکومت کو براہِ برکتوں سے رہتے تھے اور اس معاملے میں کسی مصلحت یا مصلحت

سے کبھی کام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کو ریڈیو پاکستان سے جو تقریر کی وہ ان کے مقصد حیات اور احساسات کی آئینہ دار تھی۔ یہ تقریر جس کا ایک ایک لفظ پاکستان کی عکاسی کرتا ہے، اس کا پورا متن ملاحظہ کیجئے

”لقد پاک کی اس کرم مشتری اور نعت بخشی کا کس زبان سے شکر دیا جائے کہ اس نے ہمیں صدیوں کی محکومی سے نجات دی اور طرح طرح کی حامیوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر فرما کر محض اپنے فضل و رحمت سے ہمیں ایک خطہ زمین پر مختار بخشا اور موقع دیا کہ ہم اپنی وہ دیرینہ آرزوئیں پوری کر سکیں جو سلام کو سر بلند اور زندگی کے ہر شعبہ میں کار فرما دیکھے اور دنیا پر یہ ثابت کرے کہ سنے ہمارے دلوں میں سو جزن رہی ہیں کہ سلام اور حاصلین اسلام کا عہد و اقدار عالم انسانی کے لئے کن کن فوہوس و برکات اور کبھی کبھی کامرانوں اور خوش حالیوں کا حامل ہوتا ہے۔

بخشی نظام ۱۰ سال کے عہد سے آج پورے بارہ مہینے ہوئے کہ ہم انہیں کے تسلط سے آزاد ہو گئے اور دنیا کی سب سے بڑی (اسلامی) مملکت کے حق رو کا فرما قرار پائے۔ اس حصول آزادی نے وہ تمام بیرونی رکاوٹیں دور کر دیں جو زندگی کے کم از کم اجتماعی شعبوں میں ہماری اس راہ میں حائل تھیں جس پر چل کر ہم نے صرف دینے اسلام کے سامنے بلکہ سارے عالم کے سامنے ایک ایسے معاشرہ اور ایسی مثالی مملکت کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں جس میں وجل و فریب کی جگہ صدق و صدا، عہد و خیانت کی جگہ پاس عہد و مانت، توام پرستی کی جگہ حق گوئی، ظلم و جبر کی جگہ ایمان و ایمان کی کار فرمائی ہو، جہاں اعدائی، انتشار و ہوس رانی کی جگہ ضبط نفس و پاکیزگی کا دور دورہ ہو،

جہاں اقتصادی چیمبر دستیوں کی جگہ معاشی توازن ہو، جہاں زیر دست ہاں دستیوں کے ظلم و ستم کے خوف سے ماسوں ہوں جہاں مخلوق کی گردنیں مخلوق کی غلامی سے آزاد ہوں۔ جہاں نیکی کی قوتوں کو ابھرنے، چپنے اور فروغ پانے کیلئے سارے ماحول کو ميسر آ سکے۔ جہاں بدی کے سرچشمے بے آب ہو کر خشک ہو جائیں۔ جہاں کا ہر وفادار باشندہ بدلی ظلمت و سب و ملت اور بدلہ تفریق نسل و رنگ پر محسوس کرے کہ امن و آشتی، عدل و انصاف، آزادی، ضمیر، احترام انسانیت، تحفظ جان و مال اور بقائے ملک و ماسوں کے لئے صفحہ ہستی پر اس سے بہتر خط ميسر نہیں۔

فرمیدے پاکستان کی شکل میں ہمیں ایک خطرہ بین اس جست ارضی کی تعمیر و تشکیل اور اس فرائض منصبی کی انجام دہی کے لئے مل گیا ہے جو ہم پر خیر، ماسوں نے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں کہ ہم چھائیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔ اگر اس نعمت کی چھی قدر غاسی اور اس عطا پر چھی شکر گزاری میں ہم کوتاہی کریں تو ایسا کفران نعمت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے وبال سے محفوظ رکھے اور اگر ہم نے اس کے بقاء و استحکام یا اس کے صحیح استعمال سے غفلت برتی تو یہ ہماری کھلی ہوئی بدبختی ہوگی۔ بارگاہ وحدت میں جہاں سے ہمیں نعمت ملی ہے، شکر گزاری کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ جس مالک ملک اور حاکم حقیقی نے ہمیں اپنے نائب، امین کی حیثیت سے یہ امانت سپرد کی ہے، اسی کی منشاء و مرضی کے مطابق ہم اس پر تصرف کریں اور اس کے پیشہ سے ہونے والے معیار پر پورے اترنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جائیں۔

”خیر (شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر محمد صاحب عثمانی) اور یو یو پاکستان فرہنگی موقع مہا

علامہ شبیر احمد کی اس تقریر کو پڑھ کر کوئی بد بخت ہی یہ بہہ سکتا ہے کہ قیام
کا مقصد نظامِ اسلام کے نفاذ کے سوا کچھ اور تھا۔ علامہ کی حق گوئی کی یہ شہادت قیام
دفتر آراء باغ کرچی میں منعقد ہونے والے ایک بہت بڑے جلسے میں تہ
ہوئے فرمایا۔

”آخر حکومت محمد پڑھو جو اہر کی بادش کردے تو بھی کسی خلافِ اسلام فعل
میں اس کی ذمہ داری تائید نہ کروں گا اور اگر پبلک میرا سہ کالا کرے اور مدد
پرچہ ہا کر شیر کی گلیوں میں میری تشہیر کرے تو اس وقت بھی حق و صلہ قتل
راہ سے نہ ہٹوں گا۔“ (ماہنامہ قاری، ۱۹۵۰ء، ۱۰ جنوری)

قائد اعظم کے نزدیک علامہ شبیر احمد کا جو مقام و مرتبہ تھا اس کا اندازہ
سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے تحریری وصیت کی کہ ان کی وفات کے بعد اس کا جنازہ
شبیر احمد عثمانی پڑھائیں گے۔ چنانچہ جب ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم نے وفات پائی
دوسرے دن علامہ موصوف علی نے کئی سال کے مجمع کی امامت کرتے ہوئے
جنازہ پڑھائی۔ اسی زمانے میں علامہ پر فاضل کا حملہ ہوا اگرچہ یہ حملہ شدید نہیں تھا چرچہ
نے ان کے جسمانی قومی پر یہ اثر ڈال۔

اسی عدت کے سبب وہ خیرنگالی کے اس وفد میں شامل نہ ہو سکے جو ۱۹۴۹ء
تحت مقدس چارہا تھا۔ ان کی جگہ حکومت نے مجبوراً مولانا ظفر احمد تھانوی کو وفد میں
کیا۔ تاہم علامہ نے اپنے مقامی (یا مدرونی ملک) جمہوریت و ملی دہ دار پورہ
میں کوئی خلل نہ آنے دیا۔ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ یقیناً قادیان کا
جب سارے ملک کو سخت سردی نے پٹی لپیٹ میں لے رکھا تھا، علامہ کو بہار لیپور
بہار لیپور جانے کی تقریب یہ سوئی کہ وہاں کی قدیم دینی درسگاہ جامعہ عباسیہ کے

سے بجا کر لیا ہوا گیا تھا۔ اس کی اصلاح و ترقی اور مشورے کے لئے بہاولپور کی وزارت
سے حکام کو بہاولپور آنے کی دعوت دی جو اسوں نے قبول کر لی۔

بدھ ۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو کراچی سے بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۹ء
صبح ایک طبیعت بگاڑ پر ٹھیک معلوم ہوتی تھی، لیکن انہوں نے خلاف معمول ایک
سے دو پیمیاں چائے پی اور فرمایا کہ رات کچھ حرارت رہی۔ اسی وقت ڈاکٹر کو طلب کیا
جس نے بہت خفیف حرارت بتائی اور دوا دے دی۔ دس بجے کے قریب سینہ میں
مردم خیراہٹ محسوس ہوئی۔ دوبارہ ڈاکٹر کو بلا دیا گیا۔ نبض کی رفتار اس وقت طبی رفتار
قدر سے سست تھی۔ اب ایک طبیب اور دوسرے ڈاکٹر کو بلا دیا گیا۔ چارپائی اچھل دینے
پس ڈوق چلی گئی۔ آخر گھر پہنچ کر پچاس منٹ پر بیتا آپ عمر و فضل غروب ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

میت اسی روز شام کو فرین کے ذریعے بہاولپور سے کراچی روانہ کر دی گئی۔ ذریعہ
بہ صاحب، احمد پور شرقیہ کے اسٹیشن پر صادق محمد خان نواب صاحب بہاولپور نے میت
فرماست کی اور تنہائی دکھ اور صدمے کا اظہار کیا۔ کراچی کے اسٹیشن پر ہزاروں کے
مجمع سے میت کو اتارا اور پیسے مرحوم کی قیام گاہ وقوع محمد علی روڈ پر لائے۔ اس کے
ساتھ ہی عدل کاٹنی میں قبر تیار ہوئی۔ جنازے میں لاکھوں لوگ انگلیار آنکھوں کے
شیشے تھے اور تابوت کو کاندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے
تھیں۔ مولانا مبراہ اللہ دینی اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلامی وفات کے بعد ان کے یوں عام
سے تعزیت اور راسخلی اور ان کی ہر دلعزیر کی کو اور بڑھا دیا۔ اسی نسبت سے آخرت
میں درجات میں ترقی اور بلندی نصیب ہوگی۔

علامہ مرحوم نے اپنے پیچھے کوئی مسمیٰ اولاد نہیں چھوڑی، البتہ شاگردوں کی صورت
میں اولاد دیکھ کر وہ کی تعداد میں چھوڑی۔ ان میں سے بیشتر کو دیوبند اور ڈابھیل میں

ان سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ ان میں سے بعض اپنے وقت کے نامزد روزگار علماء و شہداء تھے۔ کچھ کے کما سناہ گرامی یہ ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ایوب لاکڑ، محمد حبیب الرحمن اعظمی۔

کثیر التعداد شاگردوں کے علاوہ علامہ شبیر احمد نے چند عظیم علمی یادگاریں بھی اپنے پیچھے چھوڑیں، ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

علم الکلام، العقول و العقول، اعجاز القرآن، حجاب شرعی، حجاب لرحیم انقلاب المرتاب، شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر تفسیری حواشی اور فوائد، فتح المسلمین (شرح صحیح مسلم متعدد جلدوں میں) اس کے علاوہ بھی متعدد چھوٹے چھوٹے رسائل اور مضامین ان کی تصنیف ہیں، علمی یادگاروں میں شامل ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر علامہ کے حواشی کی عمدہ تشریف کی ہے اور لکھا ہے کہ

”ان کے حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دل نشیں کرنے کیلئے ان کی قوتِ تفہیم حدِ بیان سے بالا ہے۔ ان حواشی کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومت افغانستان نے اپنے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہند کے ترجمہ اور مولانا شبیر احمد صاحب کے حواشی کو افغانی مسلمانوں کے فائدہ کے لئے فارسی میں ترجمہ کر کے پھپھپا ہے۔“ (یادِ نظام)

تحریر ! حضرت مولانا سید جمال احمد ہالاکوٹی صاحب

اسلام کا درخشندہ آفتاب

ماضی قریب میں عالم اسلام کی جن چند ہستیوں کی دینی بصیرت اور علمی رسوخ پر
ہماری یاد کی جاتی تھی، بلاشبہ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے ایک تھے۔
مولانا عثمانیؒ دورانِ تقریر جب حقیقتوں کو دلیلوں اور مثالوں سے سمجھانے اور منوانے کی
کوشش کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ غیب اب شاید غیب نہیں رہے گا۔ بلکہ شہود بن کر سامنے
آجائے گا۔ (مترکال)

مکی مسجد حیدر آباد دکن 1928ء میں جب مولانا کا بیان ہوا تو میر عثمان علی دکن
نیرت سے علامہ موصوف کا چہرہ نکلتے رہ گئے۔

1924ء میں شام حجاز ابن سعود نے آپ کا بیان سنا تو بے حد متاثر ہوئے اور
فرمانے لگے کہ اس کے علم میں بہت وسعت اور ان کے خیالات میں بہت رفعت ہے۔
علامہ موصوف پاکستان و ہندوستان کے ان شعلہ مقال مقررین میں سے تھے جو تقریر کے
دوران سامعین کے دلوں پر چاندو کرتے تھے، کسی کی کیا مجال تھی کہ دورانِ تقریر اٹھ کر چلا
جائے، اس کی تقریر اتنی مؤثر ہوتی تھی کہ جسمانی مشین کے پرزوں کو عمل کے لئے متحرک
رہنے کا پورا کرکٹ چھوڑ دیتی، جس سے سامعین کا شوق اور زیادہ ہو جاتا، ان کی طاقت
سانی اور فصاحت لعلی اور بلا غیب معانی پر دلِ قربان ہونے کو چاہتا تھا۔

قدرت نے جہاں اس کی ذات میں وہانت اور عظامت و دیانت کی تھی وہاں یہ عقلی سے ہی تقریر کے ذوق کے ساتھ تحریر کا شوق بھی ان کے پہلو میں کروٹیں بدلا رہا۔ ان کا برین کی نظر میں ان کی عقلی لیاقت تحریر و تقریر کے اوصاف کھلے جا رہے تھے۔ محقق اور اس حضرت علامہ موصوف کے بے مثل ذکاوت، بے مثل تحریر، عجیب و غریب حافظہ سلاست غلبہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج اس میں تاثر کر سکے۔

قدرت قدیرہ نے علامہ موصوف کی توجہ تحمیل فوائد ازالہ مغلطات کی طرف متعطف فرما کر عالم اسلام اور بالخصوص اہل ہند کے لئے عظیم العظیم جہد باعزت و تکرار کی ہے۔ تفسیر عثمانی نے بہت سی عظیم ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندر کو کوڑے میں بھر دیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان کے تصنیفی اور علمی مال و نمونہ اور وہ میں ان کے قرآنی حواشی ہیں جو حضرت شیخ ہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن مجیدی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دلچسپی کرنے کیلئے ان کی قوت و تضییع حد بیان سے بالاتر ہے۔ (سورف ص ۱۹۵)

مولانا محمد میاں نے تو آپ کو صاف طور پر قاسم عثمانی کے لقب سے یاد کیا ہے۔ علامہ عثمانی کے تفسیری فوائد کے متعلق لکھتے ہیں، تفسیر ایک ایسے بحر عالم نے نکلی ہے جن کے متعلق مسلمانان ہند کا صحیح علم یہ ہے کہ فہم قرآن غور و فکر سلاست کلام و لہجہ کی تحریر و پڑھائی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ یعنی شیخنا استاذنا مفسر اعظم قاسم عثمانی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی۔

مولانا موصوف نے تقریر و تحریر کے ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ 37 سال تک سندھ رییس پر جلوہ افروز رہے۔ جہاں علامہ موصوف اپنی مذہبی خدمات میں اپنی عمر کو گزارا، وہاں ان کی ملکی سیاسی خدمات اور آزادی ہند کی دینی اور بالخصوص مسلمانوں کو سیاسی راہ بتانے میں بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ 1912ء سے 1918ء تک تحریک

حکومت میں بڑا کام کیا۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے ممبر ہونے کے نام طے قرار دیا
مقامی مددگار بھی ملے۔ مٹانی کے سر رہا۔

فہم تفسیر میں کمال پرآپ زبردست شاہکار قرآن حکیم کے وہ تفسیری فوائد ہیں جو
جنوبی ایشیا میں لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر فروخت ہوئے۔ ذیل میں چند مشہور تفسیری
نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

ختم نبوت کے بارے میں سورۃ ال عمران کے رکوع نمبر 8، آیت نمبر 85 میں
لکھتے ہیں اور جو کوئی چاہے سوائے دین اسلام کے اور کوئی دین تو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔
تفسیر یعنی خدا کا دین اسلام اپنی مکمل صورت میں آج پہنچا تو کوئی جھوٹا یا نامکمل دین تمہیں نہیں
دیا جاسکتا۔ طلوع آفتاب کے بعد مٹی کے چراغ جلا نا یا گیس بجلی اور ستاروں کی روشنی تلاش
نہیں محض انوار کبھی حقیقت ہے۔ مقامی نبوتوں کا بدانتہا کا عہد گزر چکا ہے۔ اب سب سے
بڑی آفری عالم گیر نبوت و ہدایت سے ہی روشنی حاصل کرنی چاہئے کہ یہی تمام روشنیوں کا
خزانہ جس میں یہی تمام کا خزانہ جس میں یہی تمام روشنیوں کا غم ہو چکی ہیں۔

(صفحہ ۱۷۱ نمبر ۳)

طبی تحقیق شہد کے بارے میں فیہ شفاء الناس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بہت سی
بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے۔ جو باذن
اللہ مریضوں کیلئے شفا یابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کو دوست
آ رہے تھے، اس کا بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے
شہد پلانے کی رائے دی، شہد پلانے سے اسہال میں ترقی ہو گئی، اس نے پھر حاضر خدمت
ہوا کہ بہت زیادہ آنے لگے ہیں، فرمایا صدق اللہ و کذب الخبیث، کہ اللہ سچا
ہے، دوسرے سے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ پھر پلاؤ دوبارہ پلانے سے بھی وہی کیفیت ہوئی تو

آپ نے پھر وی فرمایا، آخر تیری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے، طبیعت صاف ہو گئی۔

اطباء نے اپنے اصولوں کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات ہیٹ میں کیوس فاسد ہوتا ہے جو ہیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک قدر اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے۔ اس لئے دست سے ہیں، اس کا علاج یہی ہے کہ مسہلات دی جائیں، تاکہ کیوس فاسد خارج ہو، شہدے مسکین ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ حضور ﷺ کا مشورہ اسی طبی اصل کے موافق تھا۔

ماسون رشید کے زمانہ میں شہرہ یعنی کوجب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانہ کے شاہی طبیب یحییٰ بن یحییٰ نے سہل سے اس کا علاج کیا اور یہی وجہ تھی۔ آج اطباء رشید کے استعمال کو اصطلاح بطن کے علاج میں بے حد مفید مانتے ہیں۔

سکھول معرفت (مجلہ)

از ۱ مول غلظت یوم محتانی

شیخ الفخیر مولانا محمد علی لاہوری کے غلیظہ اہل معروفہ سے کہ اور عقیم روحانی پیشوا حضرت
مولانا کاظمی مجدد ہدایتی اور ائمہ فقہاء (تک) کے کہ مقتدر اور قبیح مکتاہیب کا مجسمہ ہو چاکی پر
سال تک مولانا عبد القیوم حقانی کے نام لکھے جاتے رہے اور جن میں شریعت و طریقت سمیت
عمل میں دونوں کی فحاشی مشکوکات میں بحالت کی وہ مختلف اوقات کے مسطور احاطہ صحت
قدحیہ میں کی جاتے۔ دوسریں مسجد کناور کا تہذیب اور رنگی کے مختلف میدانوں میں کامیاب
کے استوار کی نشاندہی کی ہے جس میں مولانا عبد القیوم حقانی سے سوا اس عنوانات جس میں
اور مسجد کناور نے ساتھ تہذیب و ادب ہے۔

ملاحظات 467 قیمت 180 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہؓ پرائمری پوسٹ آفس حاق آباد، ضلع نوشہرہ

عثمانی خلوص کے تابندہ نقوش

احسان دانش شاعر و دانشور، ادیب اور صاحبِ فکر و فکر تھے۔ مضامین کے نگار کے ہاں صوفی
ان کی مختصر تحریر میں ملی وادلی ہائیکین ہے، ہذا ذوقِ فارسی کیسے کیسے تھ ہے
(نور و)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

حضرت شیخ الہند کے شاگرد اور علمِ معاش و معاصر سے بالماں تھے، علمِ کام اور قلم سے
کے علاوہ منطق اور دیگر علومِ عقلیہ سے بھی بہرہ ور تھے۔ اپنی غیر معمولی ذہانت کے بل پر
صوفی قاسم کے شارح ہوئے، ذہن میں شیخ الفیض کے عہدے پر فائز ہے، مکتوبات
دار سے مسلم کی شرح کی جو اہل علم میں ناقابلِ فراموش کتاب ہے۔ حضرت شیخ الہند نے
تفسیر فیضانِ کونجی کے ساتھ شروع کیا تھا جس کی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تکمیل کی ہے
مناظر خطیب اور بے بدل سلف تھے۔ تبلیغ اور خطابت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے علوم کو
شرن وسط سے بیان فرماتے تھے۔ سیاسی شعور بلند اور قوتِ فیصلہ نہایت معتبر پائی تھی، ہنگی
محدثت کے تاریخِ حیات ان کی نظر میں تھے، کیونکہ حضرت شیخ الہند کی تحریکِ ریشمی رداس
میں بھی سرگرم کارکن تھے، یہی سبب تھا کہ سیاست کے معاملات میں چچی قلی رائے رکھتے
تھے، تنوعِ علم و ہند کی سرزمینوں میں بھی حصہ لیا اور آخر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے، ابو بند

علامہ شبیر احمد عثمانی قبر —

میں مدرس اور مسجد فتح پوری دہلی میں صدر مدرس کے فرائض انجام دیئے اور پھر اسی مدرسہ میں صدر مدرس ہو کر خدمات انجام دیں۔

آزادی ملک کے بعد ترکی وطن کر کے پاکستان آ گئے اور پارلیمنٹ میں ہو گئے۔ اسلامی قانون کے نفاذ میں سعی و تبلیغ کی اور قرارداد وفاق صدر پاس کر لی۔ پھر انھیں بالافتخار شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتا تھا۔

ایک سفر کے دوران میں بیہاد پور کے مقام پر وقات پائی اور کراچی میں مدفون ہوئے، مگر صریح عوام و خواص ان کا سوگ مناتے رہے اور اب تک ان کے حلوسے شہر تابندہ ہیں، مجھے ان کی کئی مجلسوں میں شریک ہونے کا فخر حاصل ہے، وہ میرے شاگرد و پیروں میں سے تھے، خدا انھیں غریق رحمت کرے۔ (آمین ثم آمین)

مولانا شبیر احمد جیسے عالم روز بروز پیدا نہیں ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ کانگریس میں سے مسلم لیگ میں آئے تھے، لیکن یہ تو اپنی اپنی بصیرت ہے۔ یہاں تک انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہے اور بے لوث و ذوق ہر شخص کی منزل دور اور طریق جستجو جدا ہے اور اسی طرح تمام کائنات میں یہ فطرت کے نمائندے اور قدر کے مہذبین پھیلے ہوئے ہیں، جس کو جس شعبہ حیات کی تلاش ہے، وہ اسی کا شاگرد و ترجمان بھی ہے اور اسی شعبے کی مخلوق بھی اسے میسر آ جاتی ہے۔

ایسے لوگوں کے ہاں اعتراف علم و کمال بھی ہوتا ہے اور مجر و اکساری بھی نیت اپنے سے عظیم قوت کے آگے جھکتا، احقر نے کرنا اور عقیدت مند ہو جانا ایک فطری جذبہ ہے جس کا مرکزی نقطہ حق بنی اور حق پسندی ہے، ہر چند کہ اس کے اعتراف و احقر سے جدا جدا ہیں لیکن تمام صورتوں کے پیچھے وہی ایک جذبہ کارفرما ہوتا ہے جسے ہم سب دروں بنی کا نام دیتے ہیں، کہیں حق پسندی کا لقب، مگر بات ایک ہی ہے اور نقطہ نظر و ذہن واحد اور اس کی تحقیق ہوتی ہے۔ (جہاں دانش)

بزمِ شیخ الہند کے گوہر تابدار

۱۸۵۷ء کا سال برصغیر پاک و ہند کے بے پناہ دلوں بالخصوص مسلمانوں کے لئے سی ہی المناک اور دردناک تھا کہ ان کی حکومت کھلی گئی۔ ان کی روایات کا خاتمہ کر دیا۔ ظالمانہ تدابیر کی گئیں اور ہر جہت پر ہند بالخصوص اہل علم کو نئی طرح مارا اور سوز کیا گیا۔ یہ حال بڑا خوشحال عہد نے بہت تہہ پاری، اور بہتر مستقبل کی تلاش کے لئے نئے سرے سے مرتب ہو گئے۔ اب کے فہموں نے تعلیم کا میدان منتخب کیا تاکہ اس کے ذریعہ جہاں اپنی روایت، علوم، کچھ اور تہذیب و ثقافت کا تحفظ ہو سکے، وہاں وحدت و اجتماعیت کا اہتمام بھی ہو سکے۔

اس مقصد کے لئے دو زیر دست علمی تحریکیں سامنے آئیں، جن میں سے ایک کا غلط نام دارالعلوم دیوبند تھا تو دوسرے کا چاندی علوم علی گڑھ۔ یوپی کے مردم خیز ضلع اور قصبات میں ضلع بہار پور قصبہ دیوبند کی بڑی تاریخی اہمیت تھی۔ یہاں ایک مرد دانشور حاجی عابد حسین صاحب تھے، انہوں نے ایک کتب قائم کر رکھا تھا، اسی کتب نے جدوجہد کر جین الاقوامی حیثیت حاصل کی۔ اس کتب کو عظیم الشان علمی تحریک کا رنگ دینے کا سہرا دیوبند کے قریبی قصبہ نائوت کے ایک بڑے عالم کے سر ہے، جن کا نام محمد قاسم خان تھا۔ خواجہ محمد الاسلام قاسم العلوم والحقیرات کے عقیدت مند انہوں نے حقیقت پسندانہ لقب و

نام سے معروف ہیں۔

مولانا نافو قوی قدس سرہ کے ساتھ اس میدانِ عزم و ہمت میں جو لوگ شریعت تھے، ان میں ایک نام مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ کا تھا۔ مولانا فضل الرحمن عثمانی دہلی بندہ باقی تھے۔ نہایت فاضل انسان، اردو ادب کے ماہر اور مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ اسیل تھے لیکن اس میں سے تین صاحبزادوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

دہلی بندہ کی بین الاقوامی درسگاہ کے سب سے پہلے باقاعدہ مفتی مولانا مفتی الرحمن محمد دی تھیں جن کے والد کا عظیم الشان مجموعہ مطبوعہ کتب میں موجود ہے۔

مولانا حبیب الرحمن عثمانی جن کی اصابتِ رائے، سیاسی تدبیر، انتظامی صلاحیت اور تفصیلی اور تاریخی کمالات کا ایک زمانہ معترف ہے ایک عرصہ دارِ علمی دہلی بندہ میں رہے جو سب سے زیادہ وقار اور ذمہ دار منصب ہے۔

اور قیصر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، جن کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا۔

دہلی بندہ کے عثمانی شیوخ کے خالو ادوں میں اس خاندان کو بہ طور بڑی جبر حاصل تھی اور مولانا فضل الرحمن اور پھر ان کے ترائی سر تبت فرزند ان نے عاملانہ وقار، تدبیر عزم و ہمت اور اصابتِ رائے سے خاندانی عظمت کو چار چاند لگائے اور اپنے دور کے لئے وجد القاری بنے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جنہوں نے ۱۳ دسمبر ۱۹۳۹ء کو بخدا بہادری میں آخری سفر اختیار کیا اور ۱۳ دسمبر کو کراچی میں مدفون ہوئے، عظیم مفسر، محقق، عقائد، محکم، خطیب اور بہت کچھ تھے عربی کا مشہور شاعر۔

لیس علی اللہ بعمتہ کو ان یحییٰ العالم فی واحد

(اللہ تعالیٰ کے لئے یہ مشکل نہیں کہ ایک شخص کو مجموعہ کلمات و خوبی بنائے) پوری طرح صادق آتا ہے۔

دنیا کے ہر شعبہ میں "معاصرت" فتنہ کا سبب رہی، لیکن علمی دنیا میں اس نے
 زیادہ ہی کانٹے بکھیرے کسی علمی شخصیت کا معاصرین کی طرف سے اعتراف و عظمت
 معنوں پر تھی نہیں، اس حوالہ سے مولانا عثمانی بڑے ہی خوش قسمت ہیں کہ ان کے معاصرین
 نے ان کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور برملا ۱

مولانا کے معاصرین میں امام العصر مولانا سید انور شاہ کا نام نامی بڑا اہم ہے۔
 یہی دورِ برگِ عالم ہیں جن کی عظمت کا اعتراف قلمی شاعر علامہ اقبال نے فرخ دلی
 سے کیا شاہ صاحب اور مولانا یک ہی استاد کے شاگرد تھے یعنی امام حریت شیخ الہند
 مولانا محمود حسن پوری جماعت میں شاہ صاحب کو جو علمی برتری اور فضیلت حاصل
 تھی وہ مسلم ہے لیکن شاہ صاحب نے مولانا کو مرحوم کی عظیم الشان کتاب "فتح الہدیم" کے
 سند میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے مولانا کو علامہ مصر اور اپنے دورِ زمانہ کا محدث
 مصر اور عظیم لکھنا۔ (فتح الہدیم ج ۱ ص ۱۱)

امام العصر مولانا عبید اللہ سندھی کے نام 'کام و ادب' کی قربانوں سے ایک دنیا
 واقف ہے۔ انہوں نے فلسفہ ولی اللہی کی ترجمانی کا حق ادا کیا اور طویل عرصہ حریت و
 ان کے لئے جلا وطنی کی زندگی گزار دی۔ ایک مقام پر بعض افکار کے حوالہ سے سندھی و
 مثنوی سے درمیاں حساب کی غلطی بھی حائل ہوئی اور بہت شدید، لیکن ارباب صدق و صفا
 نے انہیں اور عداوتوں سے باوراء ہوتے ہیں۔

مولانا عثمانی کا ایک عظیم الشان مقالہ ہے جس کا عنوان ہے "روح القرآن"
 خواہ یہ قرآن عرب کا یہ مشکل ترین مسئلہ ہے۔ مولانا عثمانی نے جس خوبی و
 بصیرتی سے اس ادنیٰ اور مشکل مسئلہ پر قلم اٹھایا، اس کا عداغ مولانا سندھی کو قیاس نہ
 تھا۔ سندھی نے اس کوئی تو مولانا سندھی کے لکھے "اس" کا ایک ایک لفظ میرے لئے

نہایت بصیرت فرور ثابت ہوا۔ اس مشکل مسئلہ کو اس قدر آسان بنایا کرتے تھے کہ ہر قدر میرا دل دے۔ ہے اس پر عقیم میں انہیں ایسے بہت کم ملیں گے۔ میں حضرت علامہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی قوت بنانے کا مشکل جانتا ہوں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی اور علامہ عثمانی کے ہاتھ پر اسلامیات کا جہرزی شعور کو طم ہے۔ مولانا مدنی تقسیم ہند کے تقفد سے اختلاف رائے غ جبکہ مولانا عثمانی اس طلفد کے زیر دست قلیب تھے لیکن مولانا مدنی نے علامہ کی وفات تعزیتی طلسہ میں فرمایا

”مرحوم کی شخصیت بے مثال تھی، علم و فضل میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔“

مسٹر ابوسعید بری جیسے امداد صحافی نے روزنامہ احسان لاہور کے (۱۹۳۹ء) میں لکھا

”وہ علمی قضیت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنے بلند مقام سے تھے کہ پاکستان تو ان کے نیاے اسلام میں بھی آپ کے پائے کی کوئی ہستی نہ تھی۔“

ملک امیر احمد خان عزیز کا نام صحفی دنیا میں بہت معتبر نام ہے۔ ”امیر احمد جیسے اخبارات ملک صاحب کی ادارت میں چلتے رہے۔ آخری دور میں جناب سید امیر

مورودی کی تحریک سے وابستہ ہو گئے اور سید صاحب کے دفاع کا حق ادا کیا

سے وابستہ بھی افراد سید صاحب کے بعض افکار سے شدید اختلاف رکھتے اور مولانا عثمانی جنگ کشمیر ۱۹۴۸ء کے دور میں سید صاحب سے مکاتبت ہوئی، جس کی تفصیل

میں موجود ہے۔ سید صاحب نے جنگ کشمیر کے شہداء کے خلاف بہت سے کتابیں لکھیں اور ان میں ایک بڑے مارک موقع پر دانستہ یا نادانستہ ملک کے

مردِ نیکو کردار کرنے کی سعی کی۔

واقعہ یہ ہے کہ سید صاحب قلم کے شاہسوار تھے اور یہ مولانا عثمانی ہی تھے جنہوں سے سید صاحب کے افکار کا تار و پود نکھیر کر حلقِ نظیر کی اہمیت و وضع کی۔ اس اعتبار سے ملکِ احرار نے خاص غریزہ مرحوم کا دل مولانا سے سیلا رہا اور یہ قدرتی بات تھی لیکن مولانا کی ہمت پر ملک صاحب حقیقت نگاری پر مجبور ہو گئے اور لکھا

”مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبند کے مدرسہ علم و فقہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے سینے میں یک دہں بیدار وحشت و آب تھا جو ان کی تمام اہتیاہوں کے باوجود ان کو میدانِ عمل میں بے پیر تھا۔ سب سے پہلے وہ تحریکِ خلافت و عدمِ تعاون میں غوام کے سامنے آئے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ لاہور میں مولانا یوسف قاسم آزاد کی صدارت میں جمعہ ۱۰ ہند کی جلسہ منعقد ہوئی تھی۔ اس میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر بہایت ہی معرکہ آرا تھی۔“

(تقسیم ۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء)

معادہ

معادہ اسی پر بس نہیں کرتا۔ خلافتِ عباسیہ کے ”خیری شیخ الاسلام“ (یہ درحقیقت ایک جیسے کے بربر تھا) اور متعدد علمی کتابوں کے فاضل مصنف علامہ رابعہ لکھنوی نے احداثِ مولانا کی حدیثی خدمت ”فتح المہم“ پر نہایت شاندار تقریر لکھی ”مسلم“ عدیثِ پائے کے چھ اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے، جسے بخاری کے بعد دوسرا مقام حاصل ہے، بقول ایک مفکرِ حنفی دیا پر اس کتاب کا قرض اتنے طویل عرصہ بعد مولانا عثمانی سے پہنچا۔ علامہ لکھنوی کی تقریر کے آخر میں ہے (ترجمہ عربی)

اس کتاب (فتح المہم) کے مؤلف، فاضلِ اعلیٰ، سراپاِ حجت و علوم مختلفہ کے مالک، دلائلِ محقق، معسر و محدث، نقیہ، قابلِ افتخار و غواہِ علوم مولانا شبیر احمد عثمانی مدبر

دارالعلوم دہلی ہند جو ہندوستان کا ازہر ہے۔ الخ

ایک قدم آگے بڑھا میں تو مولانا اس وقت خوش قسمتی کے 'س' درجے پر آتے ہیں کہ رشک آنے لگتا ہے۔ شاگرد عقیدت مند اور چھوٹے، "استاذوں، مشایخ اور بڑوں کا احترام کرتے ہی ہیں لیکن کسی بڑے کا اپنے چھوٹے پر احسان کرنا یہ ہے جس کی دنیا میں قیمت نہیں، مولانا المرحوم کو اپنے استاد گرامی شیخ العالم مولانا محمود حسن کا جس قدر اعتراف حاصل تھا، اس کا اندازہ مشہور محقق عالم، مصنف اور علی گڑھ یونیورسٹی کے فاضل استاد مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی تحریر سے ہوگا

"حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مان سے آنے کے بعد آپ (مولانا عثمانی) (۱۹۱۹ء) کے آخر اور (۱۹۲۰ء) کے شروع میں بہار نیو، غازی پور، لکھنؤ، بنارس، کانپور، علی گڑھ، دہلی کے بڑے بڑے اجتماعات میں حضرت شیخ الہند کے ترجمان کی حیثیت سے، بلند پایہ تقریریں کیں، انہوں نے ملک کے گوشے گوشے میں (مولانا عثمانی) کی عظمت، برتری کا سکہ بٹھادیا۔" (دہلی برہان دہلی جنوری ۱۹۵۰ء)

اور اس کی شہادت سید سیدان ندوی نے بھی اپریل ۱۹۵۰ء کے معارفِ نعیم گزٹ میں دی۔ "استاد گرامی سے اس کی مناسبت کا ہی، رشتہ کہ شیخ الہند نے ماندار اسارت میں قرآن عزیز کے ترجمہ کی تکمیل کر کے مختصر حواشی کا سلسلہ شروع کیا جو بعد میں آپ کی غلات اور پھر وفات کے سبب نامکمل رہ گیا تو اس کی تکمیل کی سعادت مولانا کے حصہ میں آئی۔ ان تفسیری حواشی پر اس وقت کے ہندوستان کے سبھی جلیل المرتبت علماء، گرامی قدر راء لکھیں۔

مشہور عالم و مؤرخ مولانا اکبر شاہ مجیب آبادی کی رائے کے چند جملے
"مولانا عثمانی، علماء دہلی ہند میں اپنی قرآن دانی اور تہذیبی القوت کے متعلق جو

خصوصیت رکھتے ہیں، اس نے مولانا کو میرا محبوب اور اس کے تصور کو میرے دل کی راحت بنا دیا ہے۔

یہ ترجمہ اور تفسیری حواشی شاہ و افتخاں کے حکم سے قاری میں ترجمہ ہو کر قاری علاقوں میں مقبول عام ہوئے۔ اسی کو آج کل جماعت اسلامی وسیع پیمانے پر چھاپ کر افتخاں علاقوں میں پھیلا رہی ہے۔ قاری نسخہ کی اشاعت پر کابل کی عظیم دینی درسگاہ ”فخر المادرس“ کے عظیم القدر اساتذہ نے اسے آنکھوں پر رکھا اور جہاں ہی انداز سے عظیم الشان تقریر لکھی۔

حضرت مولانا عبید اللہ آفرین نے بیان کیا کہ مولانا عثمانیؒ نے فرمایا کہ میں نے قدیم و جدید تفاسیر کو وقت و نظر سے پڑھ کر ان کا مغزِ نچر کر چند چند سطروں میں پیش کیا، جس پر میرے کئی سال صرف ہوئے۔ قدیم و جدید علوم و حقون کے حوالے سے آپ اس تفسیری ذخیرہ کو دیکھیں تو عثمانی صاحب کا حکم ہر جگہ آپ کی خوب رہنمائی کرتا نظر آئے گا۔

قرآن عزیز کے بعد امت مسلمہ کے لئے حدیث دوسرا عظیم سرمایہ ہے۔ مولانا اکثر نے تفسیری خدمت کے بعد حدیث کی اہم ترین کتاب ”مسلم“ کی عظیم الشان شرح بھی جس کے متعلق بعض آراء سامنے آ چکی ہیں۔ اسوں خود شیخ ابنہ جیسے استاذِ کمال سے حدیث پڑھی اور امتیازی طور پر امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ علامہ کوثری کی رائے کا یہ جملہ حریہ ضرور پڑھیں۔ انہوں نے اسی کتاب کی تقریظ کے ساتھ لکھا کہ ”مولانا حق یہ ہے کہ آپ اس دور میں ”فخر حمید“ ہیں۔“

اور مولانا عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے

”احناف پر مسلم کے سلسلہ میں قرض تھا مولانا نے مبسوط اور مستند شرح لکھ کر اس قرض کو ادا کیا۔“ (صدق لکھنؤ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا نے اس حدیثی شرح کے مقدمہ میں صلیح حدیث کے تعارف پر جو مبسوط

تحریر لکھی، وہ حقیقت میں بڑی بڑی کتابوں پر بھاری ہے۔ باقی ایک ایک حدیث میں نہایت معتدل کلام اور جامع بحث انہی کا حصہ ہے۔ مومن اور کفر میں کاغذ حلوتی سے اس حدیثی خدمت پر ۱۲ اشعار پر مشتمل عربی قصیدہ لکھا۔ سبب شعر کا ترجمہ ہے

"اے مجھ بدعت! آپ کو ہر مسلمان مبارکباد دیتا ہے اس چیز پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرح مسلم کی توفیق بخشی۔"

حدیث کے بعد علم فقہ مسلم دنیا کا عظیم سرمایہ ہے، جس نے پوری مسلم تاریخ میں قدم قدم پر نہایت کی رہنمائی کی۔ حضرات صحابہ کرام علیہم السلام میں ان میں بہ کو بڑی ہیبت حاصل تھی، جنہیں فقہ میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بڑی ہی نعمت ہے اور قرآن و سنت کے احکام کی صفحہ کی گہرائیوں کو فقہ کے بھی پہچان مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی صدی کے عظیم المرتبت تابعی امام عظیم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام مسلم دنیا میں ثابت ہے۔

گوکہ حضرت مولانا کی اس فن میں کوئی باقاعدہ تالیف نہیں لیکن تفسیری حواشی شرح حدیث اور اپنے بعض مقالات و مکتوبات میں اس حوالہ سے اس کی عظمت کا جگہ جگہ ثبوت سے ثابت ہے۔ اکابر دیوبند میں درجہ دینا کے اہل علم میں آل مکترا اصوات۔ سلسلہ میں رہنمائی کا فرض موصوف سے انجام دیا۔ اس سلسلہ میں مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم، معذور کے نام کا ایک بہت ارفع خط موجود ہے، جو "تجلیات عثمانی" کے فاضل مؤلف نے من و عن نقل کیا۔ اس مکتوب میں مرحوم کے فقہی استنباطات اور اجتہادی شارح نمایاں ہے اور بہت ہی قابل قدر بحث نظر آتی ہے۔ کفار کے ساتھ مولات اور جہاد کشمیر کے حوالے سے اس کی مکاتبت، خطوط اور تحریرات کی بھرمار اور فقہیانہ شان کے بار ہیں۔ اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے

جہاں شہر کے مسجد میں جس طرح دھوڑے حوالے اور ناقص ابحاث کے ذریعے اضطراب پیدا کیا، اس کا مؤثر دفاع مولانا حبیبہ حکیم فقیر اور مبصر اٹھادیہ کر سکتے تھے۔ ساتھ ہی اس دور کے نہایت ہی نازک مسائل مثلاً مسئلہ قومیت و غیرہ پر بھی نہایت عالمانہ اور لقیہانہ انداز میں مولانا نے گفتگو کی۔

حضرت مولانا عینی کی فقہی بصیرت کا شاہکار ان کی وہ تقریریں ہیں جو انہوں نے سعودی حکومت کے قیام کے بعد مؤخر کتبہ میں سلطان ابن سعود کی موجودگی میں ارشاد فرمائیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ سعودی حاکمان شیخ محمد بن عبدالعزیز کے تھانوں اور ان کی فکر کی بنیاد پر بدستور قائم رہا تھا۔ شیخ نجدی مصلیٰ نجد کے علمبردار اور اہل سنت حضرت احمد بن حنبل کے مقلد تھے۔ مخلص نسائے تھے لیکن طبیعت میں جذباتیت تھی۔ اسی کے پیش نظر حرمین شریفین میں ماثرت قدیر کو گرا دیا گیا اور قیور پر قے و غیرہ منہدم کر دیے گئے۔ شیخ کے بیروکار اپنے قہر دیتے کہ الامان وجد۔ بقا ہواں کا چھ تھا، لیکن حکمت و بصیرت کی جہی کی تھی۔ اس کا انداز اس سے نہیں ہے کہ وہ درود شریف میں لفظ "سیدنا" کے حق میں نہ سمجھتے کہ ان کے بقول یہ لفظ احادیث سے ثابت نہیں لیکن دیوبندی علمی تحریک سے پیدا ہوئے عظیمہ کارل شیخ خلیل احمد سہارنپوری نے وہ حدیث پیش کی جس میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا:

کہ میں قیامت کے دن تمام اور آدم کا سردار (سید) ہوں گا لیکن اس پر مجھے غرور نہیں (یَا نَبَاکَ یَا اَللّٰہُ عَنِّیْ کَانَ عَمَّیْ) ہے۔

بہر طور سلطان ابن سعود نے مولانا کی بات کا وزن محسوس کیا اور نجدی علماء نے بھی اس کے بعد ضد نہ کی۔ بہر حال قیوم کے خدائے پر خوب ہنگامہ ہوا۔ یہاں

اپنا عمامہ اُن کے سر پر رکھ دیا۔ مولانا عثمانی نے کتاب "روح القرآن" پر مولانا سید محمد علی راے کو رنجی ہے علامہ سید سلیمان بدوی لکھتے ہیں

"مولانا عثمانی کو مولانا لالو تو ہی کے علوم و معارف پر احتوا ہے، وہ مولانا کے علوم و معارف اس طرح اپنی زبیاں سے بیان کرتے کہ وہ دل نشیں ہو جاتے۔"

(معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

بقول مولانا شرف علی تھانوی، مولانا محمد قاسم اپنے مرشد و مربی حضرت حقیق امداد اللہ کی ربان تھے تو مولانا عثمانی مولانا محمد قاسم کی حتی کہ مولانا محمد دریس کا مددگاری نے انہیں اپنے دور کے شکم شکم امام ابو الحسن اشعری کی زبانت پر دریا۔

مولانا عثمانی نے دور حاضر کے دانشوروں کی مٹی سے بھرا مٹی پر نقش کرتے ہوئے فرمایا

"کوئی صاحب چند جرئی اور فریسی مصنف کے اقوال یاد کر لینے سے بے آپ کو ہر علوم جدیدہ تصور کرتے ہوں تو محمد اللہ ہم بھی اس سے عاجز نہیں۔"

اور اس کا واقعی اندازہ ان کے تفسیری حواشی، حدیثی لکچر اور دوسرے مقالات سے ہوتا ہے، جہاں انہوں نے دنیاوی جدید کے پھر، بے ہودہ و منحصر پوست کی چست افکار کو جا بجا نقل کر کے ان پر نہایت عامانہ تنقید کی اور ان کی غلطیوں کو لم شرح کر کے صحت کیا کہ ملائے ملتیں کا علم و دانش دانشوریت فرنگ سے زیادہ گہرا و گہرائی رکھتا ہے اور نہ وہ دانشور ملا کی مرد پا کو بھی پس پہنچ سکتے۔ موقع و فرصت ہوتی تو ہم اس کے حوالے ضرور دیتے۔ اس سلسلے میں وجود باری معانی مسئلہ نبوت، معراج جسمانی، وزن احوال، تقدیر و بدل سب سے مسائل پر مولانا کے نوٹس ضرور دلچسپی سے چائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے دعوئی کی تائید ہو جائے گی۔

مطلق (جک) و رفصہ معقوریت کی دو نہایت ہم شاخیں ہیں۔ ان کا ریا و

خلق چونکہ عقل سے ہے، اس لئے وہی، انہی کی سرپرستی و تادیب کے بغیر ماعوم لوگ یہاں تک جاتے ہیں۔ مناطقہ در فلاسفہ کی تاریخ اس کی علامت ہے۔ ان حضرات سے جس طرح کھڑکیں کھائیں اور اپنے ساتھ کئی دوسروں کو بھی لے ڈوبے وہ کوئی دانش پسند و ستات نہیں، لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ حسب توفیق سے نواہے وہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل سے کام لے کر ظہور و شہرت خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی جاشیہ اس حوالہ سے بڑی عظمت کے حامل تھے۔ مولانا کے بعض دوستوں سے رہا۔ مابہلہ میں ہی اس تہذیب سے مولانا کی دلچسپی کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ مولانا کے استاذ ’’مولانا محمود حسن‘‘ کے قائم کردہ ادارہ ’’تحریک الانصار‘‘ کے سچے پر مولانا نے جو علمی مقالات پڑھے اور تقریریں کیں، انکی علمی دنیا میں دھوم مچ گئی۔ جمیعہ الانصار کے نائب ناظم مولانا سرانجام احمد نے اجلاس میرٹھ (۱۹۱۲ء) میں مولانا کی تقریر کے فلسفیانہ رنگ نشین مابہلہ میں کا پڑے حوت سے ذکر کیا ہے۔ اجلاس سراوڈہ میں ’’وجود باری تعالیٰ‘‘ اور ’’خلق افعال‘‘ جیسے نازک اور پیچیدہ اور مشکل سوالات پر مولانا کی قدریہ کا اہلہ اس مولانا کے مدحصر اور بہت ففقری مامول ناخید اللہ سدھی سے اس طرح کیا

’’بعد مامول ناخیر احمد عثمانی کا دھمکا ہوا جو ’’وجود واجب الوجود‘‘ اور ’’خلق افعال‘‘ و میر کی ایساٹ پر مامول فلسفیانہ رنگ میں ہو۔ چونکہ اس جلاس کو خاص اہل علم سے لئے مخصوص کیا گیا تھا اس لئے اسوں نے بڑی توجہ اور اسماک سے سنا۔‘‘

(روئیداد نو تقریر ص ۱۳۲)

’’ارواح القرآن‘‘ معجزات نبوی اور یہی ہی مسائل پر مولانا کے قرآن عزیز میں مابہلہ و مفصل بحث اور دوسرے مقامات پر ان کی نگارشات سے یہ ثابت کرنا کہ وہ ’’قبولت کی طرح معقولات میں اہمیت کا درجہ رکھتے ہیں۔‘‘ ’’محمود الخفس‘‘ ایک بہت ہی

و عجیب و مسلک ہے، جسے ہمارے منہ سے نہ نکال سکتے تھے اور جس نے اپنی تفسیر بنا دی ہے، لیکن مولانا نے
 باغ و بہار رقم لے کر اس تفسیر کو جسے سلجھایا اس کے مولانا کی مسمیٰ سوانح "تجدیدات علمیہ"
 کے متعلقہ حصص کا مطالعہ بہ مفید ہوگا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ درالعلوم دیوبند کی چند ہزار
 مینٹے وے اور پورے تفسیری سرحد وہاں پورا کرے۔ اس شخص کی جدید ماہرین کی تفسیرات
 مصنفات و رنگارشات پرستی کی نظر سے۔ اور ایک مولانا عثمانی پرستی میں سب سے
 دیوبندی علمی تحریک کے سبب سے ادا ایسے گنواہ جاسکتے ہیں، جنہوں نے ان سے
 ماہرین و ورطہ حجت میں دیا۔ بالخصوص مولانا محمد قاسم بن نوٹوی، مولانا شمس محمد عثمانی
 مولانا محمد ابراہیم بلخی، مولانا عبدالرحمن پوری، مولانا سوسن خاں، براروی جیسے حضرات
 قوی مواقع اندر عصر حاضر تھے۔ کسی کے ساتھ ایک اور شعبہ منظر الی ادب کا ہے جس میں
 بچہ سے اقل سے زیادہ مشکل کا کاروبار چلتا ہے۔ اعلیٰ علم خوب جانتے ہیں کہ مخلصانہ
 بند میں اس فن کے امام حضرت سر سید احمد، مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تھے۔ اس
 کے بعد اس میں مولانا محمد قاسم بن نوٹوی، مولانا رحمت اللہ خیر قوی، مولانا درویش خاں
 کب آبادی، مولانا رسول خاں چایا نوٹی کو بھی بڑا امتیازی مقام حاصل ہے۔ مولانا عثمانی نے
 اس فن میں اپنے سوانح کی یادیں تازہ کر دیں۔ یہ سب کچھ ہوں یا قادیانی و جدید شہادت
 کے بارے ہوئے جو جو ان ہوں یا اہل بدعت وہ مولانا کے قریب خیم کے بیچارے اصول
 اور مناظر قریب رہاں میں رہاں و کلمہ سے بڑی و قریب خدمت سر سید مولانا کے مقدمات
 اور تقریرات احمدیہ اہل اور اہل شہادہ رنگ کے امیراری مقدمات ہیں
 تفسیری، تاریخی اور "حمد و شہادت" کی مختصر اشعار ہدایت کے حوالہ دینے کی
 ہم خدمت تبلیغ و سرمد ہے۔ جس کا مقصد رہاں سے سے اللہ جلّٰی کے مصلحتی اسی "مؤثر"
 تربیت و رجحان سے اللہ جلّٰی قلم و حلقہ کا نام تاج و پادشہ ہے۔ عجیب اور مصلحتی ہدایت
 اس کے دیا ہے۔ یہ سب سب۔ بعد ازاں ہدایت کے پادشہ۔ آپ

خبریں ہیں تھے تبلیغ اسلام قرآن کے حوالے سے ایسے ہی فرض سے جیسے نماز روزہ و قرآن
 زیم کے تبلیغ کے حوالہ سے "حکمت، وعظ، حسنة اور جہاد احسن" کی تلقین کے ساتھ ہی
 پیچیدہ سادہ مسلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین کی وقتی استعداد کا لحاظ رکھنے کی تلقین کی۔ ایک
 کامیاب تبلیغ اسی ہوتا ہے جو ہر سطح کے عوام کو متاثر کر سکے اور انہیں پیغام حق پہنچا سکے۔
 سرانا مشیر احمد عثمانی گو قدرت سے یہ ملکہ خوب عطا فرمایا تھا۔ فلاسفہ، متفکرین، علماء، اہل
 یہ مت اور عوام سب تک آپ پہنچا اور اس فرض کی ادائیگی کا حق ادا کیا۔

۱۸۳۸ء کی بمبئی مسلم یگ کے جلسوں میں مراد علی بیگ کے پاس جو وفد تھا قادیان
 کی مرض سے گیا۔ اس کے سر حضرت مولانا علی تھے۔ جس نے جذبات کے مارے ہوؤں کو
 رپورسٹ کی تبلیغ کی۔ مولانا مرحوم جس پایہ تک پہنچے، مقرر اور خطیب تھے، اس کا اعادہ
 ممکن نہ رہا۔ ملک نصر اللہ خان غریب جیسے سلفہ بد جماعت سدا کی کے صفائی
 سے ۱۹۲۰ء کی جمعہ ۱۰ ہند کا فرش، مورد میں مولانا ابوالکلام آزاد، جیسے بقیہ کی دور جیمیں کی
 صدارت میں مولانا کی معرکہ آزار تقریر کا بیڑے اتار کر کیا۔

(تذکرہ ۳ دسمبر ۱۹۳۹ء)

مولانا ظفر علی خاں مرحوم جیسے رہبان و قلم کے وحشی۔ مولانا قی و عظمت و قدرت
 اور خطیبانہ جادوگری کا دس کھوں را اعتراف کیا (رمینڈ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۸ء) جبکہ مولانا نور
 (۱۰ دسمبر ۱۹۳۹ء) قادیان، نور (۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء) رورڈ ۲۰ آ، اور (مجلس احمد
 ۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء) بھی سے مولانا کی خوبی کا اعتراف کیا۔ مولانا محمد
 یوسف نورانی سے "مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شمس احمد عثمانی اور میر
 محمد احمد شاہ وی قی و ہندوستان میں خطابت کے لئے "مردہ راجہ کے نام سے یاد کیا گیا۔ آپ
 نے اس دوسرے سید سلیمان ندوی جیسے حضرات مولانا کی سونے میں مسند صدارت
 سے اہل وصال سے حق و باطل، احادیث، حقائق و حقائق ۱۹۵۰ء

مولانا کی خطبات عظمت کے جوہر اس وقت کھلے جب وہ پاکستان پارلیمنٹ کے ممبر کے طور پر سامنے آئے۔ ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ میں بڑے کھلے قسم کے نوک تھے، لیکن مولانا کی خطبات عظمت کو بہت سوں نے دل و جان سے تسلیم کیا اور خاص طور پر یہ وقت علی خاں مرحوم تو آپ کے بہت سی قدردان تھے۔ فرارِ دامق صد جو مرحوم یہ وقت علی خاں نے پیش کی، اس کی تائید میں مولانا کی تقریر جسے بجا طور پر ”روشنی کا ستارہ“ کہا جاسکتا ہے، خطابت کی دنیا میں ایک شاہکار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خطیب اعظم ”سبحان“ یا یورپ کا ”چمچل“ علم و ثقافت کے موتی نثار ہے۔

مولانا مرحوم جیسا کہ بار بار سامنے آیا، محض مائے یکتبی تھے۔ دعوہ بند کی چٹائیوں کے علاوہ انکس اسہوں نے ایک غلط فہم پڑھا، لیکن آپ کے لئے بات و جد حیرت ہوگی کہ وہ جہاں عربی فارسی کے مسلک ادیب و رفق کار تھے، وہاں اردو ادب میں بھی ان کا مقام نمایاں تھا۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد علی جوہر اور سید سلیمان ندوی جیسے حضرات نے ان کی عظمت کا وہ دانا، جبکہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ان کے اے، عبدالمجید دریا بادی جیسے حضرات تو آپ کو اپنا استاذ نامنے پر مجبور ہیں۔ العرض مولانا کو جس پہلو سے دیکھیں وہ عبقری اور جینیس نظر آتے ہیں، کوئی علم ہو اور کوئی فن، اس میں وہ امانت و قیادت کے درجے پر فائز ہیں۔

شعبہ با اہل حق : ترتیب ۱ مولانا عبدالقیوم حقانی

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے آب و اشادات و خطرات کا مجموعہ جس میں عمر حاضر ہے دوق اور حرات کے مطابق زندگی کی اصناف کا پیغام ایمان و یقین کی اعلیٰ کیفیت ہیں۔ اسے قادیان، ساہیوال اور حکایت و تشبیہات کے بحرِ لعل میں تصوف اسلامی کا علم اور علوم و معارف کا لب لباب آیا ہے۔ (دنیارہیلہ) ۴۰۸ صفحات قیمت 180 روپے

انعام اکیڈمی جامعہ الہامیہ برائے پوسٹ ”فلسفہ لائق“ پانڈا ضلع نوشہرہ

شیخ الاسلام کے اوصاف و کمالات

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ

”شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ان برسوں میں سے ہیں جن کی ملکیت یہ دور میں مٹی جتنی ہوا کرتی ہے۔ ان کے علمی و تحقیقی کارنامے اور ان کی مٹی حد و جہد پر ان امت مسلمہ کے لئے ہاسٹوم و مسلماناب برصغیر کے لئے بالخصوص ہماری تاریخ کا ”اعظم سرمایہ“ ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ قدر مرہ کو بیک وقت ”بیاض، غریق علم، کثافت اور سیال قلم، دشمن خطابت اور ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل میں قدر اور مدد، اندھ نظر سے نواز تھا اور ان کے یہ تمام کمالات دین کی صحیح خدمت اور امت مسلمہ کی علاج و بہبود کے لئے اس طرح استعمال ہوئے کہ آج ہم سب کی گردنیں ان کے قربات سے جھکی ہوئی ہیں۔ حضرت علامہ عثمانیؒ اپنے اوصاف و کمالات میں سلف مرثیہ ناموں سے، اتباع سنت کا پیکر اور بحسب اخلاق تھے۔“ (حیات مجلی)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ

”شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت شیخ ابیہ کے معتد علیہ علامہ میں سے تھے، غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے۔ علم مختصر تھا اور بڑے سچے علم تھا، علوم عقیدہ سے خاص دقت تھا، منطق و فلسفہ و در علم، اکلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ حسرت کا سب سے بڑا شاعر تھے وراعلوم کے اونچے طبقہ کے استاد میں آپ کا شمار ہوتا تھا، پانچ

اسلامیہ مجلس کے شیخ الفیہ بھی رہے اور دارالعلوم، یوہا کے صدر مدرس کی حیثیت سے علم و فن کی خدمات بھی انجام دیں۔ دارالعلوم کے ۱۸ سالہ قیام میں ہزاروں طلبہ سے آپ نے تربیت کی جن میں علم فقہ کے قیادہ کتاب بھی شامل ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم، ص ۱۰۰)

مولانا سید محبوب رضوی "تاریخ دارالعلوم" میں لکھتے ہیں کہ

"علم و فن میں ہمہ گیر دست و پیر اور اہل سنت و اہل فہم کے لحاظ سے دارالعلوم کا شمار دنیا کے چند خاص اداروں میں ہوتا تھا، وہ زبان و قلم دونوں نے یکساں شہرت حاصل کی تھی اور عربی کے بلند پایہ ارباب و بڑی سکرانگیر خطابت کے مالک تھے۔ فصاحت و بلاغت و جامع فہم و سیر پر اثر تشبیہات و عبارات و رنگ آمیزی کے لحاظ سے ان کے تقریریں ان کے وقت کے بہترین تھیں۔ حضرت علامہ پرگہری نظر رکھتے تھے، اس لئے ان کی تقریریں عوام و خواص دونوں میں بڑی قدرتی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ عظیم الشان مجلسوں میں ان کے بیچ ایسے عالمگیر تقریریں کیا جاتی تھیں جن سے اہل وقت کے دلوں میں جوش و خروش پیدا ہوا۔ علم کے پیش اور ترقی کے حق میں وہ عام تھے۔ بہت بڑے خطیب و ارباب تھے۔ جمہور ہندوستان کے تمام علماء و ارباب کی عیست کا حوالہ دیتے تھے۔ تحریک خلافت جمعیت خداداد، بھارت، ہندو مسلم اتحاد کے پیٹھ فارموس و عام مواظف کے جلسوں میں آپ نے جادو کیلئے مجلس و حلقہ فصیح، جلیق اور مؤثر تقریروں سے تہلکہ مچایا ہوا تھا۔ مؤثرہ کلمہ جمعیت اصلاح کی طرح سے ماسدوں پر اثر ایک سے کہنے اور عربی زبان میں درست تقریریں نہیں، شہرہ آفاق و اوسرے علماء و اہل علم و فہم کا شہرہ اور سامنے آئے۔ علم و تعلیمی جلسوں اور مجالس میں سلام کی تعظیم و شہرہ کیا اور انھوں نے ان کے مجلس میں شرکت اور مسلمان بنایا۔ تقریریں میدان میں شہرہ و شرح بخاری تھیں ان

چار قرآن زندہ جاوید فارغ سے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔

(تاریخِ غلامِ بندہ نمبر ۷۷)

تقی و طہارت :

شیخ ابوسعید ان جلیل القدر علماء و محدثین میں سے ایک تھے، جو کبھی - ہاں مہر افضل پر - قرب - اجتناب میں نہ چمکتے اور اپنی شعاعوں ضیاءِ پاشیوں سے ازمان کی ایک نیا کو روشن و مسدود کرتے رہو دیتے ہیں، جس - بحر علم سے بے شمار تشنگانِ علم کو پانی بہا کر منک و سکن حاصل رہنے کا موقع ملتا اور جس کے - زمانے علم سے انسانیت سدا علمی - زبوں شہرِ نقد و احیاء ہوتا ہے، جس کی عظیم الشان علمی خدمات و عظمت کے لیے نقوش و نقش کار ہو جاتے ہیں جو کبھی مناسبہ مست نہیں کتے۔ شیخ باسلام علامہ عثمانی کی شخصیت اپنے خاصہ ان و باطنی و صوفیہ و کائنات اور اپنے معنوی، مصوری محاسن و فضائل کے عکاس ہے، واقعی و صحیح معنوں میں ایک عظیم شخصیت تھی، جس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ علامہ عثمانی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص عنایت کے تحت خاصہ مدد فرمائی ہے۔ علامہ عثمانی سے دو فضائل و محاسن نمایاں فرمائیے تھے، جو شاہ و تاج کسی شخصیت میں جمع ہوتے ہیں علامہ عثمانی اپنے حسن و جموں، حیثیت، طہارت، طاقت و محنت، تقویٰ و طہارت، علم و بصیرت، خلق و عبادت، عبادت و سیاسیات، شرافت و متانہ و کائنات و کائنات، قیام و عدالت و امداد و حفاظت میں اپنی تعلیم آپ تھے

علامہ عثمانی اپنے علم و فضل میں تلامذہ اپنی مقادیر رکھتے تھے۔ علامہ عثمانی اور علامہ عثمانی و طہارت میں بھی اہل تقدیم پر نام تھے۔ آپ اپنے مسرت میں تھے، یہ نہ کہ محقق و فقیہ تھے، ورنہ یہ فلسفہ و تعلیم سے انحراف نہ لیتے۔ علامہ عثمانی کے علم و فضل سے اپنے وقت و قدم میں صرف وہی تھے۔ علامہ عثمانی کے علم و فضل سے

ہر ب کے مواقع پر علامہ عثمانیؒ کے قلبی تقویٰ کی صحیح ترجمان ہوتی ہے، جس کے بعد چاہے
 ہر زبان ہوتا ہے کہ ایک مصرعے اندر جو شان تقویٰ ہوتی چاہئے، جس سے دو عطا تفسیر
 جو قلبی طرف مال ہو چائے، علامہ عثمانیؒ کے اندر یہ تقویٰ موجود ہے جس سے
 یہ عکس میں کی ذات سے عقیدت اور ال پر اعتماد ہو جاتا ہے۔ علامہ جب تفسیر میں
 مصروف تھے تو روزانہ لکھتے لکھتے جب اس کا کام ختم فرماتے تھے تو یہ لڑائی تھی
 کہ ہم اس کے حصہ کو کسی آیت رحمت اور فضل و کرم پر ختم فرماتے تھے۔ ایک روز جبکہ سرور
 میں کی تفسیر میں مصروف تھے تو بعد لے سے اٹھنا کسی میرا آیت رحمت پر ہوا تھا تو اس
 اور وہم کے وقت علامہ کو بخار آ گیا جس نے شدت اختیار کر لی چاہے حسبِ ذیل
 ہی حالت میں اٹھ بیٹھے اور بچا کر کسی آیت رحمت پر مقدار تو یہ ختم کے پھوڑا دیکر وہ
 محسوس کی روشنی میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ علامہ مفسر ہیے مدیہ یا شبہ اور خوف
 مدار تھے ہیں جو ان کو تفسیر قرآن میں کسی متر پر حق کی راہ سے نہیں بنا سکتا اس کے
 تصور میں بھی یہ بات نہیں سکتی کہ وہ نفس مبارک کے تابع ہو سکتی۔ یہ کی ایسی تفسیر کہ میں
 یہ حق سے شایانِ شرف ہو، البتہ اسباب سے پہلی خصوصیت اس کی تفسیر کی یہ ہے کہ وہ شبہ
 کی اور تقویٰ کی روشنی میں لکھی کی ہے۔ علامہ عثمانیؒ کے حد سے خوف سے ہر مومن کی
 حقیقت کا پتہ اعدو هو أقرب بلغوی ان اللہ حیر بما تعلیوں کی تفسیر میں جو
 بتایا ہے۔ (میسرہ خان ص ۱۸۸)

حق کوئی و بیباکی

شیخ سید علامہ عثمانیؒ سلام حق کی مہرست میں ایک جلد مقدمہ لکھا ہے جسے آپ
 نے حق کو زبان شاہ جبار میں سمو اور انھیں آئیں جیسے مقتدر و جلیل اور تبت سلاطین کے
 ہزاروں میں حق کوئی سے باز نہ رہی وہ یہ استادان و میزبان و معارف اور راہ اور مراد

دنوں پر بلند ہونے کے اسلامی افکار و نظریات پر بھی بھی باطل کا رنگ نہیں آسے پایا ج
 عادیق کا طریقہ تیار ہے۔ وہ ہر طرح کے احکام کو اپنا بنیادی اصول بنا کر آگے
 بڑھاتے تھے اور اس کے حق و باطل ہونے کو بر حیثیت سے پرہیز تھے۔ ترکیب معاملات،
 ترکیب عدالت و کانگریس، ہندو مسلم اتحاد و غرضیکہ ہر شعبہ سیاست میں ان کا ایک خاص
 سنگ اور قیاری رنگ تھا جس میں وہ اسلامی قیادات کو بھی پست اور مغلوب ہوتے
 دیکھنا چاہتے تھے۔

خطیب الامت حضرت مولانا قاسم الحق تھا تو فرماتے ہیں کہ

”شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ حق بات کہنے میں ہمیشہ سے بانک و رنڈ کرتے
 رہے۔ معاملہ میں اپنی رائے معافی اور آراوی سے ساتھ پیش آئے تھے۔ علامہ کی ایک
 شخصیت یہ تھی کہ وہ کسی حق بات کو کہنے میں عجب محسوس نہیں فرماتے
 تھے۔ ایک مرتبہ کراچی میں علامہ عثمانیؒ کے قیام کے لئے ایک بلنگہ کا انٹسٹ ہوا، اس نے
 شہید ملت لیاقت علی خاں کی یہ خواہش تھی کہ مولانا کسی کے پاس قیام نہ کریں بلکہ انک
 اپنے مکان میں رہیں۔ ایک مکان الٹ ہو گیا، اتفاق سے اس مکان کے انٹسٹ میں کوئی
 تو موٹر گاڑی تھی، اس لئے وہ انٹسٹ کینسل ہو گیا۔ مولانا عثمانیؒ کو کسی نے اطلاع دی
 تو آپ کے بلنگہ کا انٹسٹ مسوخ ہو گیا۔ جواب یہ نکلا کہ ان کی مسجد بنی ہوئی ہے، یہ میدان
 تو اس تک جسد ہوا، اور مولانا عثمانیؒ ماشاء اللہ جب بونے پر آتے تھے تو خوب بولتے
 تھے۔ مولانا نے فرمایا جب بلنگوں کا انٹسٹ کینسل ہو سکتا ہے تو راتوں کے انٹسٹ بھی
 کینسل ہو سکتے ہیں، اگلے روز اخبارات میں پہلے صفحہ پر مولانا عثمانیؒ کے ساتھ یہ
 بات شائع ہوئی کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا ہے کہ راتوں کے انٹسٹ بھی کینسل
 ہو سکتے ہیں صبح کو میں کسی کام سے لیاقت علی خاں کے پاس گیا، اخبارات سامنے میز پر
 پڑے تھے۔ سب نے لگے آپ نے یہ خبر دیکھی ہوگی، میں نے کہا، دیکھی یا میں تو خود چلتے ہیں

موجود تھا۔ اس پر یہ وقت علی خان کہنے لگے کہ اگر مولانا ہمیں اس سے جی تختہ نہیں کر
ہم برا ماننے والے نہیں، اس کی وجہ بھی اسوں نے بتائی تھیں جسے کہ میں نہیں سے
کہیں کل کو پبلک ہمیں جوتے مارنے لگے تو پھر پچھتے والے بھی مولانا ہی ہیں۔
آپ نے کیا سمجھا؟ پھر اسوں نے کہا مولانا اصل میں یہ چاہتے ہیں کہ وہ
ہو جائے، مولانا ہماری کرسی نہیں چھیننا چاہتے، مولانا اُصول چاہتے ہیں۔ آپ اور
عثمانی کا یہ تاریخی جملہ بھی یاد ہو گا کہ مولوی حاکم بنائے تھے چاہتے ہیں کہ انوں کو
مولوی بنانا چاہتے ہیں۔

”شبیر ملت یہ وقت علی خان ویرا عظیمہ مرحوم سے قرآن و مقصد نے پانچ
سے پہلے ہمیں ذیلی کمیٹیوں میں جب دستور اسلامی کے مسئلہ میں ریت، مٹی اور پتھر
کا مہیا جا رہا تھا تو اس وقت آپ ہی کی حق گو زبان نے صاف الفاظ میں یہ بات
اسلامی دستور کو، کدہ حسب و کدہ پاکستان میں راکھ سے کھوکھلی پشتہ بن گیا تو پھر
اور ہو گا اور آپ کا اور۔ نہ صرف یہ بلکہ میں قوس بنادوں گا کہ اہل فتنہ اور دستور عثمانی
مسئلہ میں ابھی یہیت نہیں رکھتے۔ اس حق گوئی و صاف بیانی ہی کا نتیجہ تھا کہ
درجہ ۱۹۳۹ء میں قرارداد مقصد پاس ہوئی جس کی تیار کرنے والے شیخ سلیمان اور اس کے
ساتھ دن رات ایک کر رہے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قرآن و مقصد کی حوالہ دے کر صرف یہی نہیں
دعویٰ اور پٹیلیوں سے کی تھی۔“ (الحق سہ ۱۶)

صبر استقلال :

شیخ الاسلام علامہ عثمانی حق و صداقت اور صبر و استقلال کا پیرو تھے تحریک پاکستان
کے سلسلے میں علامہ نے جفاشی، بھخت، ہمت جرات، صبر و تحمل اور استقلال کا جو مظاہر کیا
بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے اس عمل میں صلہ کا بے پناہ جذبہ کارفرما حال تھا

☆ اول تو یہ کہ وہ ظاہر و باطن کے یکساں تھے، ان کی زندگی میں منافقت نہ تھی، صاف ستھری شخصیت کے مالک تھے، وہ سیاست غیر فاصلہ سے کوسوں دور تھے کہ سیاسی آغوش بھولی بھی ہوتی رہے اور دوستانہ انداز میں ملتے بھی رہیں۔

☆ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ اپنی شخصیت کو مقام خودی میں رکھتے ہوئے اپنے آپ کو کسی مقام پر گرانے کیلئے قطعاً تیار نہ تھے۔

☆ تیسری بات یہ واضح ہوئی کہ وہ دوسرے کے معاملات میں خنظمین دوسرے دوسرے صاحب الرحمن صاحب جوان کے بلائے بھائی تھے، اختلاف کر بیٹھتے تھے، ان کو ان کے رخنہ کر بیٹھ جانے پر مولانا قاری محمد طیب صاحب سے منوانے جاتا تھا۔ یہ منوانا جاتا ہے کہ علامہ عثمانی کے اختلاف رائے میں قوت ہوتی تھی۔

☆ چوتھی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ان کا معاملہ ان کی ذاتی قابلیت اور شخصی علم و فضل کے باعث ناز کا ساتھ جب تک کسی طرف سے پوری خواہش اور طلب نہ ہوتی اپنے آپ کو رزاں نہ بناتے اور اس کام کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ بہر حال علامہ عثمانی مرحوم ایک عقیم الشان مفسر تھے اور ایک مفسر کو تفسیر میں قدم رکھنے اور قرآن کریم جو سراپا، خلاق کی تعلیم دینا ہے، اس کی اخلاقی قدروں کے جاننے کے لئے علم الاخلاق پر عبور کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ دیگر علوم تفسیر کی، علامہ جب اخلاق کا درس دینے والی آیات کی تفسیر پر قلم اٹھاتے ہیں تو ایسا منطوق ہوتا ہے کہ ایک ماہر اخلاقیات، احادیث کی تہوں کو کھول کر حقیقت سے روشناس کر رہا ہے، چنانچہ علامہ نے آیت (ان الله يامرکم بالعدل والاحسان) کی تفسیر میں اخلاقیات پر جو مفسر اندیشان سے تفصیلی بحث فرمائی ہے وہ علامہ عثمانی کے علم الاخلاق کی بصیرت پر روشن دلیل ہے۔ (اگر وہاں نہ عثمانی، فقہان نہ عثمانی)

علامہ عثمانی کا سراپا

مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوئی مرحوم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کا سراپا

یہاں کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”مطیع قاسمی میں جب میں شروع شروع میں ٹھہرا تو میرے جانے کے پہلے ہی روز شام غالباً ۶ ریشوال ۱۳۳۱ھ کو میں نے پہلی مرتبہ علامہ عثمانی کو دیکھا۔ وہ تیسرہ گندم گول، چہرہ، خط بھرا ہوا، سیاہ مشعر، ریش مبارک، دہرا جسم بھرا ہوا، تہ زیادہ سونا اور تہ پتلا، متوسط قد، رفتار دلیرانہ مگر عالمانہ، ہاتھ میں چھتری، سر پر محمودی مزی ہوئی ٹوپی، سر کے بال کترے ہوئے اور کبھی سر منڈا ہوا، سسائی دار ڈور پئے کا بچا کرتا، مغلی پاجامہ۔ پاؤں میں نکلنے کا سیاہ سپر اور سفر میں بعض اوقات دلی کا بنا ہوا ایک پھول کا جوتا، کبھی اچکن یا شیر دانی پہنے نہیں دیکھا۔ غذا مختصر مگر لطیف، چائے کے شوقین، وسیع القلب، طلبہ کے ہمدرد، نازک مزاج اور نازک طبع، عبادت میں خشوع و خضوع، وقار میں میانہ روی، نگاہیں نیچی کر کے چلتے، دوستوں اور احباب کے ساتھ تواضع، مہمان نواز، علماء کے قدر دان، شرم و حیا کا مجسمہ، اخلاص و اللہیت کی تصویر اور حق گو و بیباک عالم دین تھے، روزانہ شام کو میر کا معمول تھا، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے اور دوپہر کو مطیع میں ہی مولانا محمد الدین انصاری کے ہوا دار کمرے میں سوتے تھے۔ علامہ کے احباب میں حضرت مولانا سر قاضی حسن چانہ پوری، مولانا سید احقر حسین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مولانا امیر اکرم بیادوی اور مولانا امجد الدین انصاری شامل ہیں۔“ (تحلیف عثمانی نمبر ۱۵۵)

ترجمان قاسمی

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے جو نسبت ہے، وہ حلقہ دیوبند میں شہرت اور تواضع کے درجہ پر پہنچ چکی ہے۔ اس نسبت کی وضاحت اور تفصیل علامہ کے علم الکلام کے عنوان میں آپ پڑھ چکے ہیں، جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح مولانا محمد قاسم صاحب حضرت حاجی امجد الدین صاحب کی رہنمائی تھے، اسی

طرح علامہ عثمانیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی زبان تھے۔ زبان قاسمی علامہ عثمانیؒ نے اپنے معرکہ آراء مقالہ "اعتقل و اطلق" میں اس امر کا اصرار کیا ہے کہ یہ مسئلہ اس سے زیادہ اور کوئی امر قابلِ فخر نہیں ہو سکتا کہ میں حضرت قاسم العلوم و خیر القہود مولانا محمد قاسم صاحب کے حقیقی اور مشکل مضامین کو نہایت سلیس اردو اور نہایت واضح عبارت میں اس طرح پیش کر دوں کہ جو اسلام کا جمال جہاں آراء اعلیٰ علم کے سامنے بے نقاب ہو جائے اس عبارت سے واضح ہے کہ علامہ عثمانیؒ کو معانی قاسمی کی تشریح سے کس درجہ شغف اور عشق تھا، اسی شغف کے باعث وہ لسان قاسمی کے نام کے مستحق تھیں۔۔۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا شرف علی تھانویؒ، علامہ عثمانیؒ کو اسی نیت قاسمی کے باعث ان کے تمام مضامین اور تصانیف کی شرح کرنے اور تفصیل کے ساتھ مستقل تصانیف کی صورت میں ظلفہ سلام قاسمی کو لکھنے کی فرمائش کیا کرتے تھے اور اگر ان تشریحات کو نتیجہ جمع کیا جائے تو جو مولیٰ قاسمی کی علامہ عثمانیؒ نے جابجا فتح الہم، تفسیر عثمانی، العقل والہل، اعجاز القرآن، اسلام اور دیگر تصانیف میں کی ہیں تو ایک بڑے درجے تک وہ اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ زبان قاسمی ہونے کے سلسلہ میں علامہ عثمانیؒ کی ذکاوت و فراست علمی کا محسوس نہایت عمدگی کے ساتھ اندازہ ہو جاتا ہے کیونکہ مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم اس قدر عین و دقیق ہوتے تھے کہ ہر شخص کی وہاں تک رسائی ہونا مشکل ہوتی تھی۔ یہ علامہ عثمانیؒ ہی کا کام تھا اور اس سلسلہ افہام و تفہیم کے لئے جو شہرہ جھنڈے فصیح و بلیغ و درسا زبان و دس اور دوا و قلم و دوائے آسمانی تھے، اس خصوصی صفت کے باعث دارالعلوم دہلی ہند میں مولانا محمد قاسم صاحب کی جانشین ہستی علامہ عثمانیؒ اور صرف علامہ عثمانیؒ تھے۔

جانشین شیخ الہند :

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب مددِ دس دارالعلوم دہلی ہند رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی دارالعلوم دیوبند کے ارشد علما و محدثین میں سے تھے۔ اس کے صحیح پائین اور ان کی زندگی کے راجح عمل اور اسرار و رموز کے نہ صرف جاننے والے تھے بلکہ اس راہ پر چل کر صحیح نائب قاسمی ہونے کا ثبوت دینے والے باہت مجاہد تھے، اس مقدس دور مقتدر شخصیت کو دارالعلوم دیوبند کے مکمل ہونے کا اولین فخر حاصل ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دارالعلوم دیوبند خدائے قدوس کی مشیت کا ایک نہیں شاہکار ہے، اگر اپنے دین کا محافظ مولانا محمد قاسم صاحب کے ذریعہ اس مرکز علم کی فتح روشن نہ کرتا تو آج دنیائے اسلام میں جو اجالا اس سے ہوا اس کی بجائے گھٹا نوپ تاریکیوں چھائی ہوئی نظر آتی۔ پھر جب حیثیت اہدی کے بھی اشارے کو دین اسلام کے چکانے کا ارادہ ہوا تو اس نے آفتاب قاسمی کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب عثمانی دیوبندی کو دارالعلوم دیوبند کے مرکز سے پیدا کیا جس کا اجالا عرب و عجم میں پھیل گیا اور بقول حکیم الامت حضرت تھانویؒ لوگ مولانا محمود حسن صاحب کو شیخ الہند کہتے ہیں، مگر میں تو ان کو شیخ العالم کہتا ہوں۔

حضرت شیخ الہند نے اس مجاہدانہ اور عاصات امانت کو جو ان کے استاذ گرامی ان کے سرور کی قہمی پودے طور پر ادا کیا، غرضیکہ یہ روشنی ایک لمحہ کے لئے بھی منقطع نہ ہوئی بلکہ ابھی آفتاب محمودی غروب بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس نے رشد و ہدایت کے جینار اپنے غروب ہونے سے پہلے پہلے روشن کر دیے کہ جن کی جہاں تاب کروں نے تمام دنیائے اسلام کو جگمگا کر دکھ دیا، میری مراد ان سے حسب ذیل حضرات ہیں

- (۱) بچہ روزگار امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری محدث اعظم دارالعلوم دیوبند۔
- (۲) شیخ الاسلام قاسم جانی علامہ شبیر احمد عثمانی مفسر اعظم دارالعلوم دیوبند۔
- (۳) مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد مدنی۔
- (۴) فقیر ملت مولانا کفایت اللہ دہلوی۔
- (۵) مفکر ملت مولانا عبید اللہ سندھی۔

”یہ اور حاضرین جلسہ نے نہایت شوق و رغبت سے سنا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
 بی بی اور تقریر جو علامہ عثمانیؒ نے جلسہ سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ سے منظوری کے بعد پڑھی
 تھی حضرات شیخ الہندؒ سے بے حد پسند کیا تھا، یہ فحوی اپنے مذہبی مصلحت، طرز استدلال،
 فائنشی عبارت، وضاحت زبان اور سیاست کے اعتبار سے حضرت شیخ الہندؒ کی نگاہ میں بے
 حد پسند ہوا، لہذا وہ جانشینی تھی، جس نے ان خدمات کے لئے حضرت شیخ کے دل میں جگہ لی
 اور پھر انہوں نے اپنا ترجمان بنالیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ

یاد آتا ہے کہ شیخ الہندؒ موصوف اسی سال کے آخر یا ۱۹۲۱ء کے شروع میں مالٹا سے
 جھوٹ کر مع خدام کے جن میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی تھے، واپس آئے مگر
 شاید چند ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہے اور وفات پائی۔ اس درمیان میں عقیدت مندوں نے
 برست سے ان کو بلایا مگر خود تشریف نہ لے جاسکے۔ اپنے قائم مقام یا ترجمان کی حیثیت
 سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ہی کو بھیجا، ان مقامات میں سے خاص طور سے دہلی کے جلسہ میں
 ان کی نیابت نہایت یادگار اور مشہور ہے، گائے کی قربانی ترک کرنے کے مسئلہ میں بھی جس
 کو حکیم ہاجل خان مرحوم نے اٹھایا تھا حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
 صاحب نے نہایت واضح و اشکاف تقریر فرمائی تھی، یہ ترجمانی اور نیابت مولانا شبیر احمد صاحب
 کے لئے نہ صرف فخر و شرف کا باعث بلکہ ان کی سعادت اور اجر جہندی کی بڑی دلیل ہے۔

(معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

سید صاحبؒ کی یہ تحریر علامہ عثمانیؒ کے لئے شیخ الہندؒ کی جانشینی اور زبان و ترجمان
 بننے پر ایک دلیل ہے، یہ حقائق تو ایسی جگہ ہیں لیکن ایک بہت بڑی غیر فانی جانشینی جو
 قدرت نے صرف علامہ عثمانیؒ کے لئے لکھی تھی وہ ہے شیخ الہندؒ کے مرنے کے کارنامے۔ یہی
 ترجمہ قرآن کریم پر علامہ عثمانیؒ کی تفسیر یہ رفاقت قیامت تک کے لئے شیخ الاسلام علامہ
 عثمانیؒ ہی کے حصہ میں آئی اور شیخ الہندؒ ور شیخ الاسلام متواتر گرد کام قیامت تک ساتھ

ساتھ چلا جائے گا، اس تحریر کے اثنا میں یعنی جو قرآن کریم کے ٹائٹل پر استاد شاگرد کا نام ساتھ ساتھ چلے گا، اس امر کا کشف ہوا کہ شیخ الہند کے فوائد خود ان کے ہاتھوں سے نہ پورے ہوئے یا دھورے رہ گئے تھے تو کسی اور سے اس کی تکمیل کیوں نہ کرائی گئی، یا نہ ہی کسی کریمہ جانشینی کل و ہبل کی طرح حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ ہی کے حصہ میں نکلی تھی اور بقول حضرت سوہانی :-

نگاہ یار جسے چاہے سرفراز کرے
وہ اپنی خوبی قسمت پر کیوں نہ تاز کرے
اور بقول مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی :-
مگل و ہبل کی طرح ہے مجھے نسبت تجھ سے
لوگ جیتے ہیں مرا نام تیرے نام کے ساتھ

حاجی وجیہ الدین صاحب مقیم کراچی نے اس ترجمہ اور تفسیر کو شائع کرایا تو اس کے ٹائٹل پر یہ عبارت لکھوائی ہے۔

(ترجمہ) از جمعۃ الاسلام شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہ۔

(مع فوائد) راس المفسرین شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ۔

اس ترجمہ اور تفسیر کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے اور کروڑوں مسلمانان ہند و پاک کے مطالعہ میں یہ ترجمہ و تفسیر آچکے ہیں اور روزانہ آتے ہیں۔ الغرض علامہ عثمانی کو اپنے استاد کی جانشینی کا یہ سرٹیفکیٹ قدرت کا عطیہ ہے۔ (تجلیات عثمانی)

نسبت حکیم الامت :

محمد دا عظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے مجدد اور مصلح تھے۔ ان کا روحانی اور علمی مقام آج کی دنیا میں آفتاب نصف

نہانی طرح روشن ہے۔ ایسی صاحب عقلمت ہستیاں اور دوسرے اہل علم کی قابلیت کا
 ہجرت کر کے تو یہ ان کے لئے باعث سعادت ہے، یوں تو دنیا میں اب مدح سرائی کا بازار
 گرم ہے، لیکن حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زندگی کسی کے بے حقیقت تعریف یا مبالغہ
 سرائی سے قطعاً بے نیاز تھی، ان کی زبان مبارک سے کسی کی تعریف ایسی کٹاوت میں حقیقت کی
 یک جہی دنیا رکھتی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے علم و فضل کے بارے میں انہوں نے
 بعض مجالس تقریر اور علمی محبتوں میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ علامہ موصوف کے لئے مایہ
 مدافقہ ہے۔ ۱۲، ۱۱، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ کو دارالمطہوم دیوبند کے اصلاح نصاب کی مجلس
 معلوم میں منعقد ہوئی۔ اس میں جہاں اور حضرات کلمی میں شامل تھے ان میں علامہ عثمانیؒ
 بھی تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آپ مدرسہ فتح پوری دہلی کے صدر مدرس تھے، اس مجلس میں
 قیام الامت تھانویؒ بھی تشریف فرما تھے، جو مجلس کے سرپرست تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی
 عالم جمعیت الانصار و ندیدہ اوجلاس موثر الانصار میں لکھتے ہیں

"حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی
 تصانیف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ سے فرمایا کہ مولانا شبیر احمد
 صاحب مدرسہ فتح پوری دہلی کو چونکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی کتابوں سے ایک خاص
 مناسبت ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا عمامہ ان کو دوں، آپ اس امر کا اعلان
 فرمادیں، مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے حضرت مولانا تھانویؒ کی اس قدر افزائی کا اعلان
 فرمایا، اس کے بعد حضرت سلطان العلماء شیخ الہند مدظلہم سے اجازت لے کر مولانا اشرف
 علی صاحب مدظلہم نے اپنا عمامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے سر پر رکھا۔"

(داور و مقررہ انصار ص ۵۹-۶۰)

حکیم الامت تھانویؒ کا علامہ عثمانیؒ کے سر پر مد رکھنا ان کے لئے ایک خاص
 عادت مندی اور خوش بھیبی کا موجب ہے، جس پر بھتا فخر کیا جائے کم ہے۔ ان کے لئے

یہ ایک خاص شہقت یقیناً علامہ عثمانیؒ کے لئے سرمایہ حیات ہے اور میرا دعویٰ واقعی و قائم ہے نسبت حکیم الامت کے عنوان کیلئے پورا ہونا ہے چونکہ اس مجلس میں حضرت شیخ الہندؒ بھی تشریف فرما تھے اس لئے حضرت تھانویؒ نے ان سے اجازت لے کر علامہ کے سر پر ہر باندھا بہر حال علامہ کے لئے ان دونوں بزرگوں کا اعزاز اجتہاد و وجہ کی خوش قسمتی ہے۔ اس کے علاوہ موتر الانصار کے اجلاس اولیٰ بمقام مراد آباد علامہ نے جو اپنا مقالہ ”الانصار“ پڑھ کر سنایا تھا اس پر بھی اپنی تقریر کے آغاز میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ان کی بہت سے حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ حضرت تھانویؒ کے الفاظ یہ ہیں

”جو دلائل عقلیہ و وجود صانع، حقیقی اور ضرورت نبوت و رسالت پر مولوی شبیر احمد صاحبؒ نے بیان فرمائی ہیں، اب ان سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں۔“ (روحانیہ اوسٹو ۱۱۰ ص ۱۱۰)

علاوہ ان میں جمعیت الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۱۲ء بمقام میرٹھ علامہ عثمانیؒ نے جو عالمانہ تقریر فرمائی، وہ بھی ایک تاریخی تقریر تھی، جس نے بڑے بڑے علماء کو جو حیرت مٹا دیا تھا اس تقریر کی کیفیت کا پورا نقشہ مولانا سراج احمد صاحب مدیر القاسم نے الفاظ میں کھینچا ہے۔

”علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر سے موتر الانصار اور دارالعلوم دیوبند کی ایک خاص شان ہو یہ اتھی اور سامعین کو حیرت تھی۔ علامہ عثمانیؒ کے بعد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا وہ شروع ہوا حضرت مولانا کا وہ خط جس رنگ میں ہوتا ہے اس کو سب جانتے ہیں۔ آپ نے وہ خط شروع کرنے سے قبل مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا کہ میں اپنے چھوٹوں کو بھی بڑا سمجھتا ہوں، اگر میرا کوئی معتقد نہ مانے تو وہ جانے میں تو یہی خیال کرنا ہوں یہ مولوی شبیر احمد صاحب جن کی تقریر آپ نے سنی ہے میرے چھوٹے ہیں مگر میں اس کو بڑا سمجھتا ہوں۔ ان کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ یہ سب

پھر ترس گئے، اب ہم کو موت کا رنہیں رہا ہے کیونکہ ہماری جماعت میں کام
نے دلی پیدا ہوتے جا رہے ہیں، بعد ازاں مولانا تھانوی نے دعا کے بعد خطبہ
دور پڑھا کہ وہ شروع کیا۔ (الحکم جلد اول ص ۳۳۱)

حضرت حکیم الامت تھانوی کے مذکورہ الفاظ سے علامہ عثمانی کی علمی قدروں کا
انکشاف سامان ہو جاتا ہے، حکیم الامت کا یہ فرمان کہ ”ان کی ذات سے ہمیں امید ہے
کہ وہ سب پھر ترس گئے“ اب ہمیں مرنے کی فکر نہیں۔“ مولانا عثمانی کی ذات کو چار چاند
دیتا ہے۔ (مذہب احمدیہ ص ۱۱۱)

شیخ الاسلام اور ہم عصر علماء

شیخ الاسلام علامہ عثمانی کو غائبانہ یا حاضرانہ جن علماء و مشائخ سے ان کے علمی
الفاظ تر جاتی یا شاگردی و عقیدت مندی کے سلسلہ میں خصوصی نسبتیں حاصل تھیں، ان کا
تسلیم و تہنیت کیا جا چکا ہے، جن سے علامہ کا مقام علم و فضل واضح طور پر متعین ہو جاتا ہے،
میں ان معاصرین سے علامہ کی علیت پر ان کی زندگی و وفات کے بعد خراج تحسین پیش کیا
جائے اب محکمہ ان کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہے۔

امام احمد علامہ محمد انور شاہ کشمیری

”سپہ دار اعظم دیوبند کے صدر مدرس و رفیع المذہب تھے اور آپ کی ہستی علماء
مذہب حق کی۔ حضرت شیخ الہند کے معتد علیہ میں سے تھے، خود علامہ عثمانی فتح المسلم میں
نکلتے رہے، احمد علامہ کشمیری کے متعلق معراج النبی ص ۱۵۱ اسلام کے ماتحت لکھتے ہیں کہ
”شیخ علامہ عثمانی ایسی کہ ان جیسی ہستی آنکھوں نے نہیں دیکھی اور خود انہوں نے
بنا جیسی بونی شخصیت دیکھی اور اگر آپ پست زمانہ میں ہوتے تو اہل علم کے طبقہ میں آپ کی
شان شان اوقی اور وہ ہمارے سردار مولانا انور شاہ کشمیری ثم دیوبند ہیں“ میں نے ان

سے سورۃ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر کے متعلق درخواست کی۔" (جمع المصنف جلد ۱)

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد اور پہلے اسارت مالٹا کے زمانہ سے ان کے درس بخاری و ترمذی پر تقریباً نو سو سال تک مسند شیعہ رہے ہیں اور حضرت علامہ عثمانیؒ حضرت شیخ الہند کے دوسرے قائم مقام تھے جنہوں نے حضرت شیخ الہند کی زندگی میں اور بعد ازاں مسلم شریف جیسی جلیل القدر کتاب کا جس پر بخاری کے بعد حدیث کی سب سے بڑی اور صحیح کتاب تسلیم کیا گیا ہے۔ درس و سادات ہیں۔ بہر حال علامہ محمد انور شاہ صاحب کے دلی میں علامہ عثمانی کی جو علمی قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود علامہ کشمیری کے تفسیر اور حدیث کے کتنے ایک مشکل اور دقیق مسائل کو ان سے ان کی لیاقت علمی و صاحب تحریر و تقریر اور ملکہ افہام و تفہیم نے باعث کھولنے کی فرمائش کرتے رہے ہیں اور یہ فرمائش حضرت حکیم الامت قاضی کی بھی علامہ عثمانیؒ سے رہی ہے کہ وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے مضامین کی سب سے زیادہ فہم انداز میں ترجمانی کریں اور نہ صرف یہ حضرات بلکہ دارالعلوم پر جب بھی کسی معاملہ اور معترض کے حصے ہوئے ہیں تو حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ بہتم دارالعلوم دیوبند علامہ عثمانیؒ ہی کو جواب لکھنے اور دارالعلوم کی ترجمانی کے لئے فرمایا کرتے تھے اور مولانا عثمانیؒ اپنی خدا داد کابیت کے باعث ان امور سے بخوبی عہدہ بردار ہوتے تھے۔

چنانچہ جاننے والوں کو یاد ہو گا کہ دارالعلوم میں مسٹر جیمس مسٹن گورنر یو پی کی تہذیب جب مولانا ابوالکلام آزادؒ کا معترضانہ مضمون زمیندار میں شائع ہوا تو "تشریح والہ دیوبند" کے نام سے علامہ عثمانیؒ نے ہی ان اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا تھا اور خلافت کی تحریک کے مد و جر کے بعد جب سر محمد شفیع دارالعلوم آئے اور انہوں نے تحریک میں دارالعلوم کے علماء کی شرکت پر ایک گونہ اظہار خیال کیا تو لوہورہ کے جلسہ میں جو سر محمد شفیع

نے نے مسعد کی گمیا تھا، علامہ عثمانی ہی کو مولانا حبیب الرحمن عثمانی نے جوابی تقریر کے لئے دیا تھا اور پھر جو جواب آپ نے دیا، اس میں نہایت منصفانہ اور مدبرانہ انداز میں دارالعلوم کی وکالت کی گئی تھی اور بتایا تھا کہ عمامہ دیوبندی شرکت کن مذہبی اور سیاسی فرائض سے تحت اعتدال پسندی کے ساتھ رہی ہے۔ اسی طرح مولانا حبیب الرحمن شیروانی اور دیگر مقتدر شخصیات جب دارالعلوم میں آیا کرتی تھیں، علامہ عثمانی ہی حضرت مہتمم صاحب کی قرب سے ترجمانی کرنے کیلئے متعین تھے گویا وہ مولانا حبیب الرحمن صاحب اور اپنی ماوراء منی دارالعلوم کی بھی مستحق اور بجا طور پر ترجمان تھے۔ ہاں تو عرض یہ ہے کہ علامہ عثمانی سب کی کامر کے محبت و محبوب تھے اور علامہ انور شاہ صاحب کے دوس میں علامہ عثمانی کی جو قدر تھی اس کا اندازہ شاہ صاحب کی بعض تحریر اس سے بھی بخوبی ہو جاتا ہے، علامہ عثمانی کی فتح مجدد شرح مسلم پر ایک طویل تقریر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں

”علامہ عصر خود مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی محدث و مفسر و کلمہ پد مصراۃ۔“ (اعلیٰ ج ۱ ص ۴۰)

اسی طرح سے حضرات شاہ صاحب نے علامہ عثمانی کے مایہ ناز تلامذہ اور تلمیذہ مقالے ”خوارق عادات“ کی تقریر میں علامہ کے مقالہ کی جس طرز میں داد دی ہے اور علامہ کے علم و فضل پر مہر تصدیق ہے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی ذات ستودہ صفات سے کون سے جو واقف نہیں۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے جان نثاروں، پروانوں اور ممتاز شاگردوں میں سے ہیں جن سے متعلق ایک صحبت میں علامہ عثمانیؒ نے فرمایا تھا کہ ”مولانا حسین احمد صاحب ان جماعت میں ایک مجاہد شخصیت ہے۔“ ستائیں انھیں سب سے دارالعلوم دیوبند

میں حضرت شیخ الہند کی مسند درس پر علامہ الورشہ صاحب کے بعد متمسک ہیں۔ علامہ عثمانی اور حضرت مولانا مدنی دونوں ایک مادر علمی، ایک ہی شیخ کے روحانی اولاد ہیں۔ دونوں پر ولادت مطابقت کی نسبت صاف آتی ہے یعنی شبیر اور حسین احمد اور احمد۔ اب یہ بتایا جائے کہ ایک شبیر احمد اور دوسرے حسین احمد ہوتے ہوئے ان میں کوئی فرق محسوس ہے جس ہستی کا نام حسین تھا اسی کا بھی نام شبیر تھا بہر حال علامہ عثمانی کی ولادت پر اور احمد دہلوی کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا حسین احمد مدنی نے فرمایا: "علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی شخصیت بے مثال تھی، علم و فضل میں آپ کا پایہ بلند تھا، ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے، دانا نام کے علم و فضل اور بلند پایہ شخصیت سے ان کا انکار نہیں کر سکتا، علمی طور پر ان کی شخصیت مسئلہ کل تھی۔ تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ وہ ۱۹۰۷ء تھا اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔" (مجموعہ رسائل، دسمبر ۱۹۳۹ء)

یہی طرح تیسرے عثمانی "پر مولانا مدنی" کے تاثرات گزشتہ اور ق میں آچکے ہیں جس سے مولانا مدنی کی نگاہ میں علامہ عثمانی کا علمی مقام اعلیٰ من اعلیٰ ہے۔ دونوں حضرات حضرت شیخ الہند کی نگاہ سے تارے اور درجہ معلوم و دہلوی کے پایہ و رتبت میں جن پر اس مادر علمی کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی دل سے قربا رہے تھے، ہر ایک دوسرے کے علم و فضل کے قائل تھے۔ وہ انھوں نے سعادت سے بہت دور ہیں جو ان میں باہمی آویزش کے اندر نہ رہنے اور افتراق کی مہلک کو وسیع کرے میں دیکھا رہے۔ وہ باہمی نظریات اور افکار کا اختلاف یہ علم و فضل اور دانش و عقل کے حجاب سے اختلاف نظر و فکر سے انسانی نقطہ کو روٹی نصیب ہوتی ہے یہ کس دانائے بتایا ہے۔ یہ کشن علم کے ددخو بصورت پھولوں کو گلے کا دہرے بنانے کی بجائے ان کی پتوں کو افتراق بنانے کی کوشش میں آزاد یا جائے۔ ان دونوں باہمی نظریات کو قریب سے دیکھئے اور قریب سے کوشش کیجئے اور علامہ عثمانی کے پیغام کفایت و خطبہ صمدیت مسلم ملک کا تقریب میرٹھ

مہارت پڑھنے جس میں علامہ عثمانی نے مسلم ٹیک کے حامیوں کو سولہ تاحسین احمد مدنیؒ اور
 علامہ آزاد جیسی جلیل القدر شخصیتوں کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کی پرزور
 زمت کی ہے اور اسی طرح قائد اعظم کو کافر کہنے والے کانگریسیوں کی بھی قطعاً حوصلہ افزائی
 نہیں کی، علامہ نے ایک اور کانگریس کے معتقدین اور سیاستدانوں کو حد اعتدال اور دائرۃ
 تدبیر میں رہ کر کام کرنے کی طرف پورے غموض اور حس نیت سے توجہ دلائی ہے۔ خطبہ
 صدرت مسلم ٹیک کانفرنس میرٹھ میں علامہ عثمانیؒ نے مولانا مدنیؒ کے متعلق تحریر فرمایا
 "بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ کیا گیا ہے میں اس پر
 نگاہ بزدلی کئے بغیر نہیں رہ سکتا، مولانا کی سیاسی رائے خواہ کیسی ہی ہو ان کا علم و فضل
 بہرحال مسلم ہے اور اپنے نصب العین کے لئے ان کی حریمت و ہمت اور انکے جدوجہد ہم
 سب کے کاموں کے لئے قابلِ عبرت ہے، اگر مولانا کو اب مسلم ٹیک کی تائید کی بنا پر میرے
 ہاں میں غلغلہ بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے ان کے ایمان اور اس کی برہکی
 میں کوئی شبہ نہیں"۔ یہ عبارت علامہ کی بلند کرداری اور اعلیٰ انسانیت کا منہ بولا ثبوت ہے۔
 (انجلیت جلی)

جناب مولانا صاحبزادہ عبدالرحمن صاحب اشرافی فرماتے ہیں کہ

"شیخ العرب والہجیم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی راہ شیخ الاسلام علامہ شبیر
 احمد عثمانیؒ سے مختلف تھی، لیکن آپ علامہ عثمانیؒ کی علمی بصیرت کے پورے شرح صدر سے
 قائل تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے الفاظ یہ ہیں

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علامہ زماں محقق و درساں حضرت مولانا علامہ
 شبیر احمد عثمانیؒ زید مجدہم کو دنیا کے اسلام کا درخشندہ قیام بنایا ہے، مولانا نے فرمایا
 مہسوف کی ہے مثل دکاوت ہے مثل تقریر ہے مثل تحریر، عجیب و غریب تبحر و غیرہ کے
 نکالت علیہ سے ایسے نہیں کہ کوئی شخص مصنف حراج نہیں شامل کر سکے، جن حضرات کو

مولانا سے کبھی بھی کسی قسم کے استفادہ کی نوبت آئی ہے، وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے ایک دفعہ بتلایا کہ مولانا حسین احمد مدنی

مجھے خط لکھا ہے کہ برصغیر کی تقسیم سے ہمارا نصف صدی کا سیاسی رشتہ اب ٹوٹ چکا ہے۔ یہاں

کے حالات اور تقاضے اور ہیں اور آپ کے ہاں کے اور۔ اب آپ جمعیت علماء ہند

بجائے وہاں کے مسلمانوں کی بہتری اور اسلام کی خدمت کیلئے جو رونا سونگھیں اس پر

فرمائیں۔ مولانا مدنی کی سیاسی دیانت لائق تحسین ہے کہ آپ نے علماء پاکستان کو جمع

علماء ہند کی سیاست سے بالکل علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا اور دعا گو رہا کہ جو ملک اسلام

نام پر بنا ہے، اس میں واقعی مسلمانوں کا فائدہ ہو اور اسلام کی خدمت ہو، پھر آپ جب

اس دنیا میں تشریف فرما رہے، جمعیت علماء ہند نے پاکستان کے کسی سیاسی معاملہ میں

کوئی دخل نہیں دیا۔ مولانا احمد علی صاحب نے حضرت مدنی کے اس خط کے بعد یہاں

علماء حق کی سیاسی جماعت جمعیت علماء اسلام میں باضابطہ شرکت کر لی اور پھر ایک وقت

کہ آپ کل جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر منتخب ہوئے اور شیخ الاسلام علامہ شیعہ

مدنی کے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔ (امین ماسٹرن لاہور)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی :

مولانا سندھی مرحوم شیخ الہند کے قلمرو میں سے ہیں اور حضرت شیخ کے

مدتوں جلاوطن رہے، آپ بھی علامہ کے معاصرین میں سے ہیں اور دونوں ایک ہی

کے شاگرد ہیں، انہوں نے علامہ مدنی کے مقالہ ”الروح فی القرآن“ کے بارے

مکہ منقرہ کے قیام کے دوران بذریعہ ڈاک اپنے رجمہ کرکے بھیجے جو درج ذیل

تھے ہیں :

”اس کتاب کا ایک ایک لفظ میرے لئے نہایت بصیرت افروز ثابت ہوا اور

مشکل مسئلہ کو اس قدر آسان کیا کہ جس کی داد جس قدر میرا دل دے رہا ہے اس پر عقیم میں نہیں ایسے بہت کم ہیں گے۔ میں حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی قوت بیان کا مشکل جانتا ہوں۔

(مدائن ایمان مطبوعہ مجلس ملی ۱۳۵۴ھ)

مولانا سندھی نے علامہ عثمانی کے رسالہ پر ان کے انتہائے کمال کا اعتراف کیا

جے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی :

آپ بھی حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے تھے اور علامہ عثمانی کے ہم عصر علامہ میں بلند مقام پر فائز تھے اور اپنے زمانہ کے زبردست فقیہ، فرشتہ سیرت اور سرنجام مرنج رک تھے۔ علامہ عثمانی کی رحلت پر مدرسہ امینیہ کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

”مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات حسرت آیات ایک سانحہ عقلی اور واجب کبریٰ ہے، مولانا مرحوم وقت کے بڑے عالم، دہا کہ لا محدث مفسر، خوش بیان مقرر تھے۔“

(امید، جمعہ دہلی ۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی :

آپ عظیم الامت تھانوی کے اکابر حلقہ میں سے تھے اور ایک بڑے عالم و محقق اور مؤرخ تھے علامہ عثمانی کے ہم عصر اور احباب میں سے تھے۔ آپ نے علامہ عثمانی کی وفات پر ایک محصل مضمون اپنے رسالہ معارف میں شائع کر دیا جس میں علامہ عثمانی کی خدمات اور شخصیت پر مولانا ندوی نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”شیخ الاسلام علامہ عثمانی ایسے دور روزگار صاحب کمال صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کے

علمی کارنامے دنیا میں ان شاء اللہ حیات جاوداں پائیں گے۔ ربانِ خلق سے ان کو شیخ الاسلام کہہ کر پکارا جو اسلامی سلطنت میں قاضی القضاۃ کا لقب رہا ہے۔ ان کے علمی کمالات و نمونہ تفسیر عثمانی اور فتح الہدیم شرح مسلم ہیں۔ تفصیلات آپ کی تالیف ”یادِ رفیقان“ میں دیکھئے یہ کتاب مکتبہ اشرف کراچی سے جنوری ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اپنے دور کے عظیم مداح، مفسر، فقیہ اور صادق دہان تھے، تحریک پاکستان کے نامور مجاہد تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہم عصر اور قریبی ساتھیوں میں تھے۔ تحریک پاکستان کے معرکوں میں علامہ عثمانیؒ کے ہر عہد پر ہر شریک رہے اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی رحلت کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ہی شیخ الاسلام منتخب کئے گئے۔ آپ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند ہے، مگر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے علم و کمال کے معترف رہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا تفصیلی تذکرہ ”تذکرۃ اظہار السیرت میں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی رحلت پر آپؒ اپنے تعزیتی تاثرات میں فرمایا کہ

”موت کے عالم ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جدا کر دیا ہے جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے، قوم ایک ہا عمل اور مذہبی پیشوا سے محروم ہو گئی ہے۔ آپ ہماری جماعت مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے صدر تھے۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ہم نے کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ غلیل تھے، مگر ایک اپنا پیام مولانا ظہور احمد دیوبند کے ہاتھ میں ملا جس سے کہیں بھگو دیا، میں نے دیوبند جا کر آپ کو جمعیت کی صدارت کے لئے عرض کیا، آپ نے صدارت قبول فرما کر جمعیت کی بنیاد مضبوط کر دی اور صحت یاب ہونے پر انہوں نے دیوبند

برخودہلی وغیرہ میں پاکستان حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کو جو شیے انداز میں تیار کیا پھر صوبائی الیکشن میں آپ نے بمبئی، لہور اور پشاور تک متعدد جلسوں میں شرکت فرمائی اور مسلمانوں کو پاکستان کیلئے ووٹ دینے پر آمادہ کیا پھر سرحد و سیلت ریفرنڈم کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور میں نے قائد اعظم کی درخواست پر دن رات کام کیا اور الحمد للہ کامیابی میں کی۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر قائد اعظم کو مبارکباد دی تو انہوں نے جواب میں فرمایا
 ”مولانا اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہی ہیں ساری کامیابی علماء کی بدولت ہوئی ہے۔“

قائد اعظم نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو افتتاح پاکستان کے موقع پر نئی مملکت اسلامیہ کی پرچم کشائی کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، در اس اہقر کو منتخب کیا۔ مولانا نے راجپوتی میں اور میں نے ڈھاکہ میں بسم اللہ کر کے پرچم پاکستان ابر لایا۔ پھر قراردادِ قاصد کو منظور رانے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی سعی بیخ کو بیت بڑا دخل ہے۔

شیخ الاسلام اور نامور تلامذہ :

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آسمان شریعت اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے اور اپنے دور کے مفسر اعظم، محدث، پاسبان، فقیہ، بے بدل، حکم بے نظیر اور خطیب بے مثل تھے۔ تحریر و تقریر کے میدان کے شہسوار اور علوم معقولات و منقول کے جامع اور شریعت و سیادت دونوں کے سرمد میدان تھے، ان کی ذاتِ ربی علم و عمل کا سرچشمہ تھی، ان کی زبان و قلم نے اللہ سے دین کی بے لوث قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور اپنے فیض علمی سے ہزاروں طلاب علم کو فیضیاب فرمایا ہے۔ یہاں ہم چند نامور اور مشاہیر تلامذہ کے مشاہدات و

تاثرات نکال کرتے ہیں جو خود بھی دنیائے اسلام میں بھی حیثیت سے مسلم تسلیم کئے گئے ہیں۔
 پیچھے مفتی اعظم کے تاثرات پیش ہیں۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب :

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء دیوبند میں سے تھے اور دارالعلوم کے صدر
 مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے اور آخر دم تک پاکستان کے مفتی اعظم
 رہے۔ آپ حضرت شیخ الاسلام کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں اور آپ نے ہدایہ اور صحیح مسلم
 حضرت علامہ عثمانیؒ ہی سے پڑھی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانی
 کے علمی جانشین اور تحریک پاکستان کی پوری جدوجہد میں شیخ الاسلام کے دست و پا رو رہے
 اور صوبہ سرحد اور ملک کے طول و عرض میں شیخ الاسلام کے ہر ادوار دورے کرتے رہے
 فریڈک دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تدریس سے لے کر شیخ الاسلام کی رحلت تک سرمد
 میں ان کے شریک کار رہے اور شیخ الاسلام کی نماز جنازہ بھی حضرت مفتی اعظم نے ہی
 پڑھائی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے متعلق فرماتے
 ہیں کہ

”شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ علم و فضل کے پہاڑ تھے اور اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کے ترجمان کی حیثیت سے انہیں شہرت عطا فرمائی تھی۔ آپ ایک عظیم الشان مفسر و محدث، محقق و مکتلم اور خطیب تھے، متعدد کتابوں
 کے مصنف تھے، جن میں اردو تصانیف میں تفسیر عثمانی، الاسلام، العقل و الحقل اور عیار
 القرآن اور عربی میں فتح الہدایہ شرح مسلم آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
 حضرت علامہ عثمانیؒ کو خطابت کا میر معمولی کمال عطا فرمایا تھا، لیکن ساتھ ہی طبیعت میں
 نزاکت و نفاست بھی بہت تھی۔ چنانچہ جب ذرا طبیعت میں ادنیٰ تغیر ہوتا تو وہ غلغلہ و تحریر پر

جائی ختم ہو جاتی تھی۔ فیروز پور میں جب قادیانوں کے ساتھ ہمارا مناظرہ ہوا تو اہل شہر نے رات کے وقت ایک بڑے جلسے عام کا اہتمام کیا۔ خیال تھا کہ اس وقت فیروز پور میں کابرعاء دہلی بند جمع ہیں، جن میں حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب وغیرہ جیسے آفتاب دہلی تاباں شامل تھے۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل شہر کو ان سے استفادہ کیا جائے۔ یہ تو یہ تمام علیٰ حضرات علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے، لیکن جہاں تک خطابت کا تعلق ہے سب کی نظر میں علامہ عثمانیؒ پر لگی ہوئی تھیں کیونکہ ان کی تقریر عالمانہ ہونے کے ساتھ عام فہم بھی ہوتی تھی اور عام لوگ اس کا اثر زیادہ قبول کرتے تھے۔ چنانچہ جلسے کے پروگرام میں آپ کی تقریر کا بھی اعلان کر دیا گیا لیکن جب جلسے کا وقت آیا تو حضرت علامہ عثمانیؒ کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی، تقریر کے لئے انشراح باقی نہ رہا اور علامہ نے تقریر سے غور کر دیا۔ جتنے علماء اس وقت موجود تھے ان سب نے علامہ کو آمادہ کرنا چاہا مگر علامہ عثمانیؒ آمادہ نہ ہوئے بلکہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ تو علامہ پر ناراض بھی ہوئے لیکن میں جانتا تھا کہ حضرت علامہ اس معاملے میں محذور ہیں اور جب تک از خود آمادگی پیدا نہ ہو وہ تقریر نہیں فرما سکتے۔ اس لئے میں خاموش رہا یہاں تک کہ جب تمام جلسے میں جانے لگے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات تشریف لے جائیں میں بعد میں آؤں گا۔ اب قیام گاہ پر صرف میں حضرت علامہ عثمانیؒ کے ساتھ رہ گیا۔ جب کچھ دیر گزری تو میں نے عرض کیا، حضرت آپ کی طبیعت میں کچھ انقباض ہے، یہاں قیام پر تمہارے بے سے یہ انقباض اور بے رحمی کا اثر آپ جلسے میں صرف تشریف لے جائیں اور یہاں نہ کریں تو شاید کچھ طبیعت بیکل جائے۔ فرمانے لگے کہ ”لوگ مجھے خطاب پر مجبور کریں گے“۔ میں نے عرض کیا کہ ”اے علامہ میں جانتا ہوں کہ آپ کی مرضی اور رضا مندی اور خوش ولی کے خلاف ہوئی آپ سے اصرار نہ کرے گا، حضرت علامہ اس بات پر رضی ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد ہم جلسہ گاہ

پہنچی گئے۔ وہاں پر دوسرے علماء کرام تقریر کرتے رہے، یہاں تک کہ مجمع کا وقت و مشرق دیکھ کر حضرت علامہ عثمانیؒ کے دس میں خود بخود آواز کی پیدا ہو گئی اور پھر خود ہی سٹیج پر تیزی سے کہا کہ "میں بھی کچھ کہوں گا" اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ حضرت علامہ کی تقریر ہوئی جس نے حاضرین کو سیراب کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو تحریر کا بھی حاسن ملکہ عطا فرمایا تھا، جب حضرت شیخ ہند نے آزادی ہند کی جدوجہد کے لئے جمعیت العلماء ہند قائم فرمائی، اس غرض کے لئے دہلی میں عظیم الشان اہلاس طلب فرمایا تو اس کا خطبہ صدارت حضرت شیخ الہندؒ کو دینا تھا، حضرت کو خود لکھنے کا موقع نہ تھا اس لئے آپے علاحدہ میں سے متعدد حضرات کو یہ خطبہ لکھنے پر مامور فرمایا۔ آپ کے متعدد تلامذہ نے آپے اپنے اندر میں یہ خطبہ لکھ لیکھ حضرت سے جس خطبے کو پسند اور منظور فرمایا وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کا تحریر فرمودہ تھا، چنانچہ حضرت نے وہی خطبہ پڑھا اور وہی شائع بھی ہوا۔ محض دررہم دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ نے درس حدیث دیا اور "خرمیں و راہلوم کے صدر مستم" کی حیثیت سے کام لیا، پھر دارالعلوم سے مستغنی ہو کر تحریک پاکستان کے سلسلے میں موثر اور مفید خدمات انجام دیں، جس کے نتیجے میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان وجود میں آئی، پھر بقیہ عمر اسی مملکت میں سلامی دستور و نظامت کی مساعی میں پاروں دی اور قرار و اہتمام جیسا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ رحمتہ اللہ رحمۃ۔

بدر العساہ مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ

آپ بھی دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاہ میں سے تھے، حضرت علامہ محمد نور شاہ کشمیریؒ و حضرت علامہ شیخ احمد عثمانیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم کے مدرس رہے، فہم حدیث میں خاص مہارت تھی، آپ حضرت شاہ صاحبؒ

حضرت علامہ عثمانیؒ کے علوم کے حاضری زبان تھے۔ فیض الہدیٰ شرح صحیح بخاری، ترجمان السنۃ اور جوہر القلم طبعی شاہکار ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے علم پر سہا سال ہا صد اسلام کا بحیرہ میں درجہ حدیث دیا پھر تقسیم ملک کے بعد اپنے استاد مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے قائم کردہ دارالعلوم الاسلامیہ غزوہ الیاء میں حضرت علامہ کی خواہش کے مطابق درجہ حدیث میں مشغول رہے، پھر پاکستان سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کی اور آپ کا مسکن بیت وارش و سعودی عرب اور خصوصیت سے افریقہ میں بہت پھیلا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد دستور اسلامی کی ترتیب و تدوین کا جو اہم کام حضرت شیخ الاسلام نے شروع فرمایا تھا، اس میں سب سے اہم کردار جن مشارعہ نے کرام نے ادا کیا ان میں سب شیخ الاسلام مولانا تقی محمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دہلوی، مولانا مفتی محمد حسن، امرتسری، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا محمد ارباب کاندھلوی، مولانا خیر محمد بانہدہری، مولانا شمس الحق دہلوی اور مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر دہلی کے اسامہ راہی سر فہرست ہیں۔ آپ حضرت علامہ عثمانیؒ کے ہاتھ اور قابل فخر شاگرد تھے اس لئے حضرت علامہ کے اہم دینی و علمی کاموں میں آپ ان کے دست راست رہے اور ان کی سرپرستی میں ہم دینی خدمات انجام دیں۔ یہ سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی کہ حضرت شیخ الاسلام کی رحلت جب بہاولپور میں درجہ تعلیم کی کوشش پر ہوئی تو مولانا بدر عالم صاحب بھی اس وقت بہاولپور میں مقیم تھے، آپ نے ہی اپنے استاد مکرم کو غسل دیا اور آخری وقت میں حضرت علامہ کے قریب رہے۔ (مراجعہ بہ تعلیمات عثمانی)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب :

آپ دارالعلوم دیوبند کے مستم اور مشارعہ، میں سے تھے، حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے نامور اور معتد بہ شاگرد میں سے تھے اور علامہ عثمانیؒ سے قریبی تعلقات

تھے، اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنے اکابر اور خصوصاً علامہ عثمانیؒ کا نمونہ تھے۔
(تکلیف الاسلام کا تفصیل تذکرہ راقم کی کتاب "ذکر طیب" میں ملاحظہ فرمائیے) اپنے استاد
مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے مستند علیہ السلام
میں سے تھے، غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے، علم متحضر تھا اور بڑا شیخ علم تھا، علوم
علیہ سے خاص ذوق تھا، منطق و فلسفہ اور علم کلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ حکمت قاسمیہ
کے بہترین شارح تھے۔ دارالعلوم کے اونچے طبقہ کے اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔
جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بھی آپ ایک عرصہ تک شیخ التفسیر رہے اور علمی خدمات انجام
دیتے رہے۔ اپنے آخری دور میں دارالعلوم دیوبند کی صدر مجتہد بھی رہے اور دارالعلوم کی ترقی
میں لڑیاں کروا کر ادا کیا۔ صحیح مسلم کی بہترین شرح حکمائے اہل انداز میں لکھی اور حکمت قاسمیہ کو
اس میں نمایاں رکھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے تفسیری فوائد جو حضرت نے ترجمہ کے ساتھ شروع
فرمائے تھے، آپ نے پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آپ بے مثال خطیب تھے اور خطبات میں
قاسمی علوم بکثرت بیان کرتے تھے اور تحریر و تقریر میں ان ہی علوم کا غلبہ تھا۔ سیاسی شعور اونچے
درجہ کا تھا، ملکی معاملات کے آثار چرچا کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے رہتا تھا اور اس بارے
میں چمکی ملی رائے قائم کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی رہنمائی کی تحریک میں شریک
رہے، جمعیت علماء ہند کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا آخر مسلم لیگ کی تحریک میں
شامل ہو گئے اور جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستانی پارلیمنٹ
کے ممبر منتخب ہوئے اور پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی جہد و جہد میں نمایاں حصہ
لیا۔ قرار و امتداد پاس کر لی، وہاں کی قوم نے آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا۔
پاکستان کے مہاروں میں آپ کا شمار ہوا۔ (شیخ الاسلام جلد ۱)

حجۂ بملت مولانا حفظ الرحمن سیویاروی :

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیویاروی علامہ عثمانیؒ کے ارشد شاگرد ہیں۔ انہوں نے جامعہ اسلامیہ دہلی کے نامور علمائے اعلیٰ اور دورِ معلوم و محض کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ اعلیٰ ترین علمی استعداد کے مالک، غایت درجہ کے ذکی اور طبائع فضلاء میں سے تھے۔ دارالمعلوم دیوبند سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس رہے، متعدد اعلیٰ ترین کتابوں کے مصنف تھے اور ہندوستان کے بلند پایہ مقرر اور خطیب تھے، بہترین سیاستدان تھے، ہندوستانی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے اور ۱۹۴۷ء کے انقلابی جنگوں میں اپنی جان پر کھیل کر ہزاروں کی جانیں بچائیں، کسی غرض سے یکدمبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند آئے اور اپنی نیک نیتی اور علومِ دل سے اپنے استاد گرامی علامہ عثمانیؒ کی عیادت کو آئے جہاں انہیں ملے تھے۔ دورانِ گفتگو اس امر کے خواہاں ہوئے کہ تبادلہ خیالات کے ذریعہ جماعت دیوبند کی سیاست میں ہم آہنگی اور موافقت پیدا کریں، چنانچہ مولانا سیویاروی نے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ

”میں کچھ آپ سے حالاتِ حاضرہ پر نیا مندانہ گزارشات کرنی ہیں، مسئلہ پر شرعی حیثیت سے تو ہم آپ سے کیا گفتگو کرتے یہ وجہ تو ہمارا نہیں البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرتے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں۔ لیکن ہے کہ ان واقعات کو سن کر حضرت وہابی جو رائے قائم شدہ ہے، اس میں تغیر ہو جائے۔“ (معارف، ص ۷۷-۷۸)

چنانچہ علامہ عثمانیؒ کے دولتِ خاں پر ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء بروز جمعہ مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمنؒ، مفتی قشیش الرحمنؒ اور مولانا عبدالحلیم صدیقی تشریف لائے اور سیاست پر تبادلہ خیال کیا، اس گفتگو کو مولانا محمد

ظاہر قاضی نے مرتب کیا جس کا نام ”مکالمۃ الصدورین“ مشہور ہوا۔ تجدیدات عثمانی میں ساری تفصیلات ہیں۔ سیر حال مولانا سیو ہارادی نے اپنے استاد مکرم علامہ عثمانیؒ کا یہ حوالہ نام و کرام فرماتے تھے جو اس مذکورہ گفتگو سے ظاہر ہے۔

(ماخوذ تاریخ دارالعلوم دیوبند اور تجدیدات عثمانی)

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ :

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء و علماء میں بلند مقام پر فائز تھے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے خصوص اور مستند علیہ السلام میں سے تھے۔ حدیث و تفسیر میں امتیازی مہارت حاصل تھی، وقت حافظہ بھی امتیازی تھی اور اونچے درجے کے ارباب تدیس میں سے تھے۔ عرصہ دراز تک دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر رہے اور کتب تفسیر کے ساتھ دورہ کی کتب حدیث بالخصوص ابوداؤد شریف کو زیادہ تر آپ ہی کے درس میں رہتی تھی۔ اجازت سنت در مجلس ملف کا خاص شغف تھا، علوم شریعہ اور ذہاب ہلالہ میں بہت سی کتب کے بہترین مصنف تھے۔ ”مکتوبات الصالحین شرح التعلیق الصبیح“ ”سیرت المصطفیٰ“ تفسیر معارف القرآن“ آپ کے علمی شاہکار ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد آخر وقت تک جامع اشرفیہ لہور کے شیخ الحدیث و التفسیر رہے اور ان کے دینی کی خدمت میں معروف رہے۔ (آپ کا تفصیلی تذکرہ ”تذکرہ ادریس“ مودودی محمد میاں صدیقی میں ملاحظہ فرمائیے)

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ جب دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے تو ان دنوں مولانا محمد ادریس کاندھلوی حیدرآباد دکن میں مقیم تھے۔ علامہ عثمانیؒ نے تحریک کی کہ دارالعلوم میں دورہ حدیث کی طرز پر دورہ تفسیر کا بھی اہتمام کیا جائے، چنانچہ اس تحریک پر مولانا کاندھلویؒ کو دارالعلوم کے بطور شیخ التفسیر بلایا گیا، علامہ عثمانیؒ نے فرمایا کہ میری

نہجِ محمدی فیہ کے لئے یہی کافی ہے کہ میں نے بحیثیت صدر و مجتہم دارالعلوم مولانا اورس کو شیخ اشیر کے عہدہ پر دارالعلوم میں بلایا، مجھے یقین ہے میرے اس عمل پر اللہ تعالیٰ میری بخشش فرمادیں گے۔ علامہ عثمانیؒ اپنے اس قابلِ اعتماد و گرو کو چن کر کتاب خانہ فرمایا کرتے تھے، مولانا محمد اورس کا مددِ صلوٰۃ اپنے استادِ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بارے میں دیتے ہیں کہ :

”علامہ اہمیت میں حضرت علامہ عثمانیؒ کا مقام بہت بلند ہے اور ان کا علم و فضل دارالعلوم میں مسلم ہے۔ اہمیت کیلئے آپ نے علم کا بہت سا ورثہ چھوڑا ہے، خاص طور پر قرآن ربانی کی تفسیر اور مسلم کی شریعتِ اہلِ کتب اہمیت مسلم کے لئے بہت ہی بڑی میراث ہے، جو چھوڑ گئے۔ مفسرِ احمدیث، افتخارِ علم و اکرام میں اس کا مقام بہت بلند ہے اور اس لحاظ سے اپنے ماتہ کے رارائی و غزالی تھے۔“ (دارالحدیث، ص ۱۳)

مولانا کا مددِ صلوٰۃ فرماتے ہیں کہ

”ایک والد میں شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں حاضر تھا، ٹائے لنگھو میں میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے آپ سے اس لئے محبت اور عقیدت ہے کہ آپ نے اسلام کو سمجھا ہے (دوسروں کو سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں)۔“

یہ عہدہ علامہ عثمانیؒ کی علمی تحقیقات پر گہری بصیرت کا ثمر ہے، اسلام کو سمجھے اور دوسروں کو سمجھانے کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا محقق ہو، بہر حال علامہ کے تحققِ اسلام ہونے پر مولانا کا مددِ صلوٰۃ کا یہ جملہ پوری ترمیمی رہتا ہے۔ (فتاویٰ عثمانی ص ۳۰)

ایک اور جگہ مولانا کا مددِ صلوٰۃ فرماتے ہیں کہ

”علامہ عثمانیؒ تحقیق و تدقیق اور حسبِ بیان میں امامِ جوانمرد شری کی رہبان اور تہذیب اور مولانا محمد قاسم صاحبِ بانی دارالعلوم دیوبند سے مصروفِ رات کے شارح اور ایک فقیرِ مجتہد و مفسرِ جتہم تھے۔“ (نورِ حیات، ص ۱۰۰) (نورِ حیات، ص ۱۰۰)

حکیم اسلام مولانا مناظر احسن گیلانی

آپ شاہ سیر فیضیاء دہلی بند میں سے تھے۔ صاحب طر مدرسہ، نیز دہلی و کراچی
 خواجی میں منفرد تھے۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے آرگن رسالہ "الفتح"
 کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر منتخب کئے گئے۔ دورِ عمر میں دارالعلوم قادیان سے ہندوستان سے
 علمی حلقوں کو مستفید کرتے رہے۔ پھر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے پروفیسر مقرر ہوئے۔
 اس دور میں بہت سی سفید اور مٹی تصانیف آپ کے علم سے نکلیں۔ "کائنات و جہاں"
 "سوانح ابودرغمانی"، "مسلمانوں کا نظام تربیت اور سوانح قاضی" آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔
 تقریر و خطابت نہایت عالمانہ و ادیبانہ اور پر جوش ہوتی تھی اور آپ کا شمار ہندو پاک سے
 مشاہیر علماء میں ہوتا تھا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور
 حضرت علامہ سے بڑی گہری عقیدت و محبت تھی۔ (مولانا گیلانی کے تشکیلی حالات، راقم
 کتاب "اکابر علماء دہلی بند میں دیکھئے) اپنے استاد محترم شیخ الاسلام علامہ عثمانی سے دار
 میں اپنی تالیف "سوانح قاضی" میں فرماتے ہیں کہ

"مولانا فضل الرحمن عثمانی کی برادر است اولاد میں مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی
 حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے اپنے وقت میں
 دین کے افتخار پر آفتاب و اجتاب بن کر چکے۔"

دوسری جگہ مولانا گیلانی فرماتے ہیں کہ

"ایک صدی سے دارالعلوم دہلی بند سے عالم دین بن بن کر نکلتے رہے ہیں، ایک
 کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں اور خود ہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں ایسے کتنے
 جس کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے عقیدت مندوں کی تعداد کتنی
 متناہ ہے۔ ان میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ ابند موہو، محمود حسن

مہر حج سہجی نمبر

دیوبندی امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا قاضی احمد رضا دہلوی اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم جیسے حضرات ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حالات اثر میں مستقل امام اور پیشوا بنے جاتے ہیں۔

(سوانح قاضی جمدی ص ۱۱۳۳)

شخص العلماء مولانا شمس الحق افغانی

شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانی، حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی سے محسوس علامہ میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل و عالم تھے۔ جامعہ اسلامیہ، بھیل میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی زیر سرپرستی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور پھر حضرت علامہ عثمانی نے ۱۹۴۳ء میں جامعہ اسلامیہ ڈھیل کا آپ کو صدر مدرس مقرر فرمایا اور قریب پاکستان تک بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے درس میں حضرت علامہ کشمیری اور حضرت علامہ عثمانی کی محمد ثناء اور مصلحانہ شاں پائی جاتی تھی، درس و تدریس کے ساتھ ساتھ بہت سی علمی تصانیف بھی تالیف فرمائیں، جن میں ”علوم القرآن“، ”شرح شہادہ اسلام، معین القضاۃ، اہل سنت، اسلام و میں فطرت، اسلام، لکیر نہ جب، شرح صحابہ کرام فی اردو، سرمایہ دارانہ اشتراکی نظام، مدارس کا معاشرہ پر اثر، مفردات القرآن اور حقیقت زمان و مکان“ وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔

آپ اپنے استاد کرم شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے سیاسی نظریات کے مطابق دو قومی نظریہ کی تائید و حمایت کرتے رہے اور تحریک پاکستان میں اپنے استاد کرامی علامہ عثمانی سے وقف و کھل حمایت کی۔ حضرت علامہ عثمانی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”میرے استاد کرم شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے بے شمار کارنامے ہیں، ان

تحقیق اسلام مولانا مناظر احسن گیلانی

آپ مشاہیر فضلاء دہلیہ بندہ میں سے تھے، صاحب طرز مصنف، نیز ذہین و دانا
 عہد ہی میں منفرد تھے، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے آرگن رسالہ "القاموس"
 کے ایڈیٹر اور رئیس اقریر منتخب کئے گئے اور عرصہ دراز تک تعلیمی خدمات سے بندہ استانت سے
 علمی حلقوں کو مستفید کرتے رہے، پھر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے پروفیسر مقرر ہوئے
 اس دور میں بہت سی مفید اور علمی تصانیف آپ کے قلم سے نکلیں۔ "کائنات روحانی"
 سوانح ابو ذر غفاریؓ، مسلمانوں کا کھلا تربیت اور سوانح قاسمیؒ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔
 تقریر و خطابت مہارت عامانہ و ادبیات پر پر جوش ہوتی تھی اور آپ کا شمار ہند پاک میں
 مشاہیر علماء میں ہوتا تھا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ارشد شاگرد میں سے تھے اور
 حضرت علامہ سے بڑی گہری عقیدت و محبت تھی۔ (مولانا گیلانی کے تفصیلی حالات، راقمی
 کتاب "اکابر علماء دہلیہ بندہ میں دیکھئے) اپنے استاد اکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بارے
 میں اپنی تالیف "سوانح قاسمیؒ" میں فرماتے ہیں کہ

"مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ کی بر اور است اولاد میں مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ،
 حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے اپنے وقت میں علم
 دین کے افق پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔"

دوسری جگہ مولانا گیلانی فرماتے ہیں کہ

"ایک صدی سے دارالعلوم دہلیہ بندہ سے عالم دین بن بن کر نکل رہے ہیں اور ملک
 کے گوش و عرض میں پھیل رہے ہیں اور خود ہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں سے کتنے
 بزرگ جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے عقیدت مندوں کی تعداد آٹھوں
 لاکھوں سے زیادہ ہے ان میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

دیوبندی امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا خلیل الرحمن صاحب دینی اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم جیسے حضرات ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقہ اثر میں مستقل امام اور پیشوا بنے جاتے ہیں۔

(سورج نامی ہدای میں ۱۱۳۳)

شخص العلماء مولانا شمس الحق افغانی :

شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانی حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے مخصوص شاگرد ہیں۔ تھے اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل و عالم تھے۔ جامعہ اسلامیہ ذابھیل میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی زیر سرپرستی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور پھر حضرت علامہ عثمانی نے ۱۹۴۳ء میں جامعہ اسلامیہ ذابھیل کا آپ کو صدر مدرس مقرر فرمایا اور قیام پاکستان تک علمی و تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے درس میں حضرت علامہ کشمیری اور حضرت علامہ عثمانی کی محفذانہ اور حکمائہ شان پائی جاتی تھی۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ بہت سی علمی تصانیف بھی تالیف فرمائی، جن میں ”علوم القرآن“، ”شرح مشکوٰۃ اور اسلام، معنی القضاۃ و القضا، اسلام، میں فطرت، اسلام عالمگیر، مہربان، شرح منہاج دیوبند، اردو، مہربان، دارالافتاء کی نفاذ، مدارس کا معاشرہ پر اثر، مفردات القرآن اور حقیقت زمان و مکان“ وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔

آپ اپنے استاذ اکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے سیاسی نظریات کے مطابق دو قومی نظریہ کی تائید و حمایت کرتے رہے اور تحریک پاکستان میں اپنے استاد و گرامی علامہ عثمانی کے موقف کی مکمل حمایت کی۔ حضرت علامہ عثمانی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

”میرے استاد و گرامی شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بے شمار کارنامے ہیں، ان

کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ کشمیر کی جنگ کو جہاد قرار دینا ہے، حضرت علامہ عثمانیؒ ایسے عظیم محدث اور محقق تھے، حدیث کے حافظ اور شارح تھے، وہ قرآن پاک کے منہر تھے، انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر لکھ کر پوری دنیائے علم پر احسان فرمایا، وہ ہم فقہ و نگار میں بھی ایک بلند مقام پایا اور تکمیل پاکستان کے سلسلہ میں ان کی عظیم خدمات ناقابل فراموش ہیں۔“ (برائیت ۲، مجموعہ اصغر صاحب)

(علامہ الطائیؒ کے تفصیلی حالات احقر کی کتاب ”تحریک پاکستان اور علامہ نے دیوبند“ میں ملاحظہ فرمائیے)

محدث العصر محمد یوسف بنوریؒ

حضرت مولانا بنوریؒ کو شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور ہمیشہ کا نام مایہ ناز سے احترام و عقیدت سے لیتے تھے۔ ”معارف السنن“ اور دیگر تصنیفات میں حضرت علامہ عثمانیؒ کو ”ہمارے شیخ محقق العصر“ کے الفاظ سے یاد فرماتے ہیں۔ مصر تشریف لے گئے تو وہاں شیخ محمد راہہ الکوثریؒ کی خدمت میں حضرت علامہ عثمانیؒ کی طرف سے ”فتح المہم“ کی دو جلدیں بھیج دی گئیں اور حضرت عثمانیؒ کا تفصیلی تذکرہ اس سے کیا۔ شیخ کوثریؒ نے اس پر بڑی نہ مغز تہ بیت لکھ کر دی اور حضرت عثمانیؒ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک خط بھی لکھ جو ”انوار عثمانی“ (ص ۸۳ تا ۸۸) میں منسوخ ہو چکا ہے۔ مولانا بنوریؒ نے چونکہ مدت تک حضرت علامہ عثمانیؒ کی معیت میں کام کیا اس لئے دونوں کے درمیان بڑا گہرا تعلق رہا اور حضرت علامہ عثمانیؒ ”پس سے ایسا معاملہ فرماتے تھے جو ایک شخص رفق اور ہم عصر دوست سے کیا جاتا ہے۔ حضرت علامہ عثمانیؒ مدت تک بامعہ اسلامیہ ڈیپارٹمنٹ میں رہے لیکن آخر میں مصروفیات و عوارض کی بناء پر ڈیپارٹمنٹ کے بھائے

حمید اللہ وغیرہ کو پاکستان لائے۔ ورنہ حضرات نے اسلامی دستور کے اصول پر مشتمل یہ
دستوری خاک تیار کی تھی۔ پھر قرارداد مقاصد کی تیسری و منظور کی میں بھی مولانا تھانوی حضرت
شیخ الاسلام کے دست و بازو بنے رہے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں علوم دینیہ کی ایک مری
ورسہ "دارالعلوم نذوالہ یار" کے قیام کی ذمہ داری و جمعیت علماء اسلام کی نگرانی وغیرہ
اہم خدمات بھی حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے مولانا تھانویؒ کے سپرد فرمادی تھیں
جنہیں مولانا نے اپنی اپنی قابلیت و صلاحیت کے ساتھ باحسن و جود انجام دیا۔ مولانا
تھانویؒ کے تفصیلی حالات راقم کی کتاب "تذکرہ خطیب الامت" میں مذکور فرمائے۔

حضرت مولانا اقسام الحق تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "بڑی قربانیوں اور بڑی محنت
اور کوششوں کے بعد ہم نے یہ اسلامی ملک حاصل کیا ہے گو ہم اس کی خدمت کے قابل نہیں
ہیں لیکن جو کچھ دین کی خدمت ہم سے ہو سکتی ہے وہ ہم کر رہے ہیں یہاں حضرت مولانا
سید سلیمان ندویؒ کے وہ جسے مجھے آج بھی یاد ہیں جو غنی دہلی میں تقسیم سے چند مہینے پہلے
دوران گفتگو میں ارشاد فرمائے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ پاکستان کے متعلق آپ
کا کیا خیال ہے؟ فرمایا ٹھیک ہے خدا کرے پاکستان بن جائے لیکن یاد رکھئے آپ ایسی جگہ
اور ایسی جگہ زمین میں پاکستان بن رہے ہیں کہ اگر آپ لوگوں نے وہاں محنت نہ کی تو یہ
اندیشہ اور بڑا خطرہ ہے۔ میں نے اس کی تفصیل پوچھی تو فرمایا کہ دنیا میں یہ ہوتا آیا ہے کہ
ہمیشہ پہلے فتنی انقلاب آتا ہے، پھر ملکی انقلاب آتا ہے۔ آپ لوگوں نے یہ کیا کہ پہلے ملکی
انقلاب لے آئے، فتنی انقلاب اب آپ کو پیدا کرنا ہوگا اس لئے بڑی سے بڑی محنت لگی
اگر کسی ایسے آدمی کے پاس یا کسی قوم یا گروہ کے ہاتھ میں آ جائے جو اس کی صحیح قدر و قیمت
کو نہ سمجھتا ہو تو یاد رکھئے کہ وہ محنت کبھی اس کے پاس باقی رہنے والی نہیں۔ ذہن بھی اس کے

محقق بنائیے، فرمانے لگے کہ جو کام پہلے کرنے کا تھا وہ آپ کو بعد میں کرنا پڑے گا بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ یہ بات میرے دس میں بیٹھ گئی اور یہاں آ کر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ایک شاگرد اور ان کے خادم کی حیثیت سے کاموں میں لگے رہے اور حضرت شیخ الاسلام سے سیکھا کہ یہاں پر دین کا کام کسی طریقہ پر کرنا چاہئے۔

حضرت شیخ الاسلام کی ایک مخصوص عادت، اور ایک الگ روش تھی، جس اس کی ہمت بھی کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مرتبہ کراچی شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے قیام نیے ایک جگہ کا انٹرنٹ ہوا اس نے کہ شہید امتیازت علی خان کی یہ خواہش کہ مولانا عثمانیؒ کسی کے پاس قیام نہ کریں بلکہ الگ اپنے مکان میں رہیں، ایک مکان ماٹ ہو گیا، اتفاق سے یہ مکان کچھ قانونی دشواریوں کی بناء پر کینسل ہو گیا، کسی نے حضرت مولانا عثمانیؒ کو اطلاع دی کہ جگہ کا انٹرنٹ منسوخ ہو گیا چنانچہ اسی دوران ایک جلسہ ہوا، شیخ الاسلام چونکہ بڑے اہمیت تھے جب بولنے پر آتے تھے تو ماشاء اللہ خوب بولتے تھے۔ مولانا عثمانیؒ نے فرمایا کہ جب بنگلوں کا انٹرنٹ کینسل ہو سکتا ہے تو درختوں کے انٹرنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں اس پر امتیازت علی خان نے مجھ سے کہا کہ مولانا عثمانیؒ ہمیں اس سے بھی سخت باتیں کہیں تو ہم برا ماننے والے نہیں۔ کل کو آکر پبلک ہمیں جوتے مارنے لگے تو بچانے والے بھی مولانا علی ہوں گے۔ حضرت شیخ الاسلام کا یہ جملہ تاریخی ہے کہ ”مولوی حاکم جانا نہیں چاہتے بلکہ مائٹوں کو تھوڑا سا مولوی برنا چاہتے ہیں۔“ شیخ الاسلام جب یہ رہے تو امتیازت علی خان نے مجھ سے فرمایا کہ میری یہ کوشش ہے کہ کسی طرح مولانا عثمانیؒ کی زندگی میں دستور بن جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا خیر خواہ عالم پاکستان کو پھر شاید نہ ملے۔

ہمارے اکابر نے پاکستان کے قیام کیلئے اس وجہ سے جدوجہد کی کہ یہاں لادین غالب ہو اور اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے نام حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا ملتا ہے پھر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور پیر صاحبؒ، انکی شریف وغیرہ حضرات پاکستان کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کا مقصد صرف دین اسلام کا نفاذ تھا اور اسی لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے قراردادِ مقاصد کے نام سے مرکزی اسمبلی میں ایک قرارداد منظور کرائی جس کی تیاری کے لئے شیخ الاسلام دین کے رفقاء نے دن رات ایک کر دیئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام کی یہ دوسری بڑی کامیابی تھی پھر تیسری بڑی کامیابی ہوئی کہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا اس کی تشکیل اور ارکان کا انتخاب قطعی طور پر شیخ الاسلام کی مرضی سے ہوا اور بورڈ کی یہ ذمہ داری قرار پائی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی جاری نہ ہونے پائے گا۔ (کلہ الحق مرتبہ ۳-۳ کھنڈی ج ۱ صفحہ ۴۲)

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات (نیا کمپوز شدہ سوہیا ایڈیشن)

از ! مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

اردو کی سب سے پہلی اور کامیاب کاوش فکر و فکر، نظم و عمل، تامل و تدبیر، حلاوت و شہادت، طہارت و تقویٰ، سیاست و انجائیت، جمع و امتزاج، دین، تعلیم و تدریس، عرض و استماع، جامع مع بخش، پیپرواز، نائل مضبوط جلد، بڑی ہارڈ ریلوایت۔

صفحات 227 قیمت = 99 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہؓ پرنٹنگ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ



یاب : ۴

تفسیر عثمانی، عظمت و افادیت

مولانا ابوجعفر یازن کا کوئی مدظلہ

جامعہ سرسبز العلوم عید کا دوراھر

فوائد عثمانی، جدید تعلیم اور عصری تقاضے

قرآن کریم حضرت حق تعالیٰ جل شانہ کی بھیجی ہوئی کتابوں میں سے آخری کتاب ہدایت ہے، جس میں ہمارے عالم ان نیت کی فلاح و بہبود کا امرانی و کامیابی اور راہبری و راہنمائی کا کامل و مکمل اور افر ترین دستور اور ضابطہ حیات موجود ہے۔

زول قرآن کے کچھ عرصہ بعد سے تاریکات حاس و ماکاں و زمان کی قید سے آزاد و بے نیاز اہل علم نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید کے مفہوم و مطالب کی مختصر و مفصل تشریحات کرنے پر سعی و کوشش صرف کرتے آئے ہیں اور ان شاء اللہ تاقی مت کرتے رہیں گے۔ اسی سلسلہ الذہب کی ایک منہری مالا "فوائد عثمانی" کے نام سے مہم ہے جو دریائے بحورہ کی ہی کلی حقیقت ہے۔ ذوق سیم اور عین انصاف کے مطابق فوائد عثمانی کا دیگر کتب تفسیر میں وہی مقام و مرتبہ ہے جو انٹونی میں گمینہ کا ہوتا ہے، جس میں نہ تو طویل تر و دراز کا منطق و فلسفی مباحث کی بھرمار ہے اور نہ اس قدر اختصار و جنگل جو ناقابل فہم و راز حق بیان ہو اور ایسے ہی۔ تو زاہد خشک کا نہ سمجھ میں آتا الا تصوف ہے ورنہ ہی آزاد خیال حضرات کی من چاہی ہے راہ روی بلکہ افراط و تفریط سے یکسر پاک ہر طبقہ خیال کے ضمیر کو سمجھوڑنے والے فوائد و فوائد ہیں جس میں علم فقہ، تصوف و اخلاق، علم، لائق و غیر لائق و سرار، علم لغت صرف و نحو غرض کہ کتاب اللہ میں مذکور جن علوم و معارف کا کسی عنوان و

حوالہ سے بھی قرآن مجید میں بیان تھا علامہ عثمانی نور اللہ مرقدہ نے اپنے تئیں حق پرست کے الفاظ میں ایسی من موئی تعبیرات بیان کی جس کی مثال نہ ملے سے عقل قاصر اور دور مادہ و حیران ہے۔ دور حاضر کے عقل کل یہ صیاب فہم و فراست جدید تعلیم یافتہ حضرات سے دین کی بات نہتہ مشکل اور سمجھنا مشکل تر بات ہے، جبکہ سونا تو جوے شیر، لہجہ سے برگزہ نہیں۔ خدا بھلا کر سے علامہ عثمانیؒ کا جہاں انہوں نے دیگر فرقہ ماسے راہ سے عقائد و نظریات کا بغیر نام سے مناسب رد و تقاب یہ ہے، وہاں آں موصوف نے جدید تعلیم و حضرات کی طمع را کا خیال کرتے ہوئے خاطر خواہ اطمینان بخش اور غصوں موافق پیش یا جس سے محال انکاری تھا مگر ایں مسدود ہو کر رہ گئیں۔ اس حکیمانہ تدار و طریکیاں۔ پیش کرے سے دیگر عقیدہ، خواہی کا امن، ماحول پر خالی ہے۔ چند ایک مثالیں بطور صیافت طبع کے حاضر خدمت ہیں۔

(الف) شہاب ثاقب آسمان سے نکلنے والا ستارہ جو شیطان کے پیچھے تارے، ان سورت کو تشبیہات و ترمیم دے را ایہ قریب المہم کر دیا ہے کہ جدید حیالات کی موٹو کالوں و طی طور پر ہوا ہو گیا۔ اور نہ دلیل آیت کے تفسیری فوائد میں ہوں و قسطار ہیں

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَرَہَاہَ لِلنَّظَرِہِی ۝ وَحِفْظًا ہَا مِنْ کُلِّ شَیْطَٰنٍ رَّحِیْمٍ ۝ ۱۶۰ اَمِنْ اَسْتَرْقِ السَّمْعَ فَاتَّبَعَتْ شَہَابٌ مِی ۝ (ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھے، النور پیلے ہمارے اس وراثت بخشی ہے اور ہر مرد و شیطان سے اس کی حفاظت کی مگر بدوی سے س کر رہا گا تو اس کے پیچھے انکار ہو چکتا ہو اڑتا ہے)

(نور اللہ عثمانی) ہم قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان (یا شیطان) امور کے متعلق آسمانوں پر حسب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خدا مدد قہر اس مسئلہ میں دشمنوں کوئی بھیجتا ہے تو وہ اعلان تک حاصل نہایت سے سمجھ و پیر سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ چہنچاہے، اگر ساء دین پر اور بھاری ٹیپ روایت نے موقوف (عن) (ہاں) تئیں رہتا

اس کا مذاکرہ کرتے ہیں، شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق یہی معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بدیعہ و اثریسی، نئی فوں چارہا ہو، اسے بعض لوگ راست میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ (شہاب ثاقب) پھلتا ہے، ورنہ یہی خطرات کی چوری کرنے والوں کو بخروج یا جلاک سے چھوڑتا ہے۔ اسی دواوش اور ہنگامہ وار و گیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ نہ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی غفلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

شہاب ثاقب کی کامل و مکمل تشکیل جس سے عظیم القدرت جدید تعظیم یافتہ مرد کے امیساں قلب کا، امر و موافقش یا مکیا، ہاگل اسی طرح کی آیت اور تمثیل جو جدید طبقہ کے امین کاغذی سامان ہو سکتی ہے، سیدنا سیدنا علیہ السلام اور پرندوں کی بویوں کے بھلے سے بارے میں ہے جو بقول ہادیہ، انوار الحسن شیر کوئی "سوانا طائی" کی قوت بیانیہ قوت نہایت، ہمت، اداسے قہور، ادب تسلس عبارت اور صفائی و امن کی "نید وری کر رہی ہے" حفظ ہو :

وورث سلبس دار و لال یا بہا الس علما منطق الطیر و اولیا
 من کد حسی ان ہذا لہو الفضل العیس O (سیدنا علیہ السلام و اولیاء کے وارث
 ہوئے اور پہلے، لوگو! ہمیں پردوں کی بولی سکھائی گئی و ہم کو ہر چیز کی گئی سے شک ہے
 صاف بزرگی ہے)

اس آیت سے ہمیں علم و طائی رفتار ہیں

"اس بات کا انکار نہ کرنا کہ پردہ سے جو بویاں ہوتے ہیں اس میں ایک خاص حد تک افہام، تشبیہ کی خاص پائی جاتی ہے۔ ایک پردہ جس وقت اپنے حوزہ سے کوہ کا یا آواز سننے سے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف لہا رخبردار رہتا

ہے، ان تمام حالات میں اس کی ہونے اور سب دلچسپی کھانا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس نے تمام میں اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسی سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے حواس اور ضروریات کے وقت بھی ان کے چمچوں میں (گوہ میں) سختی کی مشاہدہ اور متعارف معہود ہوں) یہاں لطیف و خفیف تفاوت ہوتا ہوگا، جسے وہ ہمیں میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی مشاہدہ مصلحت ٹھکوں سننے رہو، تمہارے خزانہ میں کھنڈے سے مٹی کی حرکات و اصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی، نہیں نیلی ٹراف مار فوراً بتا دیا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں بیکر کی تیرا نیلی تاروں کی کھنڈے ہٹ میں سالی اے رہی ہے کیونکہ وہ اس فقرات تلفزادہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ جی حد اقل یہ یہ بعید ہے کہ واضع حقیقی (اللہ) نے نعمت میں ہر کوئی مختلف معانی و مطالب سے اظہار کیے وضع یہ ہو اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے۔ طور کے بچہ بھی اپنی مٹری استعداد سے اپنی نئی لوح کی بویوں و سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک قلمبر نہ ہی کے حق تعالیٰ کسی نئی کو بھی ان کا علم و فراہم ہے۔ حیوانات کیلئے جزوی دراکات کا حصول تو پیسے سے مسلم چلا آتا ہے، لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کہ حیوانات کی بویوں کا بجد تیار کی جا رہی ہے۔

ماہر مٹائی کی مذکورہ بالا تفسیر پر وہ فہرست جناب انوار الحسن شیر کوئی یوں رقمہ ز

ہیں

پرندوں کی بویوں کو تلفزادہ کی مشاہدہ کھنڈے ہٹ فقرات تلفزادہ کی دلالت وضعیہ موجودہ یورپ کا پرندوں کی بجد کی ترتیب حیوانات کی جزوی دراکات سے ان کی معنی کھنڈے پر استدلال یہ سے ایک ہی پرندوں کی مختلف اوقات میں مختلف ادوار میں مشاہدہ مٹائی جب بچوں کو کھلے سے ہی طرف بدلتی سے تو کٹ کٹ رتی ہے اور حسب جمیل ماحضہ ہو تو یہی

اور جی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

علامہ مفسر کی تحقیقات جدید تعلیم یافتہ کیلئے افہام و تفہیم کے زوالے انداز ہیں۔

(حجرات عثمانی ص ۷۷)

سیدنا سلیمان علیہ السلام اور حیوئی

سیدنا حیوایات پر پرندوں کے بعد حیوئیوں کے بارے میں جو کچھ علامہ عثمانی نے تحریر فرمایا ہے، وہ قدیم و جدید ہر دو طبقہ کیلئے قابل مطالعہ ہے۔

حسب اذا اتوا علی واد السمل فالت لعلہ یا ایہا النعلی اذ حلوا
 بککم لا یحطیکم سلع و جنودہ و ہم لا یسرعون۔ (یہاں تک جب
 میں نے لشکر (حیوئیوں کے میدان میں آئے تو ایک حیوئی نے کہا کہ سے تیرے تیرے
 ہاں میں تمس جاؤ۔ سہارا سلیمان اور اس کا لشکر بے جبری میں تمہیں کچل ڈالے)
 یعنی سلیمان علیہ السلام کا اپنے لڑکے لشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گذر ہوا
 جہاں حیوئیوں کی بڑی بھاری ہستی تھی۔

(تنبیہ) جہاں حیوئیوں کا مل کر خاص سلیقے سے اپنا گھر بناتی ہیں، اسے زبان
 اب میں قریہ اٹھل کہتے ہیں (حیوئیوں کی ہستی) مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی
 جگہوں کا پتہ دیا ہے، جہاں حیوئیوں کی بستیاں بکثرت تھیں، ان میں کسی ایک پر حسب
 قوت حضرت سلیمان علیہ السلام کا گذر ہوا۔ علماء حیوانات نے ساہ سال سے جو تجربے
 کیا ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تغیر ترین جانور اپنی حیوانیت اجتماعی اور نظام سازی میں
 مستحق عجیب اور حوس بشریہ سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح حیوئیوں
 سے نہ ان کے اور قبائل ہیں۔ ان میں اتحاد و اجماع کا جذبہ تقسیم نہیں ہوتا، سوں اور انکا علم و
 سہارا انتہائی کم ہے۔ پائے جاتے ہیں۔

کھنکھس یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چھوٹی چھوٹی مٹی
مکثرت تھیں بہت قیمتی مصنوعات بہم پہنچاتی ہیں۔

علامہ عثمانیؒ نے عقیدہ تریں قلوب چو تنی کی نفسیات اور اس کے اسی حیات سے
بارے میں اپنے فوائد میں جو تحقیقات قلم بند کی ہیں وہ ان موصوف کی بصیرت و فہم
جلالت علمی و تحقیق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سلسلہ حیوانیات میں جس قدر تحریر فرمایا ہے
آیت کے مفہوم و مطالب ایسے نکھر کر بے عیار ہو گئے کہ حریف کی نہ ضرورت و نہ ہی گنجائش
نکارشات عثمانیؒ کو بار بار علامہ حفظہ فرمائیے جو حسن زاد اور انجمن بلاغت کا اچھوتا اور نمر
ہے۔ آیت ذیل کا ترجمہ تفہیم علامہ حفظہ فرمائیے۔

فأوحى ربك إلى السحرة أن اتبعوا من الجبل بيوتاً ومن السحرة
مما يعرضون ۝ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللاً ۝ یخرج من
بطونہا حراب مختلف ألوانہ فیہ شعاع للامس ان فی ذالک لآیة لقوم یتفکرون
۝ (اور اے انسان) تیرے پروردگار نے شہدائی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ
پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں جہاں ٹہیں بانہ جتے ہیں، پھر ہر طرف کے سوسے
پھر اپنے رب سے راستوں میں جو سب پڑے ہیں چل پھر (کھیں) اے بیت سے
پیسے کی چیر مختلف رنگوں کی نکلتی ہے (یعنی شہد) اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔ یقیناً یہ
نور سے والوں کیلئے نشانی ہے)

شہدائی مکھی کو حکم ایسے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی سے جو پھر
ادنی حیوان ہونے کے بہایت کارگیری و ہر ایک صنعت سے اپنا نہایت پہاڑوں اور درختوں
اور مکاؤں میں تیار کرتی ہے۔ ساری ٹھیلیاں ٹپ بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر سب
فرمانبردار اس کے ساتھ کام کرتی ہیں، ان سے رو رو جو سب کہا جاتا ہے جس کے ماتحت

اقتصاد سے مراد طبع کے لحاظ سے مختلف النوع ہونا غرضیکہ آیت کے مناسب کوئی بات نہیں گئی۔ بالخصوص ایک کپڑے کے نظام عملی اور شہد کے کارخانہ کے شیجر کی مصیبت پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔

زفرق تا بقدم بر کھا می محرم

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جائیں جا است

(تجلیات علیؒ ص ۹۷)

حرفہ آخر :

الھام کے قارئین! جھنکین کی خدمت میں ”مثبت صوت از خروارے“ کے مناسب عنوان دو چار مصرع میں نقل کر دی ہیں، جس سے با آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ حواشی باوجود مختصر ہونے کے اراؤں تا آخر متصل و نقل و روایت و روایت، حقائق و معارف کی سیر و زنجیر اور حسن و خوبی کی ایک ایسی مالا ہے جو فراموشی فراموشی سے طرین و زبیر، اسم با سکی لو کہ ہی فوائد ہیں جو درعدن سے کہیں زیادہ قیمتی و گرانمایہ !

پس رمانہ و راز ان جیسی مثال لانے سے عاجز رہے گا۔ یہ بات محض ایک عقیدہ مسلمان خوش فہمی کا دعویٰ نہیں بلکہ ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے، مگر ہر حال خیال سے منصف حراں کو اس کی تائید سے چارہ کار نہیں۔ عقب آں باشد کہ خود جو پید نہ کر عطا کر جوہر دل معاد ہے۔ بیت اگر وہی تعصب و عناد اس حقیقت واقعی کے تسلیم کرنے میں زکات ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا سلیم بہادر ملکاتوی لودھراں
فاضل جامعہ باب العلوم کھروڑ پکا

حضرت علامہ عثمانیؒ

اور

اُن کے علمی جواہر پارے

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تاریخ دارالعلوم دیوبند کی ایک ایسی تابناک شخصیت ہیں، جن پر بحاطور پر فخر کیا جاسکتا ہے اور کیوں نہ ہو اگر ایسی خواہے سے حضرت علامہ نامتقی مزیار الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے بھائی، حضرت مولانا فضل عثمانیؒ (جیسے کہ کہلاتے ہیں) دارالعلوم دیوبند کے فرزند ارجمند اور خلیفہ راشد سوم حضرت عثمان بن عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہونے کے حوالے سے عثمانی نسبت رکھتے ہیں۔ ہاتھ اچھے میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ہمعصر اور رفیق سفر علم، جامع عقائد و اعتقادات مولانا قلام رسول سرحدیؒ، شیخ لہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندؒ وغیرہ جیسے راہبین علم کے تلمیذ خاص و فیض یافتہ اور یہ اور ان کے علاوہ دیگر آسمان علم و شہادت کے منکوار نظر اور حکیم ارست حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے خاص نسبت یافتہ اور خلیفہ اجل ہیں اور اپنے ہاتھ میں آیت من آیت اللہ محمد بن عبد اللہ حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا جو ہر روز قلم رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی عقلمانی لکھتے تھے کہ جس سے بچو خطرہ ہو گا ہر روزی کے اور کچھ صاف نہیں ہوتا تھا اور باوجود دوست سے بھی ملامت تھا اور اس کی محنت و محاسن علم کی قدر افزائی اور سبب تھی۔ غرض ان کی ذات مجموعہ محاسن تھی۔ انھوں نے حضرت اقبالؒ

تیری ستارہ حیات علم و ہنر کا سرور
میری ستارہ حیات ایک دل ناصبور
بلشبہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پر "ناہر بمحقق، مدقق، مبصر، مکتلم، و الفاضل" اور اپنی حیثیت نہیں کھو چکے تو یہ القابات اپنی پاری جامعیت کے ساتھ ہیں و کیا کہوں! حضرت اقبالؒ مرحوم سے منس لیتے ہیں۔

سکھائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے
آدم کو سکھاتا ہے آداب خداوندی
معتبر اور دیدہ و عام دین حضرت مولانا منکور نعمانیؒ حضرت عثمانیؒ ارتحال پر اپنے معروف مجلہ "الفرقان" میں لکھتے ہیں

"استاد جلیل حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہندوستان و پاکستان میں بلند پورے عالم اسلام کی جس چند ہستیوں کے علمی رسوخ اور دینی بصیرت اس دور میں پیدا کیا جاسکتا تھا، بلاشبہ حضرت مولانا ان میں سے ایک تھے۔ نظر و مطالعہ کی وسعت، فکر کی وقت و سلاست اور رہبان و دیوان کی فصاحت و بلاغت و جدوت کی صفات اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان میں جمع کر دی تھیں، ان کو کم اس عاجز نے تو ابھی تک اس میں اس کا ثانی نہیں دیکھا۔ بارہا اپنے بارے میں گزرا کہ کسی علمی اشکال کو سے کہ حضرت مولانا کی خدمت میں ضروری ہو

اور اس وقت برجستہ جو کچھ فرمایا، وہی اس اشکال کا آخری اور شافی جواب تھا۔
 سبھی کسی مسئلے کی سند کی تلاش و جستجو میں رجوع کیا گیا تو فوراً جواب مل گیا کہ فلاں
 کتاب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ جن حضرات کو حضرت موصوف
 سے بھی استفادے کا موقع ہوا ہوگا، انہیں اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ وہ بات
 روایات، فکر کی وقت و مسانمت اور دماغ کے سلجھاؤ میں وہ آپ ہی اپنی نظیر
 تھے۔ اس طرح اپنے مدعا کو بہترین اسلوب اور نہایت دلنشین انداز میں بیان
 کرنے اور دقت سے اقل علمی حقیقتوں کو آسان کر کے سمجھا دینے کا جو خاص
 عہدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو عطا فرمایا تھا، وہ ان کیسے اس کے رب کا
 خاص علیہ تھا۔ ایک مبصر ناقد نے مولانا کی یہی تقریریں سن کر یک زبانی
 ہمدردی اور بالکل صحیح کہا تھا کہ جب مولانا بھی حقیقتوں کو دیسوں اور مثالوں سے
 سمجھانے اور منوانے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فیض اب
 فیض نہیں رہیچا، بلکہ مشہود بن کر سامنے آ جائے گا۔

(دعوتِ اسلام، ۲۹ جولائی، ۱۹۴۷ء، ج ۱، ص ۱۰۰)

لاہور میں خانقاہِ انجمنِ حمایتِ اسلام کے زیرِ اہتمام سیرت کا جلسہ تھا۔ سر محمد شفیع
 رحمانی کا پنجاب بالخصوص لاہور میں طویل یولڈ تھا۔ کی صدارت تھی۔ حضرت علامہ عثمانی
 سیرت جیسے اہم اور نازک موضوع پر عوام الناس کے علاوہ اہل علم اور عالمِ رجال سے
 ہر چہ رجوع اور قدیم و جدید طرزِ فکر کے خوبصورت اور حسین استخراج میں کئی کئی تقریریں
 سامنے آئیں۔ خطبہ دینے کیلئے سر محمد شفیع مرحوم تشریف لائے۔ موصوف نے حضرت
 عثمانی رحمہ اللہ کے طویل خطاب کے بعد کیا صدارتی خطبہ دینا تھا۔ حضرت اقباس نے کہا اور
 فرمایا کہ

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو
کیوں "تش" بے سوز پہ مغرور ہے جگنو

ہاں ایک حسرت کا اظہار ضرور کیا اور ایک کسک جو خطاب کے سننے سے
چلی تھی، اسے اس الفاظ کا جامہ پہنایا، فرماتے ہیں "کاش کہ میری ماں بھی تعلیم سے
مجھے اسی مدرسے میں داخل کراتی، جس مدرسے میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی ماں سے
داخل کرایا۔"

یہ "اس" منکب فکر کے کسی معمولی آدمی کی بات نہیں بلکہ یہ اس کی بات ہے
جس کا اپنے "حلقہ یاران" میں اس دور میں اس کا کوئی جانی نہ تھا۔ اس "حسرت" اور
سے جہاں مرحوم کا سیرت اور علم سیرت سے گہری عقیدت کا پتہ لگتا ہے، وہاں اس سے
حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے ملکہ تقریر، ریسرچ فی اعظم اور سیرت طیبہ پر عشق اور
نظر کا حسین اعتراف بھی ہے، پھر اقبال یاد آئے

زمانہ عقل کو سمجھ ہوا ہے عقل راہ
کے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب اور اک
تو ہے بھر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے
گرنہ آگ ہے موسم، جہاں خس و خاشاک

حضرت عثمانیؒ جب تقریر کے پادشاہ تھے اور جو ہر خطابت سے آرامت و
تھے، وہاں تحریر کیلئے حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا قلم بھی آپ
میں تھا رہے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے اہل علم و فضل نے حضرت عثمانیؒ
نانوتویؒ کا بانی نہیں گردانا، کسی نے قاسم عثمانیؒ کہا، اور کسی نے یہاں تک لکھ دیا کہ مگر مولانا
ردم شمس تبریز کی اور مولانا محمد قاسم صاحبی امداد اللہ فی رہائے فیض ترجموں تھے تو مولانا شبیر

امام عثمان حضرت نالوتوی کی لسان تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علم کلام کے امام
رہنمہ تھے اور آپ نے علم کلام کو ایک نیا رنگ دیا، اگر وقت نظر سے کام لیا جائے تو صاف
کہانی دیکھ کر حضرت نالوتوی ہانی جدید علم کلام ہیں۔ آپ کی تصانیف تقریر و لفظ پر آب
یات جمعیتہ لفظ کلمہ، حجة الاسلام اور ہدیۃ الشہداء اس پر شاہد بدل ہیں۔ حضرت عثمان
سے متعلق مولانا لوارکس شیر کوئی لکھتے ہیں

"نیکس علامہ شہید احمد عثمانی کا قاضی علوم پر اتنا عبور تھا کہ پانی کی طرح ان

سے مسائل درس و تقریروں میں بہتے تھے۔" (میں نے سہ ماہی ۱۳۴۹ء)

حضرت علامہ شہید احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے رسالہ "اعجاز القرآن" میں عنوان
مدنی کلام سے مدنی شان پہنچتے ہیں

"پھر، یکم اول سے آخر تک قرآن مضامین نہایت ثنوت اور کبریائی و

عظمت پر الفاظ اور رد و ردیج میں، اکنے گئے۔ امر یہ کلام اس بشر کا ہوتا،

حسن و ربان سے ہم تک پہنچتا اس فی مظلومیت اور دشمنوں کی سب پر مختلف

چند حدیثیں تو سب کو معلوم ہیں، ماضیوں تھا کہ یہ کلام کے حدیثیں نہ کہیں

ظالموں سے سامنے تعلق، خوشامد، بدامد، بچا رنگی اور موعوب ہونے کے

تبار و خود رہتے، جن کا نام و نشان بھی قرآن میں اول سے آخر تک

نہ ہو سکتا، بلکہ جس رور و شور اور خدائی شوکت سے اسی ترک و احتشام اور

رور سے ساتھ شہر ہوا۔" (۱۹۷۷ء)

درایع علم میں مصوبہ اور قوی ترین ہونے کے ساتھ محفوظ ترین و رہد علم و حق بھی

سے حضرت عثمانی اس ذریعہ علم کی ضرورت اور اس کے طبعی ضرورت ہونے سے متعلق

تاریخات ہیں

”انسان کو بھوک لگتی ہے، غلہ کی خواہش میں مضطرب اور بیتاب رہتا ہے۔
 اختراعات سکر نے لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے،
 زبان سوکھ جاتی ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ سے فطری طور پر بندہ کو بھوک پیاس
 لگائی، اسی طرح ایک اور بھوک اور پیاس روحانی بھی لگادی ہے جو موصولی
 اللہ اور معرفت کی ہے اور یہ بھوک اور پیاس بھی فطری ہے۔ نہ سبب اور اسبب
 اور ازمنہ کا اختلاف اس فطرت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکا۔ مسلمان، یہودی، ہندو،
 عیسائی، یہود، مجوس ایک چیز میں ہیں، اہل بت بعضوں کا راستہ غلط ہے، مگر مقصد
 ایک ہے۔ جو مضمون ہوتا ہے کہ مدیت کی خواہش، پہچانی کی تلاش، وصلہ
 اللہ، معرفت ربانی اور اللہ کے نزدیک ہونے کی تمنا ایک چیز ہے جو کہ انسان
 کے لئے فطری اور طبعی مورد میں سے ہے۔ ہاں جب کبھی چپ۔ کہ آدمی یہ
 ہو جاتا ہے، تو بھوک پیاس جیسے فطری اور طبعی امور بھی اس سے منہ رو کر دیتے
 ہیں۔ ٹھیک س کی طرح وہ ملحد جو کہ دنیا کی زندگی اور لذات میں خود کو پھنسے
 ہیں۔ شاید ان کو معرفت الہی کی بھوک اور روحانی پیاس نہیں رہتی ہے اور یہی
 لئے ایسے روحانی بیماروں کا وجود کسی خاص زمانہ یا مقام میں ایسی دہائی
 کثرت ہمارے موطئت ہونے سے دعویٰ کو محدود نہیں کر سکتی۔“ (یہاں ص ۱۳۸)

بعد امیدین کا خطبہ کس زمانہ میں ہوا صرف عربی یا یہاں اس زبان میں ہو جو
 سامعین کی ہے۔ بعض دانشور اور مفکر میں ملت (برہم خویش) کا یہ دعویٰ رہا ہے (شاید
 سب بھی ہو) کہ خطبہ بعد امیدین سے مقصود چونکہ صرف اور صرف وہ تھا کہ کبر سے تو خطبہ
 جب تک سامعین کی لغت اور زبان میں نہ ہوگا، تب تک مقصود حاصل نہ ہوگا۔ حضرت علامہ
 عثمینی اس بحث وقت سے خطبہ کی حقیقت و برکات کے بعد ایک شبہ اور اس کا جواب تحریر کیا۔

دہاتے ہیں۔

”اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ خطبہ سے اصل مقصود وعظ و تذکیر ہے تو جب کہ قرآن شریف جو کہ انہیں اور ”آخر میں منہم لعلہ یحفظواہم“ کیسے اتارا گیا ہے اور جس کی امانت دے دے اس کے حق میں صاف کہہ دیا ”لیسکون للعالمین مدبرا“ اور جس سے مقصود سوائے تبلیغ عالم اور حکام عامہ نہ ہے اور کچھ نہیں ہے، وہ اس لئے عربی میں اتر آئے کہ ”وہا از مسلمان رسول الا بلسان فلوحد“ اور تمام جمیوں کے دماغ پر فرض ہو کہ وہ جس طرح ممکن ہو اس کو پڑھیں اور سیکھیں، تو اگر فقہاء کرام خطبہ کی نسبت بھی رسول اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہر تمام سلف و خلف کے ہر بحر کے تعامل و تکرار یہ علم کا ہیں کہ وہ مسلمانوں کی سرکاری ہی رہاں میں ہونا چاہئے تو یہ بعید ہے، مسلمانوں کا فرض منہی ہو گا کہ اگر وہ اس وعظ و پند سے مستمع ہونا چاہتے ہیں، تو اس سرکاری رہاں (عربی) کو سیکھیں یا دہاتے ہوں سے دریافت کر میں تاکہ کم از کم خطبہ کا ترجمہ ہی پڑھ سکیں۔ غائبانہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فارس میں شریف و اکابر خطبہ جاری رہاں میں نہیں بلکہ عربی زبان میں پڑھتے تھے۔ (محقق قلم میں ہے)

قاضی علوم و فکر کے امین شیخ ابند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبند قادیانہ (بانی) میں ترجمہ القرآن الفکر میں نے ساتھ ساتھ سورۃ ناس تک تفسیری نواد بھی تحریر دے گئے تھے کہ زندگی نے وفات کی راہی تک بٹھا ہو گئے اور یہ عقیم کام اذکورہ ہو گیا۔ اس کی تکمیل و ترمیم کے لئے سوائے حضرت علامہ عثمانیؒ کے اور کس میں ہمت تھی۔

عربی میں مصرعہ بادل الہیہ لکھنے کے تمام تفسیری کام کی تکمیل قدرت نے

جو جن مفسر امام جلال مدین سیوطی کے مفسر میں رہی تھی۔ بعد ازاں جس کا نام عبد اللہ بن علی
 گیا، جو درجہ اعلیٰ میں معتبر ترین تفسیر ہے۔ اردو میں محمود الدین دانا خرقہ شیخ المہدی حضرت
 مولانا محمود حسن کے مختصر، جامع ترین اور بے حد اعلیٰ درجہ کی تفسیر فی قواعد کونک سمائل،
 خانوادہ عثمانی کے چشمہ و چراغ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ لفظ
 المحمد والسمۃ۔ جیسے تفسیر جلالین کے دونوں حصوں میں (علی اختلاف المفسر) میں
 فرق محسوس نہیں ہوتا، یکساں طرز کے معلوم ہوتے ہیں، بالکل اسی طرز میں مختصر اور جامع
 ترین تفسیر عثمانی میں بھی مکمل یک رنگی دکھائی دیتی ہے۔ علوم و معارف کا پیش پا
 خیز ہے۔ تفسیر کا مغز اور نچوڑ ہے اور حضرت مصرعہ علامہ کے علمی کمالات کا سراپا ثابت
 ہے۔ حضرت عثمانی "سورۃ روم کی آیت "لَا تَسْمِعُ الْمَوْتِی" کے تحت جو
 کرتے ہیں :

"مفسرین نے اس موقع پر سماع موتی (مردوں کے سننے کی) بحث پیچیدہ
 دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحیح کراہی کے عہد سے اختلاف چلا آ رہا ہے اور
 دونوں جانب سے نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات
 سمجھ لو کہ میں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے برخلاف نہیں کر سکتا
 مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رو کر یا اختیار خود کرے وہ اس کی
 طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے
 ہو جائے "سے یہ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں، مثلاً کسی
 کسی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کا فعل کا فعل کہلانے کا در فرض سمجھئے ایک
 منطقی نکتہ یہاں پچھلیس جس سے لشکر تباہ ہو گیا، اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے
 اپنی قدرت سے تباہ کر دیا، حالانکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اس کی قدرت کا

کام ہے، اور نہ اس کی حیثیت کے بدوان کوئی یا گولہ چمک بھی اتر نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا: فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ أَذْوَانَهُمْ وَلَكِنُّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ أُولَٰئِكَ هِيَ خَافِقُ عَادَتِ هَوْنِی كِی ہجے سے ظہیر اور مسلمانوں سے "قتل ورنہ" کی نفی کرے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دی گئی، ٹھیک اسی طرح انک لاسمع الصوتی کا مطلب سمجھو یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ بہت حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے تو اس کا انکار کوئی سون نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے شنا ثابت ہو جائے گا، اس حد تک ہم کو سامع موتی کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سامع کے تحت میں نہیں لاسکتے۔ بہر حال آیت میں الاسامع (سنانے) کی نفی سے مطلقاً سامع (سننے) کی نفی نہیں ہوتی۔ (واحد اہم)

سورۃ لیل کی ایک آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو

"وَالصَّهْلُ وَالْبَحْلُ وَالْحَمِيرُ لَمَّا كَبُوهَا وَرَبَّهِ وَبِخَلْقِ مَا لَا

فَعْلَمُونَ" (اور گھوڑے پیدا کئے دوں خچر کی اور گدھے کی ان پر سوار ہو اور

نہانت کیلئے پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے)

یعنی سواری کرتے ہو اور (سوار ہو کر ایک طرح کی) عزت و شان ظاہر ہوتی ہے (تنبیہ) عرب میں گدھے کی سواری محبوب نہیں۔ وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت، تیز رفتور اور قدم باز ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے گھوڑے کی کچھ

حقیقت نہیں رہتی۔ ایک مردہ دل بندی سے خوب کہا تھا کہ چاروں میں "مردہ نہیں رہتا" ہے۔

سورۃ نجم کی آیت ماحصل صاحبکم و ماعویٰ۔ (بچکانیں جبہ رافتی،
نہ بے راہ چل کے تحت تفسیر میں لکھتے ہیں

انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور قدرت
دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے سے
بعد آفتاب و درخشیاں طلوع ہوتا ہے، ایسے تمام انبیاء کی تشریف باری نے بعد
آفتاب محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت سے سنا
ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تغیر کی گنجائش
نہیں تو قطعاً ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و مہتاب کا انتظام
کسی قدر مضبوط و محکم ہو چاہئے جس سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت
وابست ہے۔

اب آخر میں حضرت کی ایک نادر تحریر سے امر مذکور کی اہمیت اور اہمیت
وہ بند سے متعلق ایک اہم اقتباس جو فصاحت اور اردو و ب کی جان و
دل پر داری کا اچھا نمونہ ہے۔ وہ سب قسطوں سے اور اسی پر اس مضمون کا
اختتام ہوتا ہے۔

میرے نزدیک آپ کو تاریخ کے سارے دفتر کو انت پٹ کرنے کی
مہارت نہیں۔ وہ بد میں آجاء و رکامی رشیدی (بندہ کی انہی) دار احسن و
دیکھو، وہ خود غن حدیث و فقہ کی ایک مجسم تاریخ ہے کیونکہ اسی سے آج میں
کس و باریق کے زمانہ میں اس محتاج مبرا المیہ خود آج دیا، جس کو مسلمان اپنی

پہنستی سے کھوپٹے تھے یہاں پہنچ کر تم دیکھو گے کہ حدیث کی تعلیم کس طرح
 آتی ہے اور کس طرح جوتی چاہئے اور کس طرح آج بھی اعتناق مطایا کو
 قطع کر کے حائین حدیث کے جوق در جوق مختلف اقطار و اکناف سے چلے
 رہے ہیں اور کس طرح امام بخاری کے ہم وطن آج دایہ بند کے دارالعلوم
 سے اس کے قدم بجز ترکہ کو بی راہ پہنچنے میں سرگرم ہیں اور کس طرح اس سہرتے
 پند قلم سے یہ طبع پہنچ کر اپنے اصلی سرچشمہ سے جڑے ہیں۔

مشاقاب حدیث اور عاشقان رسول کریم ﷺ کے اس جھوم تو دیکھ کر
 متعلمین دارالعلوم بھی تنگ مکانی سے گھبرا اٹھے اور تقریباً چھ سال ہونے کے
 انہوں نے تائیس دارالحدیث کے متعلق داربلندی۔ مسلخوں کے ہر طبقہ
 نے اس کو سنا اور ایسے قبول عام سے ساتھ سنا کہ جس کی نظیر کم از کم میری نگاہ
 سے تاریخ میں نہیں گذری۔ میں نے کسی دارالحدیث بلکہ کسی درگاہ کی نسبت
 نہیں پڑھا کہ اس میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، صبیحہ کرامۃ
 و مجتہدین اور مشائخ عظام رحمہم اللہ عسبر کی طرف سے نزاروں آدمیوں نے
 ہند سے بھیجے ہوں اور ایسے بشارتیں ہیں ہیں ہوں، جو دارالحدیث دارالعلوم
 دارالحدیث کی نسبت میں کی گئیں، وہ وہ تفصیل کا یہ موقع نہیں کہیں میں تاکہ بغیر
 کہیں رہ سکتا۔ جو دارالحدیث عبد ماضی میں بنائے گئے، ان کے بانی مسلمانین
 فرما رہے اور اس کے محرک و مالی معاون فقہ اور متوسط احوال لوگوں کی ایف
 و عفت سے۔ (ایک تو بیرون ہند، ص ۳۹۰)

حرف آخر

حضرت علامہ عثمانیؒ لائقہ و فوجیوں کا مجموعہ تھے۔ قدرت نے اس میں بہت سے

کمال سے ودیعت فرمائے تھے۔ ملک و ملت کیلئے وسیلہ راہ حق تھے اور مراد حق کا ہے۔
ترویج و اشاعت دین اور علم حق کیلئے حضرت رحمہ اللہ کی مساعی نمایاں اور قابل قدر ہیں
اور بقول مولانا عبدالجبار جہ دریا بادی مرحوم

”حضرت حکیم الامت کے بعد علامہ عثمانی کی دانت اب اپنے رنگ میں
قرورہ گئی تھی لیکن افسوس ہے کہ آج یہ بڑی نعمت بھی پاکستان و ہندوستان سے
انٹھ گئی۔“

نواب آف بہاولپور کی دعوت پر جامعہ عباسیہ کاسٹنگ بنیاد رکھنے کیلئے بہاولپور
تشریف لائے کہ وقت موعود آس پہنچا اور یہیں ۳۱ دسمبر ۱۹۴۹ء کو دینی اہل کو بینک کھلا
اے اللہ و اے اللہ و اے اللہ و اے اللہ

” میری روش محض کہاں ہے
میری بجلی میری حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی غلطوں میں
خدا جانے مقام دل کہاں ہے

دفاع امام ابو حنیفہ (اردو) : از : مولانا عبدالقیوم حقانی

امام ابو حنیفہ کی سیرت و سوانح علمی و تحقیقی کارنامے متذکرہ حسن فقہ، قانونی کونسل کی سرگرمیاں
و عیسایہ مناظرے، اجماع، بشارت و قیاس پر اعتراضات کے جوابات، نظریہ انتخاب و سیاست، فقہ
حنفی کی قانونی حیثیت، جامعیت، اور تھکید و اجتہاد کے علاوہ فقہ ابو حنیفہ پر اہم موضوعات پر سیر حاصل
تھیں۔ یہ سیرۃ النبی اکمل مطبوعہ جامعہ ہندی دارشاندہ اور طبع است۔

صفحات 352 قیمت 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، پرنٹنگ پوسٹ، فیس خالق آباد ضلع نوشہرہ

مولانا حکیم انیس احمد مدنی صاحب

ترجمہ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی

اجمالی تعارف و خصوصیات

حضرت علامہ عثمانی "علم تفسیر" بمجم حدیث اور علم کلام میں یکاثر روزگار شخصیت و بیعت کے مالک تھے۔ حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کے زمانہ میں مسلم شریف کا درس پڑھتے تھے، فتح الہیہ شرح مسلم کی تالیف کا عظیم کارنامہ اہل علم کے سامنے ہے، حضرت علامہ سید حسین احمد مدنی مرحوم نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں حضرت عثمانیؒ کو لکھا ہے کہ میں علم و فضل میں آپ کے شاگردوں کے برابر بھی نہیں ہوں اور شیخ الحدیث کے عہدہ سے آپ سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ (انوار عثمانی) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دہلویؒ نے قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور فوائد لکھنے شروع کیے، ابھی سورۃ نساء تک فوائد لکھے تھے کہ حضرت علامہ کا انتقال ہو گیا، ترجمہ کرنے میں حضرت نے حضرت شاہ عبدالقادر سہروردیؒ کو اصل قرار دیا اور ایک صدی کی مدت میں اردو زبان میں جو غیر معمولی تبدیلیاں آئی ہیں ان کی روشنی میں شاہ صاحب کے ترجمہ کی زبان میں جدت پیدا کر دی اور علامہ سہروردیؒ نے حضرت شاہ صاحب کا یہ قرار رکھا۔

حضرت شیخ الہند سیدنا محمد حسن نے قرآن کریم کا ترجمہ عربی سے فارسی میں
مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ حضرت اس مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ کئی اصحاب اور محدثین نے
قرآن شریف کا سب سے پہلا ترجمہ کر کے کی مرہاش کی، لیکن میں نے اپنی بے بساختگی سے مدد لے کر
یہ عرض کیا کہ مقدمہ میں اکابر کے داری اردو تراجم موجود ہیں اور علمائے مقدمہ میں بہت سے
کے تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں، مگر تاہم شیخ الہی میرٹھی سلمہ اور مولانا شرف علی قندلوی
سلمہ کے تراجموں کو احقر نے تفصیل سے دیکھا ہے۔ جو آثار اذہمہ مترجمیں نے ترجمہ
فطیویں سے پاک و صاف ہیں اور عمدہ و ترجمے ہیں، مگر اب کسی جدید ترجمہ کی بی ضرورت
ہے۔ مگر جس کے کہ مترجمیں کی فہمست میں ایک نام کا اصرار ہوا، اصحاب نے پھر بھی یہ
جاری رکھا، مجبور ہو کر میں نے عرض کیا کہ میں تراجم مقدمہ اور جدیدہ کو غور سے دیکھتا ہوں،
اس کے بعد اگر کوئی نفع سمجھ میں آیا تو اس کے بعد آپ حضرت کے فرمانے کی تعمیل، اس کا
دور نہ معذور ہوں، اس کے بعد میں نے حضرت شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ اور حضرت شاہ
شاہ ولی الدین و مولانا شاہ عبدالقادر قدس اللہ اسرارہم کو غور سے دیکھا تو یہ امر بہت ناگوار
معلوم ہو گیا کہ اگر یہ مقدمہ میں اکابر قرآن شریف کی اس ضروری خدمت کو انجام دیتے تو
اس شدید ضرورت کے وقت ترجمہ کرنا بہت دشوار ہو جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے جو انعامات شمار کئے ہیں ان میں ترجمہ فتح اور فتح و فتح
شمار کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر با محاورہ ترجمہ کے بانی اور امام ہیں، اور اس کے بعد میں
نے ترجمہ کیا ہے، وہ با محاورہ ہی ترجمہ کیا ہے، چونکہ با محاورہ ترجمہ سے قرآن شریف کا
آسان ہو جاتا ہے اور سب کے تراجموں کا مقصد بھی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کا مال ہے

پارہ پنجم میں جو کچھ علم و تربیت کھلتی قرآن اور معنی حویہ کو اس حد تک ہوا
 ہے کہ جس سے وہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس کے کلام کی حویہ کو اور اس اغراض و اشارات
 جو اس سے پیدا ہوئے ہیں مختصر الفاظ میں ہیں سمجھ جائیں تو ہم جیسے لوگوں کے لئے فخر کی

حکمت شاعر فصیح الدین کا کلام یہ ہے کہ تحت لفظی ترجمہ کا التزام کر کے ایک
 ترجمہ کی صورت اور مطلب غیری کو بھی ماخذ سے نہیں جانے پایا۔ اس ترجموں کی بے
 فائدگیوں کے باوجود ہمارا جدید ترجمہ اگرنا ہوگا اگر شہیدوں میں داخل ہوئے کے
 لئے ہے۔

اس سے کہ نہ ہمارے ترجمہ میں کوئی غلطی اور منہجیت زادہ ہے، جس کی وجہ سے
 یہ ترجمہ حاکمیت ہو یا سابقہ ترجموں میں کوئی نقص یا غلطی ہو جس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔
 ہمارا یہ ترجمہ اس مقدمہ میں سے ایسے کیسے ہیں کہ اس صیغہ یا اس سے بہتر ترجمہ کرنا تو ممکن
 نہیں ہے۔ اس کا پوری طرح سمجھ لینا ہی ہمارے بے باک و افتخار ہے۔

اس چھان بین میں آپس بات دل میں بیٹھتی کہ حضرت شاہ عبدالقادر کا قصہ و
 انوار و حمید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارہ نہ ہو جائے یہ نہیں قدر ناقہ روانی ہے اور بد قسمتی
 کہ اس وقت ہوگا جس میں قصور بھی ترجمہ کا نہیں ہوگا بلکہ لوگوں کی طلب کا قصور ہوگا۔

اس لئے حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کی خدمت اس طرح کی جائے کہ جو
 کلام اور کلام کے متعلق ہو گئے ہیں، ان کو تبدیل کر دیا جائے اور بعض مواقع میں ترجمہ
 کے تحت غلط جو اصل ترجمہ کی غلطی سے لیکن اٹھائے رہا نہ ہو کہ بہت پسندی و مذاق طبیعت
 نہ ہو کہ اب یہاں تک تو بہت آگئی ہے کہ جس کی وجہ سے ایسے حمید و ناقہ قدر ترجمہ

کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے ایسی جگہ کوئی مختص لفظ رکھ دیا جائے تاکہ کھلی رہے۔
پھر اشاء اللہ شاہ صاحب کا یہ صدق قاضد جاری رہے گا اور اس طرح سے اس کا جرنے بزم خدا وشار میں کیل سے رفو کرنے کا ارادہ کریا۔ ۱۹۳۶ء میں یہ ترجمہ ۱۰۰۰

حضرت شیخ ہند فرماتے ہیں

یادگار شاہ محمد القادر ترجمہ موضع قرآن مجید
وہ آسان معدن صد خوبی کرد ترجمہ اقل اعویہ
بے شش و پنج کھنڈ محمود سال او فرقان نمید

آخر میں فرماتے ہیں "ہماری غرض صرف یہ ہے کہ یہ عمدہ اور مفید ترجمہ جو اہل علم اور خواہ دوئوں کو مفید ہے، ایک تھوڑے سے بہانے سے نظروں سے واصل نہ ہو جائے اور ہم اس کے فیض سے محروم نہ ہو جائیں۔ اس لئے ہم نے حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ میں ترجمہ و اضافہ کیا ہے، حضرت شاہ صاحب کے اصل ترجمہ کی خوبیوں پر بھی آپ نے کافی روشنی ڈالی ہے۔

سورۃ نساء کے بعد جو فوائد ہیں وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کے تحریر کردہ ہیں۔ حضرت نے سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء کے فوائد میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرنا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ یہ حضرت شیخؒ کے تحریر فرمودہ ہیں اور ان میں کچھ ترجمہ و اضافہ میں سوء اولی کا احتمال ہے۔ حضرت مولانا عثمانیؒ نے اپنے فوائد میں محققانہ انداز میں مطالبہ کیا کہ شکی تخریج فرمائی ہے، لطائف و معارف کا ایک مستند ان فوائد میں جمع کر دیا ہے، بہت سے اشکالات جو راہنمائی اور محمدین نے پھیلار کھے تھے، ان کو حل کرنے کے لئے بڑے بڑے دفا ترجمہ بھی کفایت نہ کرتے، وہ حضرت نے اس فوائد میں جمع فرما دیئے ہیں۔

خاص طور سے فرقہ مرزائیہ اور ملحدوں کے ابھار کا قلع قمع فرما رہا ہے جو کہ اس
 بڑی بہت بڑی ضرورت تھی، اور حضرت کے اس فائدہ سے چوری ہو گئی ہے، حضرت کے
 بارہ میں سب کا مخصوص رنگ محققانہ، مفسرانہ اور محدثانہ چوری طرح موجود ہے، آپ نے
 رب العالی تفسیر ابن کثیر وغیرہ تفاسیر کو پیش نظر رکھا ہے، ان مختصر فوائد کو کئی بڑی بڑی
 تفسیر پر فوقیت حاصل ہے، جن کا صحیح اندازہ اس کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

یہ حدیث اور فوائد ہندوپاک میں بار بار چھپ چکے ہیں، تاج پھنی نے بھی شائع کیا
 ہے، انہی کی مجلس اشاعت قرآن نے نہایت عمدہ کاغذ پر بانگ کاغذ سے چھپوانے کی
 شے مفت تقسیم کیے ہیں۔ لعلواہم اللہ تعالیٰ۔

یہ ترجمہ و فوائد فارسی زبان میں نکل کر کے صوبہ افغانستان نے بہایت
 احترام سے ۱۳۲۳ھ میں طبع کر کے شائع کیا۔

حضرت شیخ اہد قدس اللہ سرہ نے عام مسلمانوں میں قرآن حکیم کے درس کا
 سلسلہ شروع فرمایا، اور اپنے شاگرد کو حکم دیا کہ وہ اس سلسلہ کو پھیلاد میں۔

حضرت کے جو سلسلہ درس جاری فرمایا تھا، اس میں حضرت مولانا شبیر احمد دہلوی
 حضرت مولانا حسین احمد دہلوی، حضرت مولانا محمد شفیع مفتی صاحب، میر و آپ کے درس
 میں شریک ہوتے، لیکن آپ کا وصال ہو جانے سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا، بہر صورت
 طلبہ کی کوشش میں جو درس قرآن جاری ہوا اس کے تحریک دہلتے تھے، حضرت علامہ
 شمس الدہلوی کی ایک تصنیف اعجاز القرآن بھی ہے۔

تفسیر عثمانی ایک عہد آفرین تفسیر

جناب مولانا ابوبکر علی قلم صاحب دینی و دنیاوی امور میں سب سے پہلے توجہ فرماتے ہیں جو ان میں سے انہیں معارف و تحقیق اور مطالعہ تفسیر کا شوق اور میل تھا۔ یہ سب پریشانیوں سے منسلک مسائل ان کی عقلی و شرعی تہمتوں کا سبب اور آپ فصل احکام لکھتے ہیں۔

”اور اس مندر عام کی کتاب کو دیکھیں جو قرآن کے نام سے معروف ہے۔
آیا وہ خدا کا کلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جب تم اس کی تفسیر کرو گے تو تم لوگوں کی کتاب میں تہذیب اخلاق، طریق تمدن و معاشرت، اصول حکومت و سیاست، ترقی و اصلاحیت، تعلیم و معرفت، ربانی و انسانی حقوق، توحید و قلوب، غرض یہ کہ اصولی و الہی اور تفسیر و فاریت حادی کے وہ حق و توحید و سادہ و سادہ و سادہ نظر میں آئے ہیں کہ آفرینش عالمی و مہم پروردگار ہے اور جن کی ترتیب و تدوین نے ایک نئی قوم کے نئی فرد سے کئی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و علم کا تعلق کرے کہ ساتھ جن کے بغیر حقوق اور حقوق کا تعلق صحیح طور پر نہیں ہو سکتا اور وہی حقوق دوسری مخلوق کے حقوق کو پہچان سکتی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و موثر اور درجہ بالا و بیانات اور یہ کام کا توجہ اور روانی، سب مستحق سلاست، اس سبب ظاہر ہوا کہ اس کی لغت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شکوہ و یہ سب چیزیں اس کی میں جہوں نے بڑی بلند آستی سے سر سے جہان کو عقائد کا چھینچا پیدا ہے۔“

سبقت سے قرآن کے جمال جہاں آراء نے غیب کی نقاب الٹی اور آدم کی اولیٰ کو اپنے
تہ و ثنائیں کیاں کا پروردگاری رہا کہ میں خدا نے قذوہ کا کلام ہوں اور بشرط خدا کی
میں جی رہیں اور خدا کے سورج جیسے سورج اور خدا کے آسمان جیسے آسمان پیدا کرے
ہے وہاں جو ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسے قرآن بنانے سے بھی وہاں جو ہے کی۔

انہی جمل جملانہ کے اس بڑے مجاز سے "قرآن مجید" کا ایسا بڑا زور دیاں افروز
نہایت الہی ہستی کا نام "شیخ" علامہ علامہ شبیر محمد عثمانی ہے "آپ اپنے وقت کے
"محدث افسر و حکم فقید و بارع نقاد و خواص مکر علم اور اعلیٰ مذہب تھے۔"

(آج اس بڑے مسرت موقع پر جب دہنامہ تقاسم کے خاص علامہ عثمانی نمبر میں
میرے تفسیر عثمانی کے تعارف کا ایک معمولی خدمت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ علم تحقیق، جستجو
ذہنی رو سے یہ تحریر ایک حقیر سی کاوش ہے مگر تمسک اہل حق، انتساب و اتباع کے حوالہ
ہے۔ لے لے انتہائی خوش نصیبی کی بات ہے کہ مجھ پہ مٹاں وہ علم کو علامہ عثمانی سے
کو نہایت حاصل ہو رہی ہے جو کہ یقیناً میرے سے انتہائی - عادت دہلی و احمدی کا
روایہ ہے)

علامہ عثمانی نے اپنے علم و فضل، تحقیق و تہ قیاس کے جن مظاہر سے دنیا کے علم و
مہارت کو روشناس کروایا ہے اس میں اردو زبان میں قرآن پاک کی تفسیر سب سے اعلیٰ و
مستقامت کی مثالیں لکھے ہوئے ہیں جو کہ محترمہ مرحوم نے حضرت شیخ ابند شیخ الحدیث
علیہ السلام، یوسف بن محمد، محمود حسن کے ترجمہ قرآن پر تحریر کی ہے۔ اس سے پہلے کہ تفسیر عثمانی
کی طرف توجہ دیں یہ ضروری ہے کہ ہم شیخ ابند اور ان کے ترجمہ قرآن کے بارے میں کچھ
باتیں میں لکھتا ہوں کہ ترجمہ قرآن از شیخ ابند اور تفسیر عثمانی کا آپس میں چوں دامن کا ساتھ
ہے، کوئی محسوس نہیں کا ساتھ ہے۔

دور حاضر میں قدم قدم پر پائے جانے لگے ہیں، اخلاق و تقویٰ کی بات ہو جائے اور انھیں ہو چکی ہیں، تعصب اور بے اعتدالی عام روش ہے، دینی سن و سہرے سے طرہ سے محبت کی تاک اہل کمال تسلیم کر لے گئے ہیں۔ اور کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے۔

"حضرت سب سے بڑا فتنہ ہے اہل علم کے لئے۔" سو ایسے دور میں، دور میں، دور میں کے دینی سن کو نہ صرف تسلیم کرنا بلکہ تعریف و تحسین کرنا تاک فتنہ ہے کی افسانہ کی، اور میں ابھی ماضی قریب ہی کی ایک حقیقت کو بھی ملاحظہ کرتے چلے۔

کہ "مولانا ابوالوفا خان، والدہ مہر ترسی اپنے استاد شیخ محمود انصاری کی یادداشت میں" موصوف بڑے پاپے کے عالم تھے۔ ہر فن کی تعلیم دیتے تھے مگر حدیث سے۔ خود آپ خاص اس تھا۔ مہر چشم دید واقعہ ہندوستان کے واقعات میں کہ آپ جس پہلو پہ حدیث کی کتاب رکھ کر پڑھتے تھے۔ مطلق اور مفید کتابیں اس پر نہیں رکھتے تھے۔ یہ واقعہ میں اپنی ساری حدت تعلیم میں دیکھتا رہا۔" (قرآن و حدیث سے روز مجس ۱۳۲۲ء)

اور "صاحب مقرر جناب جنس و خرم شاہ اپنی گفتگو سمیٹ رہے تھے انہوں نے کہا، "میں میں آپ کو قرآن فیضی کا ایک آسان نسخہ بتاتا ہوں" "میں نے ہاں کہہ دیا۔" گئے۔ آپ نے فرمایا، "آپ چالیس روز پڑھنا قرآن عظیم کا مطالعہ شیخ عبدالحق محمود الحسن کے اردو ترجمہ کے ساتھ کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے فصل سے یہ کتاب آپ سے ع کا ہو جائے گی۔" (دل میں اترتے حرف ص ۱۲ تا ۲۳۔ سی دب سرائے اسلام آباد، ماہنامہ سادہ، اپریل ۱۳۷۰ء)

نہ سزا ہے وہتی میں نہ ہے بھٹ دشمنی میں
کوئی میر خیر ہوتا کوئی یار یار ہوتا

حضرت شیخ الہند کا ترجمہ قرآن میں انہماک اور ایک اہم انکشاف :

”حضرت شیخ الہند کے لئے ترجمہ قرآن کرنا اس قدر اہمیت کا کام تھا کہ حضرت

کی جہاد ملی مالٹا کے دوران جب جب (کو سمندری طوفان سے سابقہ پڑا تو حضرت نے اپنے دکان و سفر کے سینوں کے ساتھ ترجمہ کیے ہوئے چند پاروں کے اور قی بندھوا دیے تھے کہ کہیں کوئی صورت بچاؤ کی کُل آئے تو یہ اوراق بھی محفوظ رہیں۔

(روایت علامہ شبیر احمد عثمانی، تفسیر مائل بحور)

آخر آہستہ آہستہ اس کام میں مکمل انہماک اور شغف کے نتیجہ میں خود فرماتے تھے کہ ”جیل میں قید کی تھانیاں میں ہیں، میں نے مسلمانوں کے رد وال اور بد حالی پر غور کیا تو دورِ وجودات میرے سامنے آئیں کہ آپس کا اختلاف و افتراق اور قرآن کریم سے دوری، یہ مسلمانوں کے رد وال کی سب سے بڑی وجہ ہیں۔“ (برائے مطلق، عظیم و طبع، وصفاست)

اسی قرآن فہمی سے آپ نے مسلمانوں کو روشناس کروانے کے لئے خانہ اس ولی اللہ کی روایات عطیہ کو معطل راہ بنایا۔

حضرت شیخ الہند کی یہی تڑپ اور لگن، جہاں آپ کو خدمت قرآن (ترجمہ و تفسیر) وہاں اردو کے لیے ہر تن متوجہ کیے رہی، وہیں آپ کی دعوت و تربیت اپنے طلباء و مفسرین کے لیے ایک مسلسل ترقیب و تخریب برائے خدمت قرآن اک عظیم معنی بن گئی۔ آپ ماں جناب کے ہی احباب و علماہ میں ”ولانا عاشق الہی میرٹھی نے ترجمہ و تفسیر قرآن کی خدمت سرانجام دی، اور پھر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفصیلی تفسیر ”بیان القرآن“ منظر عام پر آئی اس شان سے کہ آج تک برصغیر کے مفسرین قرآن کے علوم و معارف، علمی نکات، سلوک و طریقت کے لطیف اشارات سے اپنے آپ کو مستغنی نہیں کر پاتے!

علامہ کے فوائد القرآن پر آراء چاہنے سے پہلے اگر ہم مولانا کی ایک مختصر اور
خوبی کا تذکرہ کر کے انہیں تو آئندہ آنے والے محققین کی آراء جدید کی روشنی میں ہمارا حلق
علامہ کی نگارشات علیہ سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا

شارح علوم ولی النبی، ماہر و محقق حکمت قاسمی

ترجمان محدث کشمیری

واقعہ یوں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں بے شمار انعامات و علوم علامہ رحمائی
کو عطا فرمائے وہیں ایک ایسی محققانہ طبیعت اور ماہر نہ صلاحیت سے بھی نوازا۔ جس کی
بدولت آپ نے علوم ولی النبی کو مکمل طور پر ضبط کیا جو کہ ”حضرت شاہ ولی اللہ (آپ بدشہ
اپنے وقت کے امام العصر، اور مجدد العلوم شرمید تھے، آج خصوصاً قرآنی علوم سے استفادہ
میں آسانی، اور تعلیم قرآن کی جتنی بھی صورتیں نظر آتی ہیں سب آپ ہی کی مساعی ہیں،
مجاہدات علیہ اور دعوت اعتصام قرآن و سنت کا نتیجہ ہیں، آپ نے فارسی میں ترجمہ
قرآن (فتح الرحمن معہ مختصر حاشیہ) تحریر فرما کر باقاعدہ عملی طور پر لہجہ قرآنی اور مطلب ربانی
عام محام تک پہنچانے کی اجتہادی اور اصلاحی کاوش فرمائی ہے اصول تفسیر میں آپ نے
رسالہ نور الکیہ تحریر فرما کر آئندہ آنے والے مفسرین کو سلیقہ تفسیر عطا فرمایا ہے)

حضرت شاہ عبدالعزیز (شاہ ولی اللہ کے فرزندوں میں سب سے زیادہ علوم و
ترویج اور تبلیغ آپ ہی کے ذریعے ہوئی، آپ نے اپنے وادگر می کے نشن کو بدستور جاری
رکھا اور تحریک ترجمہ و تفسیر قرآن کو بڑی جلدی اور جانفشانی سے آگے بڑھایا، فارسی میں
آپ نے مکمل تفسیر قرآن تحریر فرمائی جو کہ ”تفسیر عزیزی“ کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر
عہدہ راہنہ کا یہ قول ہے، قرآن کے قرض سے امت مسلمہ اس بے مثال اور بے نظیر تفسیر
کی بدولت سبکدوش ہو جاتی، بحر شومنی قسمت یہ قرآنی علوم و معرفت کا خزینہ ہے ۱۸۵۷ء کے

قادات میں احمد اوزمان کے باعث ٹٹ گیا، اب بھی جو کچھ باقی ہے مطالب قرآن کے خیال میں اسی تک کی تمام کاوشوں اور خدمتوں پر قائم ہے، حال ہی میں دارالعلوم کراچی کے ہونہار فاضل مولانا سفیر احمد نے موجودہ تفسیر عربی کے ۳۰ اداں پارہ کی تسہیل و تشریح کی ہے، جو کہ دارالاسلامیات لاہور نے شائع کی ہے)

حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ، بہت بڑے امام، عالم کبیر، علامہ دہرہ محدث، عظیم، ماہر اصول، اپنے دور کی مفرد اور روزگار شخصیت تھے، آپ بھی اس خانوادہ کی تحریک فہم قرآن کا مضبوط ستون تھے، آپ کے والد گرامی نے قرآن کو کہنے کے لیے فارسی ترجمہ کیا تھا اور شاہ رفیع الدین نے متن کی پابندی کا خاص خیال رکھتے ہوئے اردو میں اس کا عمدہ و نفیسی ترجمہ (تحت النفاذ) کیا جسکی وجہ سے لاکھوں کروڑوں مسلمان دین و ایمان کی راہ پر گامزن ہوئے۔ ایک ”تفسیر رفیعی“ بھی آپ سے منسوب ہے، دیکھیے محاسن موضح القرآن)

اور حضرت شاہ عبد القادر دہلوی (حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ، مارف باللہ، مفسر و محدث اور کمال شیخ و مربی تھے۔ اپنے پیش رو ایمانیوں کی طرح آپ نے اپنے والد صاحب کی اس تحریک کو اولین مقصد بنا کر اہل ہند کے لیے منجائے کمال تک پہنچایا، اور ترجمہ اور تفسیر قرآن سے روشناسی کا جو بیخ اعرام الناس کے لیے اٹھایا تھا، اسے ہم عروج بخشا۔ ”حضرت شاہ عبد القادر کا با محاورہ ترجمہ ”موضح القرآن“ علمی اور ادبی اور قبول عام کے لحاظ سے اردو ترجموں میں کیا درجہ رکھتا ہے؟ سکے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اہل علم اور اہل بابہ طریقت دونوں اس ترجمہ کو ”اہلی“ ترجمہ قرار دیتے ہیں۔“

(محاسن موضح القرآن ص ۷۰)

حضرات کے انکشافات اور علمی مجاہدات سے مرکب ہیں۔ مفسر قرآن علامہ

اخلاق حسین قاسمی فرماتے ہیں "علمائے دیوبند ولی الہی علوم کے صحیح وارث و امین ہیں ان حضرات نے ولی الہی علوم کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ان حضرات کے درس و بیان سے جو خاص چیز ملتی تھی وہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے اجتہادی علوم کی چاشنی"۔

(کاملاً ص ۱۳۵، ۱۳۶)

پھر حکمت قاسم پر مکمل عبور و مہارت رکھنے والے علمائے کرام بخوبی اس بات سے واقف ہیں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم عقلیہ اور طریق استنباط کس قدر دقیق اور اس کے منجائے مقصود تک رسائی بحر علوم میں گہری غوطہ زنی کے بعد ہوتی ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں " (علامہ عثمانی) آپ اس علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دارالعلوم سے بطور وراثت آپ کو ملتا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی اور دوسروں میں آپ کے علوم کی بہترین تقسیم کے ساتھ تقرر فرماتے تھے۔

(اکابر علمائے دیوبند ص ۱۲)

اور حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں "اس وقت تک سیدنا امام الکبیر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی کسی تحریر یا کتاب کے پڑھنے کا موقع مجھے نہیں ملا تھا۔ حضرت مولانا عثمانی نے، جیسا کہ بعد کو پتا چلا اپنی خدا دادہ ذکاوت و ذہانت کی مدد سے قاسمی نظریات و معارف کو گویا اپنی تصحیم کا ایک مستقل نظام ہی بنالیا تھا، حضرت نانوتویؒ سے خصوصی انکار کو عصری تعبیروں میں پیش کرنا کی غیر معمولی مہارت انکو حاصل تھی، چنگے متعلق مجھے اعتراف کرتا چاہیے کہ مولانا عثمانی سے پہلے میں نے کسی سے نہ سنی تھیں اور نہ کسی کتاب یا مضمون میں اسکا سراغ ملا تھا"۔ (دارالعلوم دیوبند میں بیچے ہوئے دین ص ۱۳۵، ۱۳۶)

اور مولانا سندھ جی فرماتے ہیں کہ "بخیر الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم اور

ظہریت، حضرت مجدد العصر شاہ ولی اللہ کے علوم اور کتب میں سمجھنے کی استعداد پیدا کرتے ہیں۔" اس تحریر کی کئی کئی بار تہ مولانا عمران حسنی

اور تیسری بار روزگار سستی محدث الہند امام المعلوم حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی ہے۔ (جن کے متعلق نائب شیخ الاسلام خلافت عثمانیہ (ترکی) علامہ زادہ الکوثری مصری نے تصحیح کرنا عادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہاشم صاحب شیخ الحدید کے بعد یہ محدث و عالم امت میں نہیں گزرا۔ (پیش رو مسلمان)

جن کی ذات گرامی کے علوم و معرفت سے نیاز مندی کا نتیجہ تھا کہ علامہ حسنی نے اپنے فوائد میں جاہل حضرت کشمیری کی حقیقات کو سرخ، دوران کے علوم و فنون کو بنیاد و تحقیق بنا کر تشریحات و توضیحات آیات قرآنی کا زبردست علمی شاہکار تخلیق کیا ہے۔ آپ کی رفاقت و رہنمائی نے علامہ حسنی کو علوم و معرفت حدیث کا عمر بے کراں بنا دیا تھا۔ مولانا سید احمد رضا بخنوری فرماتے ہیں۔ "واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحب تفسیر کے بارے میں نہایت محتاط تھے اور کوئی بات بھی ان کا بر مفسرین یا جمہور سلف و طلب کی رائے کے خلاف پسند و اختیار نہیں فرماتے تھے آپ کی تالیف مشکلات القرآن و فوائد علامہ حسنی میں آپ کے اقوال اس پر شاہد عدل ہیں۔" (مطالعہ محدث کشمیری ص ۱۲۷)

آگے یہ واقعہ بھی آ رہا ہے کہ اس تفسیر کی کھن راہ کو طے کرنے کے لیے علامہ حسنی نے کیسے حضرت کشمیری سے استفادہ فرمایا ہے۔

خدمت قرآن کی یہ راہ جس قدر مجدد و فاضل کی پادشاهی کی مستحاضی ہے جس طرح اہل و ارفع ہے اسی قدر دشمن اور پڑ مشقت بھی ہے اسی طرح امتحان و احتساب علوم و معرفت بھی ہے۔ سو علامہ حسنی کو اس راہ عشق و وفا میں جو سر فرازی نصیب ہوئی اس نے حرم داستان کا حال ملاحظہ فرمائیے "شیخ الحدیث مولانا عبدالحق بانی دارالعلوم اکوڑہ خٹک نے ارشاد فرمایا۔ "ایک روز دوران گفتگو میں نے دریافت کیا حضرت آپ کی تصانیف

میں سب ایک سے ایک بڑھ کر ہیں "فتح الہکم شرح صحیح مسلم" جیسی علمی اور بلند پایہ تصنیف آپ نے تصنیف فرمائی ہیں اور حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ و تفسیر قرآن کی تکمیل "فوائد عثمانیہ" کے نام سے کی ہیں۔ ان میں زیادہ محنت، تعب اور مشکل اور وقت کس تصنیف میں آپ کو پیش آئی۔ "تو تمہوں نے بڑی شفقت سے فرمایا تصنیف اور تالیف کے میدان میں خدا کا فضل شامل حال رہا جس موضوع پر لکھنا چاہا اللہ تعالیٰ کی مدد نے یادری کی، البتہ "حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے و فوائد کی تکمیل میں بڑے جزم و احتیاط اور سوچ و بچار سے کام لیتا ہوں، اور یہ خدا کے فضل اور اس کے احسان سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔"

(علمی دور مطالعاتی زندگی میں: ۳۹ مرتبہ مولانا محمد اقیوم عثمانی مدظلہ العالی)

اسی طرز کا ایک دوسرا واقعہ ہے جس سے کہ علامہ عثمانیؒ کی احتیاط اور تشریح آیات کے سلسلہ میں انتہائی محنت و کوشش کے اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب حیات نورانی کتاب میں رقمطراز ہیں کہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا

"جب فوائد لکھتے لکھتے ان آیات پر پہنچا جو حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ہیں تو پھر وہ دن ان آیات کے متعلق تحقیق و تفتیش میں سرگرداں و پریشان رہا۔ جہاں تک مکان تھا قدیم و جدید تفسیریں اور شروح حدیث کو چھان بھرا لیکن کوئی بات ایسی قابل تسکین نہ ملی جس سے یہ خلش دور ہو۔ حضرت شاہؒ صاحب اس وقت یہ رحمتے بیماری کے خیال سے انگے پاس جانے سے ہچکچاتا تھا جب دیکھا کہ کوئی صورت تسلی و طمینان کی نہیں تو ناچار حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا

"بے شک ان آیات میں اشکال ہے البتہ میری نظر سے ایک حدیث گزری

ہے جو مستدرک حاکم میں ہے۔ نصف ہی کی حالت میں مستدرک عثمانی دو چار ورق پلٹ کر ابھی تک ایک حدیث تک دی کہ اس حدیث میں اس آیات کے متعلق حل نکل سکتا ہے۔

(حیات النور ص ۳۹۳، ۳۵۰ مولانا انور شاہ کشمیری کے علوم و معارف، مورخہ اقبال قریشی)

سب سے پہلے علامہ عثمانی کو جو تعلق حضرت کشمیری سے تھا اس کے سبب محدث علامہ انور شاہ کشمیری کی تحسین اور تائید و ترغیب کی جاتی ہے، پروفیسر انوار الحسن صاحب اپنی کتاب ”تجلیات عثمانی“ میں رقمطراز ہیں ”مولانا انور شاہ کشمیری“ لکھتے ہیں کہ مولانا شیر احمد عثمانی نے تفسیر قرآن لکھ کر دنیا کے اسلام پر بڑا احسان کیا ہے۔

(بحوالہ معارف پستان کی تفسیر ص ۷۹)

۱۳۵۵ ہجری ۱۹۳۶ء میں یہ ترجمہ شیخ الہند محمد فواد عثمانیہ کے ساتھ شائع ہوا

تو تمام جید اہل قلم و فن نے حضرت علامہ شیر احمد عثمانی کے فوائد کی اعصاب و افادیت کے بارے میں اپنی آراء جید پیش کیں۔ اور دیکھنے علامہ عثمانی اور ان کے فوائد کے متعلق کیسی عکستیں اور رفعتیں تسلیم کی ہیں۔ (پہلی بار حضرت شیخ الہند کا ترجمہ اور بعد میں علامہ عثمانی نے فوائد بھی پہلی بار مولانا مجید حسن مالک اخبار مدینہ مجبور (یو۔ پی) نے طبع کروایا درج ہانا ”راہ ان کے نام اکابرین کے خطوط سے انداز کی گئی ہیں جو اس تفسیر کے شروع میں شائع کیے گئے تھے۔ بعد ازاں میان میں مولانا موصوف کی طرف بھی تلم و خطاب ہے جسے مجبوراً ان فقرات کو فی الحال ہر اختصار حذف کرنا پڑا ہے جس سے ربط میں تھوڑی تا مبالغہ نسبت محسوس ہوگی)

علامہ کے دور کے تمام اہل علم و ماہرین فن مولانا عثمانی کی اس تصنیف و مہر میں

رہے اللہ ان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی تحریر فرماتے ہیں ”فوائد تفسیر یہ کے متعلق اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ معارف قرآنیہ کو اردو زبان میں اس خوبی،

خوشامی، گفتنی، متانت، سادست، فصاحت، بلاغت کے ساتھ مصدقہ شہود پر لانا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہی کا حصہ تھا۔ مولانا موصوف کے قلم حقیقت رقم سے معارف، صدر قرآنیکا کی پیش بہاد خیرہ اہل ہند کے لئے صیاد فرمادیا۔ (”مس۔ ج۔“ تفسیر عثمانی طبع ۱۹۳۵ء اور محمد حسن مالک احیاء مکتبہ مجور (ج۔ بی، ناظرین) ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء)

مولانا حسین احمد عثمانیؒ (جس ہستی کو دنیا شیخ العرب والہم کے نام سے یاد کرتی ہے۔ خود آپ نے اپنے مہم میں ہا اصرار دارا ظہوم دیو ہند میں ترجمہ و تفسیر قرآن کے درجہ کا آغاز کروایا جسکا اجراء مبارک مرحلہ کامل حضرت اشرف علی تھانویؒ نے حضرت عثمانیؒ کی درخواست پر کیا تھا آپ کے ”دروہ سورۃ فاتحہ“ مولانا میاں صاحب نے ضابطہ تحریر فرما کر کے شائع کروائے ہیں) اپنے تاثرات میں بیان فرماتے ہیں۔ ”ان ازمندہ اخیرہ میں حسب دہرہ ازلیہ انما نحسن سر لنا الذکر والذکر لحافظوں اور ثم ان عیسا سادہ قدرت قدیر نے جس طرح امام الاندلس حضرت شیخ البندقدس سرہ العزیز کو پامیادہ ترجمہ قرآن کی طرف متوجہ فرما کر اصلاح عباد کے لئے عظیم الشان سامان ہدایت مہیا فرمایا تھا۔ اس طرح اسکے بعد مولانا شبیر احمد صاحب موصوف کی توجہ تکمیل فوائد اور ازادہ مفصلات کی طرف متعطف فرما کر تمام عالم اسلامی اور بالخصوص اہل ہند کے لئے ہدیم العظیم جتہ ہدیم قائم کر دی ہے۔ ان حواشی اور مہتم ہاشن فوائد سے نہ صرف ترجمہ مذکورہ میں چار چاند لگ گئے ہیں بلکہ ان بے شمار شکوک و شبہات کا بھی قلع قمع ہو گیا ہے جو کہ کو تادہ فہموں کو اس کتاب اللہ اور دین حنیف کے متعلق پیش آتے رہے ہیں۔ یقیناً مولانا نے بہت سی ضخیم ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندروں کو کوثرہ میں بھر دیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ شائقین علم سادق جلد تر اس نسخہ عجیب سے استفادہ کر کے دل و دماغ کو منور فرمائیں گے۔

(”مس۔ ج۔“ تفسیر عثمانی طبع ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء)

مولانا عبید اللہ سندھی (شیخ الہند کے شغف و قرآنی اور دعوت فہم قرآن کی تحریک کا زور اثر جن ذہین، عالم و فاضل استیوں پر پڑا ان میں مولانا عبید اللہ سندھی کا ایک نمایاں مقام ہے۔ آپ نے خدمتِ قرآن کے حوالہ سے کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ آپ کا ہر ایک مخصوص انداز تھا۔ فہم قرآن کو عام کرنے کیلئے آپ نے اپنی تمام عمر صرف فرما دی۔ ہر نئے معارف قرآنیہ کی تحقیق کے مطابق کہیں کہیں آپ سے تسامع بھی ہوا ہے مگر علوم قرآن اور اس کے مطالب و مفاہیم کی اشاعت میں جو کردار موصوف کا ہے اس سے کسی کو ٹار بیس (تفسیر حنفی کے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں نے ایسی تفسیر ابھی تک نہیں دیکھی۔ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہ کی روح کا فرما ہے۔"

(اکابر علما نے دیکھ بندھ: ۹۶)

حضرت سندھیؒ خود بڑے نکتہ ور، نکتہ شناس تھے آپ عقلیات میں توحید الاسلام مولانا قاسم نانوتوی کی نگارشات پر فریفتہ تھے، کچھ جب نہیں کہ آپ کی درج بالا رائے نرمی کی وجہ شاید یہی ہو کہ حضرت علامہ حنفیؒ جیسے الاسلام مولانا قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کے نہ صرف شناسا تھے بلکہ اس کی بنیاد پر افہام و تفہیم کے اک نئے اور نالے انداز سے شارح بھی تھے جس میں علامہ منفرد نظر آتے ہیں۔ سو حضرت قاسم نانوتویؒ کی تعلیمات سے اخذ و استفادہ کا ایک بڑا سلسلہ علامہ حنفیؒ کی ذات سے منظر عام پر آیا۔

مولانا احمد علی لاہوری (مولانا احمد علی لاہوری نے دعوت قرآن اور فہم قرآن کو عام کرنے کے لئے ساری عمر لاہور میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا آپ نے حضرت عبید اللہ سندھی سے جنس نفس سہلنا سہلنا تفسیر قرآن پڑھی تھی، آپ نے خود قرآن پاک کا ترجمہ بھی فرمایا، اور صفائی خیز حاشیہ بھی رقم فرمایا) آپ فرماتے ہیں "علمائے دوراں، جس منہ بین زماں حضرت مولانا شبیر احمد دامت برکاتہم نے بقیہ ۲۱ پاروں کے حواشی مرتب فرمائے، گو حواشی مختصر مگر جان شیریں جو یہ وجود اختصار کے تمام ختم جلدوں کے

مطالعہ سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب دام مجدہم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے محنت شاقہ برداشت فرما کر مضامین قرآنی حکیم کا ایسا بہترین نچر و تشکال علوم معارف قرآنیہ کے سامنے رکھ دیا۔

(”مس۔“ تفسیر عثمانیہ ۱۳۵۵ھ۔ ۱۹۳۵ء)

حضرت مولانا احمد سعید صاحب (آپ مفسر قرآن میں ہند کے نام سے جانے جاتے تھے، آپ کی تفسیر ”کشف الرحمن“ اردو کی بہترین تالیف ہے۔“ آپ تفسیری علوم کے بڑے محقق اور ماہر تھے۔ اردو، ہان کی سند تھے۔ تمام تراجم سنتے اور بے رُک تہ و فرماتے۔ ”موضح القرآن“ کے ایک ایک لفظ کی تحقیق کرتے تھے۔ مولانا کے عوی ۱۰۰۰ بھی قرآنی آیات الحائف سے مہمور ہوتے تھے۔)

حواشی شبیر پر اپنے تاثرات یوں پیش فرماتے ہیں: ”حضرت شیخ الہند نے سنی فرامی تھی جو ان علاق سے مکمل نہ ہوئی لیکن ”کحل اسرار“ میں ہوا و قاتلھا۔ حضرت رئیس المفسرین مولانا شبیر احمد عثمانی دامت برکاتہم نے اس ضرورت کو باحس اور وجود پر کر دیا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا تجربہ علمی اور تحریر و تقریر کا خدا داد عکس محتاج تعارف نہیں ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد مدظلہ کی یہ تفسیر جو آپ نے حضرت شیخ الہند کے ترجمے کے ساتھ شائع کی ہے، بعض اہم و مشکل مقامات سے جس نے مطالعہ کی ہے اور میں بلکہ مدغرض کرتا ہوں کہ معارف قرآنیہ اور مسائل ہمد کو جس شخص بیان کے ساتھ زبان کی سلاست اور گفتگو کی رعایت رکھتے ہوئے عام فہم اردو میں مولانا نے دیا فرمایا ہے وہ مولانا محمد وحیدی صاحب ہے“ ایں سعادت برور ہار و نیست۔ تان بخلہ خدائے بخشندہ“ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے اس حاشیہ نے اہل علم کو صد ہائوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اردو زبان میں قرآن شریف کے مطالب کا اس قدر بہترین مختصر، جامع و ذخیرہ اس وقت تک تفسیر کی نظر سے نہیں گذرا۔“ (تفسیر عثمانیہ۔ ۱۹۳۵ء)

مولانا خلیفہ عبدالحی صاحب (آپ استاد تفسیر (تألم و میات جامع ملی
 (بی) تھے۔ لاہور آسٹریا مسجد میں آپ کے عام فہم درس قرآن کا شہر بھر میں بڑا شہرہ تھا۔
 وہ اس کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کروانے کے لئے آپ کی خدمات بے مثال
 ہیں۔ آج بھی ”درس قرآن“ کے نام سے پورے قرآن کے دروس متواتر شائع ہو رہے
 ہیں۔ مختلف سورتوں کی تلاویں، بیان، الخلافۃ الکبریٰ، سبیل الرشاد، برہان جہرت، صراط
 تنبیہ، سبیل السلام، ذکر نبی، بصائر وغیرہ کے نام سے شائع ہوئی ہیں (فرماتے ہیں ”وہی
 مجھے قرآن پاک کا طبع کیا گیا ہے مگر اس پر رگ کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے جو تن
 سہاستان میں بار بار سرتاب مفسرین اور قرآنی محکم و نظائر کے سب سے بڑے واقف
 رہ جاتے ہیں۔ یعنی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے فکر حقیقتِ قرآن سے ایک طرف
 دیکھ کر قرآنی کے دریا بہا دیئے ہیں اور دوسری جانب معارف قرآنی کے اصول و سوتی
 ”قرآنی پر نگہ دے دیے ہیں۔“ (”س۔ ج“ قلمبہ عثمانی ایڈیشن ۱۳۵۵ء)

مولانا محمد یوسف عورتی (1936ء علامہ انور شاہ شبیرؒ کی اور مولانا عثمانی کے
 ناٹور شیعہ جنہوں نے ”حضرت انور شاہ شبیرؒ کی عربی کتاب ”مشکلات القرآن“ پر
 حدود قرآن و تفسیر کے متعلق معرکہ آثار، مقدمہ تحریر فرما کر کتاب مصر سے شائع کردی اور
 اپنے مددگار استاد کے علوم و معارف کے کامل شارح ثابت ہوئے۔)

اپنے فیض محترم کو نہایت عقیدت مندانہ الفاظ سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں
 ہندوستان میں قرآن کا سب سے بڑا اور فکیر ایشان کا نام نہ نظر سے گذرا اپنے آپ کے
 اور سب کے بزرگ شیخ اعلم حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن و فوائد عصر حاضر کے مجموعہ عالم
 قیام محبت و مفسر حضرت الاستاد مولانا شبیر احمد عثمانی کے تحکیم کردہ فوائد یک ایک میرے
 سامنے آئے میری مشتاق نگاہیں دیر تک وارنگی کے ساتھ ان سے سعادت اندوز ہوتی رہیں
 غالب دل یہ کہتا ہے کہ دونوں بزرگوں نے سلف صالحین سے ان خزانوں کو جو موتیوں کی طرے

تکھڑے ہوئے تھے جامع و مانع شکل میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

(”میں“: تفسیر عثمانی یوٹیلٹی سوسائٹی)

مولانا سید سلیمان ندوی (سید صاحب) کو جو شغف علوم قرآن اور چرچہ عقل معانی قرآن سے تھا اس کے متعلق لب کشائی کرنا سورج کو چراغ دکھانے کی مانند ہے۔ اس کے لئے بس اتنا اشارہ ہی کافی ہے کہ سیرت انبی کی جلدوں سے اور آپ کی بقید تصانیف سے آپ کا فناء فی القرآن ہونا بخوبی واضح ہے۔ ”تاریخ ارض القرآن“ سید صاحب کا وہ عظیم الشان بحیرہ معلول کا نام ہے جس کی مثال نہ تاریخ علوم اسلامیہ کے ماضی سے دی جاسکتی ہے اور نہ ہی آئندہ کسی سے اس کی بے مشقت اور کائناتوں بھری راہ پر سفر کی سید کی جاسکتی ہے۔)

آپ یاد رفتگاں میں علامہ عثمانی کے متعلق رقمطراز ہیں ”موصوف کے مضامین اور چھوٹے رسائل تو متعدد ہیں (”اسلام کے بنیادی عقائد، اسلام اور معجزات، احکام القرآن، الروح فی القرآن، المراج فی القرآن، العقل والحل بعد یہ سید، تحقیق الخلفہ، تہذیب النفس، مسئلہ تقدیر، الشہاب۔ علامہ عثمانی نے معرکہ آثار، قرآنی موضوعات پر یہ زبردست علمی شاہکار رسائل تصنیف فرمائے ہیں، جنکے اکثر اقتباسات تفسیر عثمانی میں اختصاراً درج فرمائے ہیں، ادارہ اسلامیات نے یہ تمام رسائل یکجا شائع کیے ہیں) مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے تفصیلی اور علمی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآنی حواشی ہیں جو حضرت شیخ الہند کے ترجمے کے ساتھ چھپے ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن مجید اور تفسیروں پر عبور اور عوام کی دل نشینی کے لئے ان کی قوت تفسیرم حد بیان سے بالا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ ان حواشی کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومت افغانستان نے اسے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہند کے ترجمہ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے حواشی کو افغان مسلمانوں

سے لکھنے کے لئے قاری میں ترجمہ کر کے چھپا ہے۔

(بحوالہ: "عائے پاکستان کی تفسیری خدمات" ص ۶۸۱ اردو انٹرنیٹ ڈاٹ کام)

مولانا عبد الماجد دریادہ دہلوی (1936ء) مولانا کی زندگی ہی میں مولانا کو ایک صاحب سے اہم قرآنیات کہہ کر میرے لئے یہ مرحلہ آسان کر دیا آپ کی تفسیر ماجدی پسے مکمل اور بعد میں باقاعدہ تصنیف "تفسیر ماجدی اردو" مسلمانان برصغیر و کل عالم پر راجتی دنیا تک تفسیر میں تفسیری احسان ہے۔ آپ کی تفسیر کو حضرت تھانوی کی عظیم الشان تفسیر "بیان قرآن" کا خلاصہ کہنا چاہئے جو کہ انہی شہیر کے قلم سے حصہ شہود پر آیا ہے۔ جدیدیت کا نام راہوں فلسفہ والی دہن و معاشرت، تہذیب و اصول اخلاقی مغرب کے تمام پیروں کے سقم و کمی پر وہ محنت و بانی و قرآنی قائم فرمائی ہے کہ جس کی اسات و سلاست سے کسی ایک ذی شعور و فہم کو بھی انکار نہیں ہو سکتا "بشریت انبیاء قرآنی، سیرۃ نبوی ﷺ، قرآنی شخصیات قرآنی، حیوانات قرآنی" آپ کی عشق قرآن سے لبریز ہوتی اور لہجہ صاف ہیں)

تفسیر عثمانی کی سحر انگیزیوں کا نقش کھینچتے ہیں۔ "ترجمہ جو چھاپا تو شیخ البند کا اب تک جو شائع کیا تو ان کے شاگرد اور ایک عالم کے استاد و پیوند کے سابق اور ذابھیل کے مجدد شیخ الحدیث کا، وہ ہمیشہ مسلمانوں کے لئے ایک تھو بے نظیر ایہ جدید خیالات والوں سے حق میں اکسیر، ایک اپنے رنگ میں نایاب، دوسرا اپنے طرز میں لا جواب، نقش اول یہ ہو نور نقش ثانی بلا شائبہ کلف نور علی نور ارشاد پیدا ہو کر رہے تو اور کیا ہو دلک علی اللہ الخ تفصیلی معروضات کا یہ موقع نہیں۔ مختصر یہ کہ مولانا شہیر احمد صاحب عثمانی شارح صحیح مسلم کے خواش اگر ایک طرف نہ مغز ہیں اور مسلک اہل سنت کے مطابق محققانہ تو دوسری طرف ضروریات کے موافق اور حکیمانہ پڑھتے جاتے اور معاندین اسلام کے پیدا کیے ہوئے شبہات کی جزا خود کشی چلی جائیگی اور اہل باطل کی اختراع کی ہوئی کج راہیاں

آپ ہی آپ ہبائے مشہور ہوتی جائیں گی۔ پھر کسی فریق کی دلا زاری ہونا یا معاہدہ کا نام تک نہیں آنے پایا زبان اور طرز بیان نہ خشک نہ منطوق مولویانہ، جگہ گویا سلیس بشیر دلکش اور جا بجا ادیبانہ۔ (تیسرا۔ تفسیر طہ، ایڈیشن ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۵ء)

دعای کبیر مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی (حضرت ندوی کا سب سے بڑا شاگرد) آپ کی عالی دامن زندگی ہے۔ آپ نے ہمیشہ اپنی تحریر و تقریر، خطاب و نصیحت و نصیحت سے معمور رکھا۔ بات بات پر قرآن سے استشہاد فرماتا بروقت اور بے ساختہ آیات قرآن سے اپنی دعوت کو اثر انگیز بناتا آپ کا خاصہ تھا۔ ”مطالعہ قرآن کے اصول و مہامی۔“ ”قرآنی عادات“ آپ کے فہر و تدبر قرآنی کلا جواب شاہکار ہیں۔

آپ اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”جب ترجمہ قرآن، تفسیر و تدریس کی خدمت دارالعلوم (ندوۃ العلماء) میں سپرد ہوئی تو مولانا شبیر احمد عثمانی نے حواشی کی قدر آئی جن میں انہوں نے مفسرین کے اقوال کا عصر اور ان کی تحقیق کا دو حصہ پیش کر دیا ہے جس کو اس زمانہ کا سیم و ذہن آسانی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔ اس میں جو مسائل فکر، حسن انتخاب اور تحریر کی تکنیکی بخوبی عیاں ہے۔ میں نے دیوبند کی یک ملاقات میں مولانا سے اپنا یہ تاثر ظاہر کیا، مولانا کو بڑی مسرت ہوئی اور بعض صاحبوں سے اس کو نقل کیا۔“ (نہی، اردو لٹریچر، مئی ۱۹۶۸ء، عبدالقادر عثمانی)

پنے اسی تجربہ و تاثر کی بناء پر حضرت ندوی نے ”شاہ فہد قرآن پر حقیقہ مہکتا“ حیدر منور وزارت اوقاف سعودی عرب کے جانب سے ”تفسیر عثمانی“ شائع کر کے موقع پر بطور توثیق و تعریف کہا ”اردو زبان میں یہ سب سے اچھا ترجمہ و تفسیر ہے اس کی طبعیت و اشاعت ہونی چاہئے۔“ (”ابتداء“ تفسیر عثمانی، ۱۳۰۹ھ بمطابق ۱۹۹۰ء) عیسوی میں وزارت اوقاف سعودی عرب والوں نے شائع کی جو کہ خادمِ احرار میں شائع ہیں ”شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود“ کی جانب سے اردو زبان میں ہونے والے عار میں حجاج

نہر جو جی تیر
مہ فیض لگی

جناب مولانا محمد میاں صاحب مدرس جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد مراد آباد (آپ
محبت اور شاہ کشمیری کے ہونہار شاگرد تھے) "علمائے ہند کا شاندار ماضی" جیسی تاریخی
کتاب رقم فرمائی، اور حضرت حسین احمد مدنی کا "درس سورہ فاتحہ" جو جیل میں تقریباً ایک
تف جلدی رہا اسے قلمبند کر کے شائع کیا (کی رائے گرامی) اگر میں کوئی مقدس ترجمہ
پہ علم دوست عزیز ترین رفیق یا مددگار کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں تو اس کے لئے
سب سے پہلے شیخ الہند کے ترجمہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی تفسیر والا قرآن پاک
منتخب آروں گا۔۔۔۔۔ یہ ترجمہ اگرچہ بذات خود تفسیر تھا مگر اس کے مضمون کو پورے طور پر
درج کرنے کے لئے ایک ایسے عالم نے اس کی تفسیر فرمائی ہے جس کے متعلق مسلمانان ہند
و صحیح مسلم یہ ہے کہ فہم قرآن، غور و فکر اور پھر سلاست کلام، دلچسپی تحریر، دلپذیری تقریر میں اپنا
ظہیر نہیں رکھتا یعنی جتنا استاد محضر اعظم قاسم علی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی شارح مسلم
شریف۔ (س۔) تفسیر جلی ایڈیشن ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۸ء)

جناب مولانا حکیم محمد مشتاق علی صاحب فرماتے ہیں "الحمد للہ کہ وہ نیک آرزو
نقصہ شہود پر جلوہ گر ہے اور حضرت شیخ الہند کے ترجمہ کے ساتھ شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد
عثمانی کی وہ مجید الکل تفسیر القرآن بھی شائع ہوگئی جس نے بڑی بڑی تفسیر سے بے نیاز
رہا ہے۔ اور قرآن حکیم کے حقائق و معارف کو اس قدر سلیس اور گفتنی بیان میں زمانہ
ماہ کے موافق تحریر فرمایا ہے جو اردو دنیا کیلئے ایک نعمت فیر مترقبہ ہے اور بلکہ ایک ایسا پیش
ہم دہی سرمایہ ہے جس پر اردو داں طبقہ قیامت تک جتنا فکر کرے کم ہے کیونکہ تفسیر کا طرز
تہ ابتداء سے لے کر انتہا تک ایسا سمجھا ہوا اور مدلل ہے کہ قرآن عزیز کے وہ دشوار
مقدمات جن کے سمجھنے سے عام انسان قاصر تھے وہ اب آسانی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ فرض
یہ ہے جس طول اور تفصیل سے بچتے ہوئے لکھی گئی ہے اس کے ساتھ ایسی مختصر مگر جامع ہے

جس کی آج دنیا نے اسلام میں مثال نظر نہیں آتی۔

(”مس۔“ تفسیر عثمانی یا شیخ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۵ء)

شیخ التفسیر مولانا اور میں کا مذہبی (”آپ حضرت النور شاہ کشمیری اور حضرت شیعہ احمد عثمانی“ کے شاگرد شیعہ تھے آپ نے اپنے اساتذہ کے علوم و فنون کو بھرپور جذبہ یاد اور پھر اسی انداز و اسلوب میں علوم و معرفت قرآن کی شمع جلائے رکھی۔ تدریس سے روایت میں آپ کا اثر انگیز عام فہم درس قرآن ہوتا تھا جو کہ انتہائی معروف و مشہور تھا پھر یہی غریب آئے جمل کر تفسیر معارف القرآن ۸ جلدی علی مدظلہ و عار کے ہمارے سامنے جلوہ گر ہوئی آپ اس وقت جا معہ اشرفیہ ہور کے شیخ الحدیث تھے۔)

تفسیر عثمانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ”اور اسی طرز پر ایک نہایت مختصہ اور جامع تفسیر جو حد یہ شبہات کے قلع قمع کے لئے کافی اور شافی ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا شیعہ احمد عثمانی دہ بندہ قدس اللہ سرہ نے لکھی جو نہایت مقبول ہوئی۔ اور فصاحت اور حسن تعبیر کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے۔“ (”مس۔“ معارف القرآن جلد دوم)

قاضی زین العابدین سجاد میر تقی (”آپ بھی حضرت کشمیری کے شاگرد و مرشد ہیں سے تھے آپ کو رہبان قرآن سے خاص مناسبت تھی سوا کی تعلیم و تعلم کے عام کر۔ کہ آپ نے لکھی ہے مثال کارنامے سرانجام دیئے، قاموس القرآن اسی سلسلہ الذہبی سہری کڑی ہے) تحریر فرماتے ہیں ”مگر سب سے اہم فائدہ شیخ التفسیر حضرت علامہ شیعہ احمد عثمانی“ کے قواعد القرآن سے حاصل کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ مرحوم نے عظیم مجلدات تفسیر یہ کے سمندر کو کوڑھ لی میں نہیں بلکہ سلاست رہاں و حفاظت میں کے ساتھ بلوریں میں بھر دیا ہے۔“ (”مس۔“ قاموس القرآن)

پروفیسر انوار الحسن شیر کوئی سابق پروفیسر (فیصل آباد) آپ کو علامہ سے

بہت زیادہ نیاز مند کا شرف حاصل ہے۔ علامہ عثمانی کی علمی و سیاسی زندگی دلی خدمات کے لئے کر کے کا حق ادا کیا ہے، آپ نے فوقیت و تفصیلت تصانیف حضرت عثمانی کا اثبات یہ رہے استدلال و محنت کیا اور علامہ عثمانی کے معاصرین مثلاً ڈپٹی نذیر احمد، سیدنا ابوالکلام آزاد، علامہ شبلی اور ان سے پہلے کے اردو نثر نگار مثلاً محمد حسین آزاد و سر سید احمد خان سے جا کر ان کی عبادات و علوم کا مقابلہ و تجزیہ کر کے یہ واضح کیا ہے کہ شیخ اسلام، مگر ایک طرف علوم و معرفت دین میں عمیق ترقی اور باقی تحقیق مقابل سے قائل ہیں تو دوسری طرف انشاء و ادب، اسلوب تحریر اور نگارش تصنیف و تالیف میں ممتاز و منفرد ہیں۔

(علامہ حیات عثمانی ص ۳۹۷ تا ۴۰۳)

چنانچہ پروفیسر موصوف نے "تجلیات عثمانی" "حیات عثمانی" میں بھرپور طریقے سے تفسیر عثمانی کی افادیت اور صابت کو حرج آشکار کیا ہے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ وجہ ہے کہ معاصرین اور متاخرین ان کے علمی شاہکاروں کی طرف عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ مخالف مکتبہ ہاں لکھ بھی ان کی نصیحت پر اٹھیں نہیں اٹھا سکے۔ بلکہ ان کی تصنیفات سے استفادہ کرتے ہیں۔ بریلوی مکتبہ خیال کے آدمی بھی ان کے تفسیری فوائد کو مزید مطالعہ رکھے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔"

(ص ۶۳ حیات عثمانی)

اسی طرح دوسری جگہ رقمطراز ہیں "فیض عثمانی کی ہمیشہ فراوانی، دو اگرچہ دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی تفسیر گھر گھر لگی یا دورانی ہے اور ان کا یہ کارنامہ قیامت تک جاری رہے گا۔" (ص ۸۲ حیات عثمانی)

اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کے تفسیر وحدہ صحت اور فقہ میں بڑا کام حاصل کیا۔ بلکہ فن تفسیر کا آپ کو ہندوستان میں امام حسین کیا جانے لگا۔"

(ص ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰)

شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر حواشی درج فرمائے تو پورے تفسیری ذخیرہ کا لب لباب اور کھنڈانہ سے بے نیاز کر دینے والا سرمایہ علم ہے۔ جس کا قاری ترجمہ افغانستان میں ہوا اور مزین و علمی نکتے ہاتھ کا تک سے شائع کیا گیا۔ (ص ۹۵ بیات تفسیری تحقیق ص ۱۰۸)

مولانا قاضی محمد زاہد الحسنیؒ۔

(مسلح قرآن جسے اپنے شہرہ آفاق درس قرآن کی بدولت علمی حلقوں اور عوام ان کی میں معروف تھے۔ خدائے رحمن درجیم نے اپنی کتاب سے انھیں کامل مشق و اس کا بہترین فہم عطا فرمایا۔ آپ کے مکمل دروس قرآن، تاریخ مفسرین اور علوم قرآن پر کتاب "معارف القرآن" شائع ہو چکی ہیں) مولانا قاضی محمد زاہد الحسنی تفسیر عثمانی کے متعلق فرماتے ہیں "اگرچہ اس دور میں تفسیری اصول کے مطابق جن حضرات نے قرآن مجید کی خدمت میں رہے ان میں حضرت مولانا محمود حسن المعروف شیخ الہند کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کے اس مترجمہ مصحف پر مولانا شبیر احمد عثمانی کے علمی اور تفسیری فوائد بہترین علمی نواز ہیں" اور رد و تراجم میں حضرت شیخ الہند کا ترجمہ جس پر مولانا شبیر احمد عثمانی کے تفسیری حاشیہ ربط آیات قرآنی اور قرآنی مطالب کے خلاصہ کے لئے جواہر مفید ہے۔ احقر آج تک اس پر درس قرآن مجید دینے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

(ص ۵۵ ص ۵۶ معارف القرآن الحسنی)

پروفیسر عبدالصمد صارمؒ دیوبندی الازہری :

تبرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبند کے باشندے شیخ الہند کے شاگرد ہیں، جامع و اجماع کے صدر مدرس اور درالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے۔ مشہور مصنف اور نامور عالم ہیں۔ فتح الہم شرح مسلم اس کی تصنیف ہے۔" قرآن

مجید مترجم شیخ الہند پر بہترین فوائد لکھے ہیں۔ فوائد کیا ہیں، مختصر و مفید تفسیر ہے۔ (۱۹۰۵ء)
تفسیر ص ۳۳، میر محبوب نے "تاریخ التفسیر" اور "تدوین قرآن" بھی کتابیں مرتب کیں ہیں۔

مولانا عبدالملک شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

(آپ کو اپنے والد گرامی مولانا اور لیس کی تفسیر "معارف القرآن" کی تعلیم میں شرکت کی سعادت حاصل ہے اخیر کی دو جلدیں آپ ہی کے قلم حقیقت و رقت سے شہود پر جلوہ گر ہوئیں، منازل الفرقان فی علوم القرآن آپ کی ایک راقدر و رفیعہ تصنیف ہے اپنے اور موضوع میں لا جواب بھی) رقطر رہیں "شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی سے بڑے ہی محقق۔ انداز میں مضامین قرآن کی تشریح فرمائی۔ لطائف معارف کا ایک سہرا اس مختصر فوائد میں جمع کر دیا ہے۔ بہت سے اشکالات جن کے حل کے لئے بڑے بڑے ائمہ بھی شاید کفایت نہ کر سکیں اس کا حل نہایت ہی سہل اور لطیف انداز میں دیے گئے ہیں۔ چہ پائیزہ کلمات میں کر دیا، بالخصوص اہل باطل کی تحریکات اور مخالفین کے اعتراضات کا، ان حوالے سے رد کیا گیا جس کے دیکھنے کے بعد کسی بھی صاحب فہم و ادنیٰ بھی حیرت میں نہ رہے۔ اور امت اس علوم سے مستفیض ہوتی رہے گی۔

(مدرس الفرقان فی علوم القرآن، ص ۳۰، ۳۱، ۳۲)

مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی مورخ اسلام کی رائے

"مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علمائے دیوبند میں اپنی قرآن و فنی و دینی و علمی و تعلق جو خصوصیت رکھتے ہیں، اس نے مولانا کو میرا محبوب و راہ کے تصور کو میرے دل کی راحت بنا دیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کو عام و دونوں لوگوں کے لئے قریب الفہم بنانے کی غرض سے مختصر اور جامع و مانع تفسیر بطور حواشی لکھی ہے۔ سلیس و سادہ،

لیجیٹیم ریاض میں آیات قرآنیہ کے مفہوم و مطالب کو سمجھانے کے لئے ضرورت سے
 وہ امور، کچھ نہیں فرمایا اور کسی مقام کو لا غل اور کثرت تحقیق نہیں چھوڑا گیا۔ کوئی مسلمان مگر
 اس ترجمہ و تفسیر قرآن مجید سے بے نصیب نہیں رہتا چاہئے۔

(”قرآن حکیم کے اردو ترجمہ“ ص ۳۰۹، ۳۱۰)

دور بخ دیو بند سید محبوب رضوی ۔

تحریر فرماتے ہیں ”حضرت شیخ الہند کے ترجمہ پر مولانا عثمانی کے تفسیری حواشی کو
 بن شہرت حاصل ہے۔ اس حواشی میں ملف کے نقطہ نظر کے دائرے میں محدوار اور قرآن
 ربیع کے اسرار و معارف کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ دین و فکر کے سب کانٹے
 تلخ پھل جاتے ہیں۔ اور قلب کو انشراح و اطمینان کی عجیب کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

(تاریخ دارالعلوم، ج ۲، ص ۹۹-۱۰۰ بحوالہ جامع پاکستان کی تفسیری خدمات ص ۸۲)

ڈاکٹر علامہ خالد محمود :

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی، مائچسٹر اور سابق پیکر مرے کالج، سیالکوٹ، آپ کی
 تصانیف ”آمار المتوہل“، ”مقام حیات“ آپ کے شغف و شوق قرآن نہیں کا منہ بولا
 ثبوت ہیں) اپنی علوم قرآنیہ پر شاہکار تصنیف ”آمار المتوہل جلد دوم میں رقمطراز ہیں۔
 ”تفسیر فوائد القرآن علامہ شبیر احمد“ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ترجمہ قرآن پر نہایت تفصیلی
 اور فاضلہ حاشیہ ہے جس میں مصنف نے مسندوں کو گورے میں بند کر دیا ہے۔

(”آمار المتوہل جلد ص ۳۰۳“)

مولانا ظفر علی خان مرحوم :

”علامہ عثمانی صاحب کرام میں سے تھے حوالہ اللہ کے حقائق اور معارف پر

مسیحی مہم پران میں آیات قرآنیہ کے مفہوم و مطالب کو سمجھانے کے لئے ضرورت سے زیادہ مولا کچھ نہیں فرمایا اور کسی مقام کو بغل اور کٹھن تحقیق نہیں چھوڑا گیا۔ کوئی مسلمان گھر سے باہر جبر و تفسیر قرآن مجید سے بے نصیب نہیں رہتا چاہئے۔

(”قرآن حکیم کے مدونہ اہم“ ص ۳۰، ۳۱، ۳۲)

مورخ دیوبند سید محبوب رضوی ۔

تحریر فرماتے ہیں ”حضرت شیخ الہند کے ترجمہ پر مولانا عثمانی کے تفسیری حواشی کو اپنی شہرت حاصل ہے۔ ان حواشی میں سلف کے نقطہ نظر کے دائرے میں محد و درہ کر قرآن ربیہ کے اسرار و معارف کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ جن دنگر کے سب کاٹنے لگتے چلے جاتے ہیں۔ اور قلب کو انشراح و لطیفان کی عجیب کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

(تاریخ دور اسلام، ج ۱ ص ۹۹-۱۰۰، نکال چائے پاکستان کی تفسیری خدمات ص ۸۶)

ڈاکٹر علامہ خالد محمود :

(ڈاکٹر اسلامک اکیڈمی، میسنر اور سابق پیکر مرے کالج سیالکوٹ، آپ کی تصنیف ”آثار المتوہل“ اور ”مقام حیات“ آپ کے شغف و شوق قرآن مجید کا منہ بولا ثبوت ہیں) اپنی علوم قرآنیہ پر شاہکار تصنیف ”آثار المتوہل جلد دوم میں رقمطراز ہیں۔ ”تفسیر فوائد القرآن علامہ شبیر احمد“ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ترجمہ قرآن پر بہت تحقیق و درہ ملانے حاشیہ ہے جس میں مصنف نے سمندر وں کو گوزے میں بند کر دیا ہے۔“

(”آثار المتوہل جلد دوم ص ۲۴۳“)

مولانا ظفر علی خان مرحوم ۔

”ملا عثمانی ان ملا کرام میں سے تھے جو کلام اللہ کے حقائق اور معارف پر

بالفاد نظر رکھتے تھے جن میں شاہ عبدالعزیز دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے بعد قرآن دہانی اور قرآن فہمی کی پوری صلاحیت تھی۔

(”اکادمی دہلی“ ص ۹۶) مولانا محمد اکبر شاہ عثمانی

مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور:

اپنی کتابی آپ جی کے سلسلے میں تحریر کرتے ہیں ”حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی قرآنی باوجود اعجاز و اختصار کے مولانا کا تفسیری اعجاز اور علوم ہادورہ کا خزینہ ہیں۔ موثر و دلنشین تبلیغ اردو میں خود بخود تفسیری گتھیں سمجھتی جاتی ہیں اور جدید مشکلات کے جوابات ملتے جاتے ہیں۔“ (”بہری سلسلے دور مطالعاتی زندگی میں“ ص ۶۱)

اعجاز الحق قدوسی :

معصب ”اقبال اور علمائے پاک و ہند“ تحریر فرماتے ہیں

”مولانا شبیر احمد عثمانی کی تصنیف میں ان کے حواشی قرآن مجید شیخ الہند کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چمپے ہیں۔ نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان حواشی سے انکی قرآن فہمی، تفاسیر پر عبور اور خود انکی غیر معمولی قوت تفسیر کا انداز ہوتا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے حلقہ درس میں ان کے حواشی کی افادیت کی ہمیشہ تعریف کی ہے۔“

(”انوار علمائے پاکستان کی تفسیری خدمات“ ص ۷۹)

پروفیسر طاہر مصطفیٰ، لیکچرار شعبہ اسلامیہ

پی اے ایف کالج اسلام آباد

”شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر ایک

نہایت گفتار مغرور اور دلکش تفسیری حاشیہ لکھ کر عصر حاضر کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ اور حاشیہ علمائے دیوبند کا جدید نسل پر ایک بڑا احسان ہے۔
(”تفسیری رجحانات کا ارتقاء“ ص ۱۹۶)

مولانا گوہر رحمن صاحب :

(شیخ القرآن و الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم القرآن مردان، امیر جماعت اسلامی مردان) ، افادات عثمانی کے متعلق اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں ”اسکو فائدہ عثمانی بھی کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ ایک مختصر تفسیر ہے جو اردو خواں طبقہ کے لیے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس لیے کہ اس میں قلمی اصطلاحات اور طویل علمی مباحث کے بجائے آیات کے اصل مفہوم کو مختصر اور مفید حواشی کے ذریعے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن چونکہ علامہ عثمانی تفسیر وحدیث اور دوسرے علوم و فنون میں وسیع و عمیق علم رکھتے تھے، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کا طویل تجربہ رکھتے تھے اور انکی معلومات میں پختگی اور مہر اہمیت تھی اس لیے علماء دیوبند اور تفسیر کے اساتذہ بھی اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں، کیونکہ پختہ علم والے عالم کی بات اگر مختصر ہو پھر بھی بڑی وزنی اور قیمتی ہوتی ہے۔

(علوم القرآن، ص ۶۴، جلد دوم، مکتبہ المدینہ، تفسیر القرآن مردان)

پروفیسر ولی رازی صاحب :

(جناب پروفیسر موصوف نے صرف صاحب طرز ادیب ہیں بلکہ ایک کامل معلم بھی، اور قرآنی خدمات میں تفسیر عثمانی کے عنوانات لگانے کے علاوہ آپ ایک اور جہت سے بھی کتاب اللہ کے خادم ہیں وہ یہ کہ ”مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے عربی زبان میں ”اتلہا رالحق“ تالیف کی تھی۔ محقق دوروں مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی (انگریزی مترجم تفسیر

معارف القرآن (مفتی شفیع مصنف علوم قرآن) نے اسکا اردو ترجمہ ”بائیکل سے قرآن تک“ تصنیف فرمایا اور بے مثال لا جواب مقدمہ کتاب کے شروع میں رقم کیا۔ محترم مہر رازی نے اس پوری کتاب ۳ جلدوں کا انگلش ترجمہ فرمایا ہے، اس موضوع پر تینوں مذہبوں زبانوں میں اس سے مستند ماخذ مشکل سے ہی ہاتھ آئیں (فوائد عثمانی کی خصوصیات پر نگاہ عیسق ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ”تفسیر عثمانی پچھلے ۶۰ سالوں سے برصغیر کی اردو تفسیر میں ایک نہایت مقبول اور انتہائی معتبر نام رہا اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ اس تفسیر کی ذہنی بعض خصوصیات تھیں ہی جو دوسری تفسیر میں مفقود ہیں اور جن کا مختصر ذکر ان سطور میں انشاء اللہ آگے آئے گا لیکن میرے خیال میں اس کی اصل وجہ ان تین اکابر کا علم و فضل، اخلاص و اللہیت اور کمال احتیاط و ادب کے ساتھ قرآن کی خدمت کی ذہن ہے جو اصل میں تفسیر عثمانی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ تین بڑے نام حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب، اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہیں۔“ حضرت علامہ عثمانی کو اللہ تعالیٰ نے جس علم و فضل، بصیرت و حکمت اور عصر حاضر کی حراج شناسی عطا فرمائی تھی۔ ان کے تحریر کردہ تفسیری فوائد میں جگہ جگہ اسکا اظہار ہوا اور اس طرح فوائد عثمانی نے ایک ایسی مختصر مگر جامع اور عصر حاضر کی ضرورتیں پوری کرنے والی تفسیر بنے لے لی۔ جس کی مثال اردو میں موجود نہ تھی۔“

تفسیر عثمانی کی بعض خصوصیات

تفسیر عثمانی کی اصل علمی خصوصیات کا اندازہ کرنا تو اہل علم کا کام ہے لیکن اس کی خصوصیات جو سمجھ جیسے ایک عام آدمی کو بھی سہولت سے نظر آ جاتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مختصر ہونے کے باوجود قرآن کریم کے فضاء و مفہوم کی تعبیر میں اتنی جامع

کے اکثر مقامات پر قرآن کریم کے طالب علم کو بڑی تفاسیر سے مستغنی کر دیتی ہے۔
 قرآن کریم کی مختلف آیات میں جہاں جہاں نگاہ بری تعارض معلوم ہوتا ہے ان آیات کی
 مدد سے مراجعت کر کے رفع تعارض کی سہل تقریر کی گئی ہے۔ عصر حاضر میں پیدا ہونے والے
 علماء کا شالی جواب دیا گیا ہے۔ اور اکثر مقامات پر اپنے دلنشین انداز میں عقلی دلائل
 سناٹے کیے ہیں۔ جن مقامات پر ایک سے زائد تفسیری آراء پائی جاتی ہیں۔ وہاں راجح
 قول کو ترجیحی وجوہات کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔ اہل علم کے لئے اکثر مقامات پر ایسے
 بے بی اشارات کر دیئے گئے ہیں جن سے ان مقامات پر متوقع دشواریوں کے حل کی
 راہ نمائی ملتی ہے۔

محترم پروفیسر ولی رازی صاحب مدظلہ العالی نے اس تفسیر سے استفادہ کو سہل
 سے سہل کرنے کے لئے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے ۵ ہزار کے لگ بھگ تفسیری
 نوٹ قائم فرمائے ہیں اور پھر ”نور علی نور“ ان تفسیری عنوانات کی فہرست مرتب فرمائی
 ہے جو درحقیقت تفسیر عثمانی کا ایک تفصیلی اندکس بن جاتا ہے پروفیسر موصوف کی یہ عظیم
 فرائض خدمت یکم ربیع الاول ۱۴۱۰ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو پایہ تکمیل کو پہنچی۔

(”ہدیہ تفسیر عثمانی ص ۷۷ طبع دارالاشاعت کراچی“)

تفسیر عثمانی کے تراجم :

- (۱) فارسی ترجمہ یہ حکومت افغانستان نے سرکاری طور پر ۱۹۳۰ء میں کروا کر
 سندھ اہتمام سے شائع کیا تھا۔ (۲) پشتو ترجمہ درج بالا ترجمہ کا پشتو ترجمہ کیا گیا جو کہ ۳۰۰۰
 حکومت پر مشتمل ہے یہ بھی افغانستان ہی میں ہوا ہے۔ (۳) گجراتی زبان اس کے علاوہ
 گجراتی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ (بحوالہ دہترام ادراک محمد شرف الدین)

(۳) انگریزی ترجمہ جناب محمد اشفاق صاحب علیگ (آپ کے شیخ اور مرید)

علامہ شبیر احمد عثمانی کے بڑے بھائی مولانا مطلوب الرحمن تھے جبکہ آپ کے دو ازایب المر مولانا فیض الحسن سہانپوری تھے) نے اس بے مثال قرآنی تفسیر کا انگلش ترجمہ فرمایا ہے۔ مورخہ ۱۹۸۰ء-۹-۱۸ جناب محمد اشفاق صاحب نے یہ مبارک ترین سعادت انجام دی۔ اسی ترجمہ تفسیر سے پہلے موصوف نے اعلیٰ پایہ مقدمہ تفسیری مباحث عقائد ایمانیات کے متعلق رقم فرمایا ہے۔ جس سے کہ قاری کو آئندہ تفسیر قرآن سمجھنے میں خاطر و سہولت اور فائدہ ہوگا۔ چنانچہ اپنے تعارفی مضمون میں اس تفسیر کے متعلق رقم فرما رہے ہیں (جس کا اردو ترجمہ بصورت خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے)۔ "حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کا عظیم کارنامہ قرآن پاک کا تفسیری حاشیہ ہے۔ اس میں علامہ موصوف نے ۱۵۰۰ جید تفسیر کا معرکہ سمجھ کر رکھ دیا ہے۔ مغرب کی دنیا قرآن کریم کے اصل پیغام کو جاننے کے لئے پیاسی ہے سو اس بندہ نے یہ عظیم تفسیری خزانہ ان کے سامنے حعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر کی دو بنیادی شرائط (۱) ترکیب نفس (۲) جامع و ماہر علوم نقلیہ و عقلیہ ہونا ہے جو دونوں شرائط بدرجہ اتم علامہ موصوف میں پائی جاتی ہیں۔ سو اس لئے میں نے اپنی مجاہد کوشش کی ہے کہ اس عظیم الشان تفسیر کو انگلش میں منتقل کروں تاکہ دنیا کے مغرب کے سامنے قرآن کی صحیح تشریح اور ترجمہ آئے تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ رب ذوالجلال کی فشاں باد ہے اور اسے ہم سے کیا مطلوب ہے۔" ("TAFSEER-E-USMANI")۔ مقبول و مطلوب سعادت دارین بھی دارالاشاعت کے حصہ میں آئی جنہوں نے اس انگلش تفسیر کو نکال کر دینی و باطنی محاسن کے ساتھ طبع کیا ہے" (۱)

INTERNET EDITION یہ گرائڈ تفسیری ایڈیشن اردو + انگلش

دونوں زبانوں میں INTERNET پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے اردو میں مطالعہ کے لئے

درج ذیل ویب سائٹ (Visit) کی جائے۔

<http://www.al-islam.edu.pk/Tusmani/online-quraan>

درج ذیل ایڈیشن کے مطالعہ کے لئے یہ ویب سائٹ موجود ہے۔

<http://www.al-islam.edu.PK/Tusmani/tafseer.htm>

مکمل ریڈ مفری اور امریکی ممالک کے شائقین یہ تفسیر بذریعہ انٹرنیٹ بھی منگوا سکتے ہیں۔

اس کے لئے انہیں درج ذیل ویب سائٹ کی خدمات حاصل ہیں۔

(www.Albalagh.net)

www.ICNA.bookservice.com

طلامہ عثمانی نے تفسیر قرآن کے حوالے سے مختصر مگر جامع ترین تصنیف میں انجہالی و شش فرما کی ہے۔ آج تک اہل علم مسلسل ان دلہذا اور بے نظیر فائدہ قرآنیہ کے خوش ہیں۔ طلامہ مرحوم کے بعد کئی اہل علم و قلم نے اپنی اپنی خامہ فرسائیوں بکثرت آفرینیوں کی بنیاد اور محققین و تحریر "تفسیر عثمانی" کو بنایا ہے۔ اس کا انتہائی مختصر سا تعارف قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) معالم القرآن مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی کی سورۃ یوسف تک ۱۲

بعدوں میں تفسیر ہے جس میں برصغیر کے اکثر مفسرین کی اجماعی تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مگر علامہ فرماتے ہیں "پیش نظر کتاب میں تفسیر و تشریح کی جو کوشش کی گئی ہے اسکی بنیاد یہی ہے اس سلسلے میں ادیت حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شیخ الاسلام عثمانی کے اقادات کو لی ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ ان بزرگوں کے تفسیری اقادات چورے پورے اس میں آجائیں۔" (معارف القرآن جلد اول ص ۸۰) بشرطہ معلوم شہید بریلوی کے رچھوئے قلم سے (معارف القرآن جلد اول ص ۸۰)

(۲) حضرت حسین احمد مدنی نے باقاعدہ تفسیر عثمانی پر عنوانات کا اضافہ فرمایا

ہے۔ یہ عنوانات مدنی سے حین تفسیر عثمانی حال ہی میں تالیفات اشرفیہ طبع سے شائع ہوئی ہے۔

(۳) گلدستہ تفسیر۔ ابھی حال ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ نے عمل قرآن کا مجموعہ تفسیر شائع کیا ہے، اس میں بھی بقیہ ۱۶ عظیم الشان تفسیر کے ساتھ تفسیر عثمانی تقریباً مکمل درج ہے۔

نو جوان قارئین کی خدمت میں اہم گزارش ۔

اس ساری تحریر اور کوشش کا مقصد میرے عزیز و صرف ایک کتاب لکھنا تیار کرنا نہیں ہے بلکہ اس امت کے جوہر کے سامنے اس اعزاز سے ایک تحریر سامنے لانا ہے جس سے ہمیں یہ احساس ہو کہ قرآن کریم جیسی نعمت عظمیٰ کے ساتھ ہمارا رویہ کس قدر لا پرواہی اور کوتاہی پر مبنی ہے جبکہ ہمارے بزرگوں نے ہم تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے کیسی مشقت اور محنت سے یہ ذمہ داری نبھائی ہے، واللہ کل قیامت کے دن ہمارے پاس ایسا کوئی عذر نہیں ہو گا کہ ”یہ کتاب تو عربی میں تھی ہم ناچند اس سے کیسے راہنمائی حاصل کرتے؟“ اس اعتراض کا تو شاید بھی ختم ہو چکا اس اب تو ہمارے ہمت کرنے کی دیر ہے۔ آج علامہ عثمانی کے طفیل یہ گمراہ بندہ خصوصی طور پر اپنے نو جوان طبقہ کی خدمت میں عاجزانہ درخواست کرتا ہے، خدا را قرآن کو پتائیے، اسے سینے سے لگائیں، اسکا پیغام سمجھیں اور پوری دنیا کو اسکی روشنی سے منور فرمائیں، آج ہماری ہستی، ذمت، رسوائی اور نقد استدینی کا سبب صرف اور صرف یہ ہے، جیسا کہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا ۔

در قرآن شاگرد ہم نے نکھلایا ہوتا یہ زمانہ تو زمانے نے دکھایا ہوتا

جیسے میری نسیکی علامہ ہی کی لاج رکھ لیجیے، سنئے کیا فرماتے ہیں

” (تفسیر) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تہمید نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اسکی تلاوت نہ کرنا، اسکی تصحیح قرأت کی طرف تہجد نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری تصویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن (لا پرواہی) کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔“

(تفسیر عثمانی جلد ۱۲، آیت نمبر ۳۰ سورہ الفرقان) اور کہا رسول نے میرے رب میری قوم

نے نہ پایا چہاں قرآن کو ٹھک ٹھک۔“ (ترجمہ فتح البدر)

میرے عزیز ساتھیو! آج ہی سے باقاعدہ فہم القرآن کی کوشش اور اسکے پیغام پر عمل کی مشق شروع کر دیں، دارین کی کامیابیاں آپکی ہنکریں۔ انشاء اللہ

آخر میں میں اپنے مضمون کو انہی بابرکت کلمات کے ساتھ اختتام پذیر کرتا ہوں جو علامہ عثمانی نے تفسیر کے تکمیل پذیر ہونے پر رقم کیے ہیں۔ ”حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی“ فوائد کے اختتام پر تحریر فرماتے ہیں ”میں رب کریم کا شکر کس زبان سے کروں۔

جس کی توفیق و تیسیر سے آج یہ محنت بالشان کام انجام کو پہنچا۔ الہی آج عرفہ کے مبارک دن اور وقوف بحرفات کے وقت کلام پاک کی ایک مختصر خدمت جو محض تیرے فضل و امانت سے اختتام پذیر ہوئی۔ تیری بارگاہ قدس میں بعد معز و نیاز پیش کرتا ہوں۔ تو اپنے فضل سے

اس کو قبول فرما اور مقبول بنا۔ الہی میں معترف ہوں کہ اس خدمت کی انجام دہی میں حق و حلال اور نہیں ہو سکا لیکن تیری رحمت و رافت جب مہلت سے حسانت بدو ذاتی ہے

میں کے لئے ایک صورت حسنہ کو حقیقت حسنہ بنا دینا کیا بڑی بات ہے۔ میرا گمان تیرے ساتھ یہی ہے کہ تو اپنی نکتہ لواری سے اس تاجین عمل کو زندہ جاوید بنائیگا۔ اور اس کے نیک ثمرات سے دارین میں مجھ کو منتفع فرمائیگا۔ اے اللہ! تو اپنے قرآن پاک کی برکت سے نبی امیرؐ و والدین کی، میرے شیوخ و اساتذہ کی، میرے اقارب و احباب کی اور

جو اس کا رخصت کر کے نکاح دیا، بنے یا جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں رفاقت و امداد کی سب کی مغفرت فرمائیے اور سب کو دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مامون و معصوم رکھیے اور حضرت مترجم قدس سرہ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع کیجئے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (۵ اپریل ۱۹۳۲ء) (انہی الفاظ کے ساتھ میں بھی اپنے رب کا شکر گزار ہوں، اور ساتھ ساتھ اطہر بھائی بن پروفیسر اکبر منیرؒ کا، کہ ان کے والد محترم کے ترکہ سے انھیں "انفیس عثمانی بیچ بھنور ایڈیشن ۱۹۵۰" ساتھ جسپر اجلہ انکارین کی تقریظات بھی چھپی ہوئی تھیں جو کہ اس مضمون کا محرک بنی)

تھ ضبط بہت مشکل اس سبلی معافی کا کہہ والے ظنہ نے اس پر کتاب آخر

مکتوبات افغانی

(حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ بنام مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی)

ترتیب مولانا عبدالقیوم خان

حضرت افغانیؒ کے مکتوبات قدس سرہ کا واقع مجموعہ جس میں تصوف و سلوک طریقت و راہ معرفت، عہدیت، انارکیت، اجتناب سے احتیاط، اصلاح طالع و طالع شیخ کامل سے استفادہ و استفادہ سے غفلت، انارکیت، طریقت، تنویض، جوکل، مفسر، رسول، حقیقت و حقیقت، انکار، دہرہ، دہرہ کے مسئلہ انتقال کی اچھوتے انداز میں تشریح و توضیح دی گئی ہے

صفحات 202 قیمت = 90 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، رنج پور، آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

تفسیر عثمانی کا تعارف اور ترکیبی عناصر

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

تفسیر عثمانی پچھلے ساٹھ برسوں سے برصغیر کی اردو تفاسیر میں ایک نہایت مقبول اور انتہائی معتبر نام رہا ہے۔ اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے اس تفسیر کی وہ بعض خصوصیات تو جیسا ہی جو دوسری تفاسیروں میں مقننہ ہیں اور جن کا مختصر ذکر ان سطور میں اس شاہ انداز کے آئے گا لیکن میرے خیال میں اس کی اصل وجہ ان تین اکابر کا علم و فضل، قلم و طبیعت اور کمال احتیاط و ادب کے ساتھ قرآن کریم کی خدمت کی ذہن ہے جو اس میں تفسیر عثمانی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ تین بڑے نام حضرت شاہ عبد القادر دہلوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہیں۔ تفسیر عثمانی کی افادیت، خصوصیات اور اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے اس کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔ اس پس منظر میں قارئین کے لئے اس تفسیر کے اصل مقام کو متعین کرنے میں سہولت ہوگی۔

موضح القرآن :

حضرت شاہ عبد القادر کا اردو ترجمہ "موضح القرآن" اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں "الہامی ترجمہ" کے نام سے مشہور رہا ہے اور حقیقت

ان طبیعتوں پر کراں گزرنے لگی جو غور و فکر کی عادی نہیں رہیں۔ اس وجہ سے بھی ان کا میلان ان جدید ترجموں کی طرف زیادہ ہونے لگا۔

ان ترجموں کی غلطیوں اور مفاسد سے لوگوں کو بچانے کے لئے اس وقت کے مہائے کرام کو اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک نیا ترجمہ سہل اور آسان اردو میں ایسا کیا جائے جو ایک طرف ان مفاسد سے بھی پاک ہو اور دوسری طرف سہل و سادہ کے مطابق سہل اور آسان ہو۔

ترجمہ شیخ الہند :

اس وقت کے اہل علم نے حضرت شیخ الہند سے ایسا ترجمہ کرنے کی درخواست کی حضرت نے غور و فکر کے بعد فرمایا کہ پہلی ضرورت یعنی زبان و محاورے کی سہولت تو بعض نئے ترجموں سے پوری ہو گئی جو اہل علم و فہم حضرات نے کئے ہیں۔ البتہ یہ ترجمے ان خوبیوں سے محروم ہیں جو موضح القرآن میں موجود ہیں۔ اب اگر کوئی نیا ترجمہ کیا جائے گا تو وہ آسان اور سادہ ہوگا مگر حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی خوبیاں کہاں آئیں گی؟ فرمایا کہ اب یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ نئے ترجموں کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ بے مثال قرآنی خدمت کہیں رفتہ رفتہ معدوم ہی نہ ہو جائے، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں :

”اس چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیر الہی سے یہ بات دس میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا افضل و مقبول و مفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارہ نہ ہو جائے۔ یہ کس قدر نادانی بلکہ کفرانِ نعمت ہے! اور وہ بھی سرسری غدر کی وجہ سے اور غدر بھی وہ جس میں ترجمہ کا کوئی قصور نہیں اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے۔“

اس نئے حضرت شیخ الہندؒ نے جدید ترجمہ کا ارادہ تو اس لئے نہیں فرمایا کہ حضرت

شاہ عبد القادر کے ترجمہ کی حفاظت ضروری تھی۔ البتہ اس ترجمے سے استفادہ کرنے میں جو مذکورہ بالا مذکور ہیں ان کو ذرا کرنے کا ارادہ کرنا یا، چنانچہ اس ارادے سے بائیں میں آپ فرماتے ہیں۔

”اس لئے تنگ خلائی کو یہ خیال ہو کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو کل روغبجان میں یعنی ایک بعض الفاظ و محاورات کا مترک ہو جائے دوسرے بعض بعض موقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہوتا، جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر بنائے رمان کی سہولت پسندی اور مذاق طبیعت کی بدولت یہاں تک نوبت آئی کہ جس سے ایسے مفید اور قابل ترجمہ کے مترک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، سو اگر غور و احتیاط کے ساتھ اس الفاظ مترک کی جگہ الفاظ مستعمل لے لئے جائیں اور مختصر و جمال کے موقعوں کو ترجمہ کے ساتھ کوئی لفظ مختصر راند کر کے کچھ کھول دیا جائے تو پھر ان شاء اللہ حضرت شاہ صاحب کا یہ صدق قاضی بھی جاری ہو سکتا ہے۔“ (مقدمہ ترجمہ صفحہ ۲۰)

اس لکھت و اخلاص اور احتیاط و تدبیر کے ساتھ حضرت شیخ البند نے مذکورہ بالا مقاصد سامنے رکھ کر حضرت شاہ صاحب کے ترجمے موضع القرآن میں نظر ثانی اور ترجمہ کا کام شروع فرما دیا اور آخر ۱۳۳۶ھ میں اس عظیم خدمت کو مکمل فرمایا اور اس میں بھی جس احتیاط و ادب سے کام لیا ہے وہ حقیقت میں انہی حضرات کا حصہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اپنے ترجمے کے مقدمہ میں رشا فرماتے ہیں

”جس موقع پر ہم کو لفظ بدلنے کی نوبت آئی ہے وہاں ہم نے یہ نہیں کیا کہ اپنی طرف سے جو مناسب سمجھا دیا، نہیں بلکہ حضرات اکابر کے تراجم میں سے ایسے کی کوشش کی ہے۔ خود موضع القرآن میں دوسری جگہ کوئی قطع لکھا یا حضرت مولانا رفیع الدین کے ترجمے میں یا فتح الرحمن میں۔ حتیٰ الوسع ان میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک جس کی نظیر مقدس حضرت کے تراجم میں ہو، ہم نے کل ترجمہ میں جائز نہیں رکھا۔“

اللہ اکبر! ان حضرات کی بے نفسی، خوف خدا اور اپنے بزرگوں کے احترام و ادب کا یہ نمونہ کتنا مفید اور سبق آموز ہے۔ تمام تراجم میں تلاش و جستجو کی یہ محنت شلہ اس نئے اضافی کراچی جاحب ایک آدھ لفظ کا اضافہ بھی گوارا نہ تھا۔ اسی اخلاص و اہمیت ہی کا ثمرہ ہے کہ ترجمہ شیخ الہند کو جو مقام آج حاصل ہے وہ کسی دوسرے ترجمے کو حاصل نہیں، اس ترجمے کو موضح القرآن سے ممتاز رکھنے کیلئے آپ نے اس کا نام "موضح فرقان" جو یہ فرمایا تھا، مگر یہ ترجمہ شیخ الہندی کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔

حضرت شیخ الہند نے چھ اشعار پر مشتمل ایک قطعہ میں اس ترجمہ کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔ اس قطعہ کا آخری شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے یہ ہے

بے شش و پنج بگفتہ مخمور، سالہ موضح فرقانہامید

اس شعر سے تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ بے شش و پنج (یعنی چھ اور پانچ کل مکیہ ۱۰) کم کر دیں تو "موضح فرقان حمید" کے اعداد سے سال ۱۳۱۶ھ نکل آئے گا۔

فوائد عثمانی :

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے ترجمہ کے ساتھ کچھ مختصر حواشی بھی تحریر فرمائے تھے جن میں حصار کے ساتھ انتہائی مفید تفسیری توضیحات شامل تھیں۔ حضرت شیخ الہند نے ترجمہ کی تکمیل کے بعد ایک اہم کام یہ بھی شروع فرمایا کہ ان حواشی کو دوبارہ اپنی زبان میں اس طرح تحریر کرنا شروع کیا کہ جہاں جہاں ضرورت تھی اس بحال کی تفصیل فرمادی اور مفید تفسیری وضاحتوں کا اضافہ بھی فرمایا۔ لیس حضرت شیخ الہندی کی حیات میں یہ کام صرف سورۃ براء عمران تک ہو سکا اور اس طرح تفسیری فوائد کا کام اوجھڑ رہ گیا۔

اس کام کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

کو منتخب فرمایا اور انہوں نے اپنے مشفق استاد کے اس ادھورے کام کی تکمیل کا ارادہ فرمایا اور انکی مقاصد کو سامنے رکھ کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ جانفشانی سے اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت علامہ عثمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس علم و فضل، بصیرت و حکمت اور عصر حاضر کی حراج شناسی عطا فرمائی تھی، ان کے تحریر کردہ تفسیری فوائد میں جبکہ جلد اس کا اظہار ہوا اور اس طرح فوائد عثمانیؒ نے ایک ایسی مختصر مگر جامع اور عصر حاضر کی ضرورتیں پوری کرنے والی تفسیر نے لے لی جس کی مثال اردو میں موجود نہ تھی۔ حضرت علامہ عثمانیؒ نے خاص بزم عرفہ کو وقفِ عرفات کے وقت ۱۳۱۵ھ کو دیوبند میں اس کام کی تکمیل فرمائی۔

حضرت علامہ عثمانیؒ کے بحرِ علمی اور تقریر و تحریر کی سحر انگیزی کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں، تحریک پاکستان میں عدائے کرام کی جماعت کے سرخیل حضرت علامہ عثمانیؒ تھے۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا ملتوی محمد شفیع صاحبؒ حضرت عثمانیؒ کے دستِ راست اور سب سے زیادہ معتدلیہ تھے۔

احقر کو اپنی نوجوانی میں والد ماجد کے ساتھ حضرت عثمانیؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت کثرت سے حاصل رہی، اگرچہ اس بے فکری کے زمانے میں نہ حضرت کے علمی مقام کا کوئی شعور تھا ورنہ اس باکمال شخصیت کے کمالات کا کوئی اندازہ۔ البتہ کراچی کے پرجومہ جلسوں میں حضرت عثمانیؒ کی سحر انگیز تقاریر کی ہیئت کا اثر آج بھی قلب میں محسوس ہوتا ہے۔

تفسیر عثمانیؒ کی بعض خصوصیات

تفسیر عثمانیؒ کی اصل علمی خصوصیات کا اندازہ رہا تو اہل علم کا کام ہے، لیکن اس کی خصوصیات جو مجھ جیسے ایک عام آدمی کو بھی سہولت نظر آ جاتی ہیں، مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مختصر ہونے کے باوجود قرآن کریم کے مفہوم و مہموم کی تعبیر میں اتنی جامع ہے کہ

کثر مقامات پر قرآن کریم کے طالب علم کو بڑی تفاسیر سے مستغنی کر دیتی ہے۔

۲۔ قرآن کریم کی آیات کا باہمی ربط اتنا واضح ہے کہ مسلسل ترجمہ پڑھنے والے کو کہیں رہد کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔

۳۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں جہاں جہاں ظاہری تعارض معلوم ہوتا ہے، ان آیات کی طرف مراجعت کر کے رفع تعارض کی سہل تقریر کی گئی ہے۔

۴۔ عصر حاضر میں پیدا ہونے والے افکات کا شافی جواب دیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر اپنے دشمنانہ رمیں عقلی دلائل بھی مہیا کئے گئے ہیں۔

۵۔ جن مقامات پر ایک سے زائد تفسیری آراء پائی جاتی ہیں، وہاں راجح تفسیر کو ترجیحی درجات کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔

۶۔ اہل علم کے نئے اکثر مقامات پر ایسے لطیف علمی اشارت کر دیئے گئے ہیں جن سے اس مقامات پر متوقع دشواریوں کے حل کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔

۷۔ زبان کی سہولت اور جدید محاورات کی مطابقت کا اتنا غیر معمولی اہتمام فرمایا کہ ساتھ ساتھ گزر جانے پر بھی اس تفسیر کی زبان آج کی رہبان معلوم ہوتی ہے۔

تفسیری عنوانات کا اضافہ

رہبانے کے ساتھ ساتھ ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں، اب تک تفسیر عثمانی قرآن کریم کے حاشیے ہی پر طبع ہوتی رہی ہے۔ اس رہبان میں طبیعتوں کی سہل پسندی اور بڑھ گئی اور حاشیوں کا رواج رفت رفتہ ختم ہونے لگا۔ اب تک جس انداز میں تفسیر عثمانی چمکتی رہی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ بین اس طور ترجمے میں جہاں تفسیری فائدہ دیتا ہے، اس کا نمبر دے دیا جاتا ہے اور پھر وہی سر حاشیہ ہے اس کے تحت تفسیر لکھ دی جاتی ہے اور پھر صفحہ کے ٹرانڈ کا نمبر ایک سے شروع ہوتا ہے۔ اس صورت میں قباحست یہ ہے کہ ہر صفحہ کے تفسیری

فوائد کو اسی صفحہ تک محدود رکھنا اگر ممکن نہیں ہوتا اس طرح ایک آیت کا تفسیر کی فائدہ دیکھنا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ مضمون اسی صفحہ پر مل جائے۔ دو کسی اگلے صفحے پر دیکھنا ہوتا ہے اور اس طرح استفادہ میں دشواری پیش آتی ہے۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ حاشیہ میں جگہ کی کمی کی وجہ سے قلمباز ایک ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو ایک آنکھ کی محسوس ہوتی ہیں اور چونکہ اس زمانے میں اشاعت و طباعت کی سہولتوں کی وجہ سے جدید کتابیں بہت مدد سے مل جاتی ہیں۔ اس لئے اس قدیم طرز کے حاشیوں کو دیکھ کر ہی ایک عام پڑھنے والا گھبراہٹ محسوس کرتا ہے، چنانچہ خود مجھے بھی جب کبھی استفادہ کی ضرورت پیش آتی تو محارف القرآن کی ”نہ جلدوں پر مشتمل تفسیر سے استفادہ نسبتاً زیادہ آسان معلوم ہوا۔ ان وجوہات کی وجہ سے تفسیر عثمانی کی افادیت بھی متاثر ہونے لگی۔ اب پھر یہ ضرورت پیش آتی کہ جدید تقاضوں کے مطابق اس کی نئی کتابت و طباعت ہو اور حاشیہ کی بجائے یہ تفسیر کی فوائد باقاعدہ تفسیر کے متن کے طور پر شائع کئے جائیں۔

جس وقت احقر نے یہ مضمون تحریر کیا تھا، برادر محترم سارے درمیاں موجود تھے اور اس کام کی تکمیل پر بے اندازہ خوشی کا اظہار فرمایا اور مجھے انعام سے بھی سرفراز فرمایا تقریباً دس ماہ کی تکلیف وہ خلافت کے بعد لندن کا حکم پورا ہوا اور وہ ۱۱ اگست ۱۹۹۰ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انہیں وہاں اپنی رضا و رغبت کے ساتھ رہنے دے۔ (آمین)

میرے برادر محترم مولانا محمد رضی عثمانی (مالک دارالاشاعت کراچی) کی ایک طویل عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ وہ اس کے تفسیری فوائد پر حواشات کا اضافہ کروا کے اس کو جدید طرز کے مطابق از سر نو شائع کریں۔ میرے بھتیجے اور برادر محترم کے صاحبزادے عزیز غنیل اشرف سلمہ نے شعبان ۱۴۱۱ھ کے حرم میں مجھ سے اس خواہش کا اظہار بھی

یہ دور درخوست بھی کی کہ تفسیری عنوانات کا کام میں کر دوں۔ اس کام کی اہمیت اور
اہمیت میں تو کوئی شبہ نہیں تھا لیکن اس کا بھی وہم بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھ جیسے بے علم و عمل
ادی کے بارے میں بھی یہ سوچا جاسکتا ہے کہ تفسیر عثمانی کی اس علمی خدمت کی کوئی اہمیت
اس میں موجود ہے۔ پھر یونورسٹی میں اپنی تدریس کی مصروفیات کے علاوہ، بچھنے تقریباً اڑھائی
سال سے بائبل سے قرآن تک (اردو ترجمہ اظہار الحق) جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اس
نے انگریزی ترجمے کے کام میں مصروف تھا اور اس وقت تیسری جلد کا آغاز ہی کیا تھا۔ اس
کے علاوہ بھی کچھ دوسرے تحریری کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس نئے کام کو شروع
کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ لالچ بھی قوت کے ساتھ دل میں پیدا
ہو کہ اگر حق تعالیٰ شائفہ فرمائیں اور اس احقر سے قرآن کریم کی یہ خدمت ہو سکے تو یہ
ایک ایسی نعمت اور سعادت ہوگی کہ جس کا تصور بھی احقر نہیں کر سکتا۔ برادر عزیز جنس
سودا تعلق عثمانی سلطانہ اللہ تعالیٰ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی اصرار سے اس کام کی
تائید کی اور اس طرح اس خدمت کے لئے کچھ ہمت پیدا ہونے لگی۔ رمضان المبارک
میں شروع ہو گئے اور آخر یہ ہمت ارادے کی شکل اختیار کر گئی، چنانچہ ۹ رمضان المبارک
۱۴۱۱ھ کی شب میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے احقر نے اس کام کی ابتداء کر دی اور
دوسرے تحریری کاموں کوئی الحاح ملتوی کر دیا۔ اس کام کی ابتداء میں ایک طرف تو یہ خیال
انجلی مسرور کن تھا کہ اس تفسیر میں جن اکابر کے نام شامل ہیں ان کے نام کے ساتھ بھی
آخرت میں رحمت کا وعدہ فرمادیں اور جس طرح مکتبہ کے ساتھ خس و خاشاک بھی اسی
قیمت پٹل جاتے ہیں اسی طرح شائفہ حق تعالیٰ شائفہ ان بڑے ناموں کے ساتھ احقر کو بھی
خس و خاشاک کی طرح قبول فرمائیں۔ دوسری طرف بڑے بے ہمتی، بے علمی اور بے عملی

کے پیش نظر یہ خوف بھی طاری رہا کہ اپنی نااہلی کے باوجود اس کام کی جرات پر کس سے فائدہ ہو جائے۔

الحمد للہ ۹ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ، ۱۱ اپریل ۱۹۸۹ء کو شروع کر کے ۹ صفحہ المظفر ۱۳۶۰ھ ستمبر ۱۹۸۹ء کو پورے پانچ ماہ میں اس کی تکمیل ہوئی، اگر یہ کوئی معید کام ہو تو حق تعالیٰ شہد کی دی ہوئی اس توفیق اور سعادت کے شکر کے لئے میرے پاس الفاظ کم ہیں۔ ورنہ میرے لئے یہ بھی بڑی کامیابی ہوگی کہ آخرت میں حق تعالیٰ شہد کا یہ مواخذہ نہ ہو۔ تو نے یہ جرات کیوں کی؟ رب العزیز و الرحیم و انت خیر الراحمین۔

تفسیر عثمانی میں اس وقت احقر نے جو کام کیے وہ وہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سورت کے فوائد کے نمبر مسلسل لگائے گئے ہیں اور وہی نمبر میں المستور ترجمے میں دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ میں جتنے فوائد ہیں جو تیس سو سے زائد ہیں ان کے نمبر ایک سے شروع کرتے آخر تک مسلسل لگائے گئے ہیں۔ اس سے قرآنی آیت یا لحاظ کے متعلقہ فائدے کو دیکھ کر پہلے کے مقابلے میں بہت سہل ہو جائے گا۔ دوسرا اصل کام تفسیری عنوانات قائم کرنے کا ہے۔ اس کام کی مشکلات اور دشواریوں کا اندازہ احقر کو کام شروع کرنے کے بعد ہی ہوا۔ مثلاً ایک عام دشواری تو یہ بھی تھی کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں متعدد حصاں ہوتے ہیں ان میں سے کس مضمون کو عنوان بنایا جائے، اس کا یہ فیصلہ اکثر مقامات پر سخت دشوار ہو۔ اس کے علاوہ بھی اس کام میں کیا نزاکتیں اور عملی دشواریاں ہیں اس کا اندازہ اہل علم کر سکتے ہیں۔ ان کا تذکرہ غیر ضروری طوالت کا سبب ہوگا۔

تفسیری عنوانات کے قائم کرنے کے وقت جو امور احقر کے پیش نظر رہے یہ جو فوائد اور سہولتیں اس ضائف سے متوقع ہیں وہ مسدود و جدید ہیں

کل تفسیری عنوانات کی تعداد ایک سو پانچ ہزار ہے۔
ان تفسیری عنوانات کی ہر سورت درحقیقت تفسیر عثمانی کا ایک تفصیلی نمونہ ہے جو
مستقل افتادہ کی جگہ ہے۔

ہر سورت کے تفسیری عنوانات پر نظر ڈالنے سے اس سورت کے مضامین سے
ماہر و اقلیت چند محکموں میں حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۔ احقرے عنوانات قائم کرنے کے وقت حضرت علامہ عثمانیؒ کے فوائد ہی کو بنیاد
میں لیا ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا ہے، مثلاً قرآن کے ظاہری الفاظ سے ایک عنوان بظاہر
نہیں معلوم ہوتا ہے، مگر تفسیر میں اس طرف التفات نہیں کیا گیا تو تفسیر ہی کے مطابق
حوالہ اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ ایک تفسیری فائدہ سے جس اگر ایک سے زائد مضامین بیان ہوتے ہیں تو اس موقع
پر مناسب اگر تفسیر میں واضح طور پر کسی ایک مضمون پر زور ہے تو وہاں اسی مضمون کو عنوان
بنایا گیا ہے۔

۳۔ بعض تفسیری فوائد میں حضرت علامہؒ نے طویل کلام کیا ہے، اس میں اگر کوئی ہم
میں نہیں، یا کوئی مفید مضمون آیت کی تفسیر کے ذیل میں نہیں آیا ہے تو اس جگہ کوئی نیا نمبر آئے گا
جو ایک یا عنوان قائم کر دیا گیا ہے، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ ایک فائدہ کا صرف ایک ہی
عنوان ہو۔

۴۔ قصص اور واقعات کی حکمرانی میں اکثر مقامات پر قرآن کریم نے کہیں کہیں ماحول
دیا ہے، مثلاً حضرت موسیٰؑ، حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے واقعات
مختلف مضمونوں پر بار بار آتے ہیں۔ ان میں جہاں کوئی تفصیل یا نئی اطلاع موجود ہے۔
اسے عنوان میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح واقعات کی مختلف تصدیقات

فہرست مضامین میں آسانی سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

☆ یہ اہم ترین نہیں کیا گیا کہ صرف ان تفسیری فوائد پر عنوان لگایا جائے جن کی بات کچھ طویل، بلکہ اگر کسی جگہ صرف ایک مصرع کا فائدہ ہے اور اس کا مضمون عنوان کا مستحق نہیں تو وہاں بھی عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔

☆ حتیٰ الوسع احتیاط کے باوجود اس کام میں بہت جگہوں پر احقر سے کچھ خط و صدور بقیہ بنا ہوا ہوگا۔ اس کے لئے درخواست ہے کہ احقر کو یا مٹھرا کو ان مقامات کی تضحید فرما دیں تو ان کو آئندہ طبیعت میں درست کر لیا جائے۔ آخر میں بارگاہ رب العالیٰ میں بدست دعا ہوں کہ وہ اس حقیر کو شش کو قبول فرما کر جس کو پڑھنے والوں کیلئے مفید اور احقر کیلئے دین و دنیا کا سرمایہ بنادے۔ (آمین)

میرے حضرت میرے شیخ

از مولانا عبدالقیوم حقانی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کی حیات طیبہ، علم و عمل، سیرت و کردار، اصناف و کمالات علمی، دینی و دنیائی، تجدیدی، جہادی اور اصلاحی کارنامے، ذاتی علم و شوق مطالعہ، علم و حریت کے شہرت انگیز احوال، بھارتی آخری چٹائی اور روح پرور ارشادات و فتاویٰ کا دلچسپ، جامع اور تیسری مرتبہ۔

صحافت 260 قیمت 90 روپے

آئندہ اسم آئیڈی چامعہ ابو ہریرہؓ کی پوسٹ "فہرست" یا دسلعہ نوشہرہ

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری جواہر پارے

۱۔ عیسائیت :

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں
نجران کے ساتھ عیسائیوں کا ایک سو قزو معزز وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں
حاضر ہوا۔ اس میں تین شخص (۱) عبدالمطلب، عاقب، بحیثیت امارت و سیادت کے (۲) اسلم
سید بن حارثہ رائے وفد بصر کے اور (۳) ابو حارثہ بن عامر باعتبار سب سے بڑے مذہبی عالم
دارالحدیث پادری ہونے کے عام شہرت اور اقتدار رکھتے تھے۔ یہ تیس شخص اصل میں عرب
سے مشہور قبیلہ ”بنی بکر بن وائل“ سے تعلق رکھتا تھا، پھر چکا نصرانی بن گیا۔ سلاطین و مہم نے
کمال مذہبی عظمت اور مجدد و شرف کو دیکھتے ہوئے بڑی تعظیم و تکریم کی۔ ان وہ پیش قدمی
دار کے اس کے لئے گرجے تعمیر کئے اور امور مذہبی کے اعلیٰ منصب پر مامور کیا۔ یہ وفد
دارکاء رسالت میں بڑی آن بان سے حاضر ہوا اور متعارف فیہ مسائل میں حضور ﷺ سے
کنکھوں، جس کی پوری تفصیل محمد بن اسحاق کی سیرۃ میں مندرج ہے۔ سورۃ آل عمران کا
بدلی حصہ قرآن اسی ہے (۹۰، ۸۰) آیات تک اسی واقعہ میں وارد ہوا۔ عیسائیوں کا

پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بعیمہ خدا یا خدا کے بیٹے یا تیسرے خدا میں ایک ہیں۔ سورہ بذا کی پہلی آیت میں توحیدِ خالص کا دعویٰ کرتے ہوئے حدِ تعالیٰ و صفات "حقِ قیوم" کی گئیں وہ عیسائیوں کے اس دعوے کو صاف طور پر مائل نہیں ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دورانِ مناظرہ میں اس سے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی (زندہ) ہے جس پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی، اسی نے تمام مخلوقات کو جوہدہ کیا اور سامانِ بقاء پیدا کر کے ان کو اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام رکھا ہے۔ برخلاف اس سے عیسائی علیہ السلام پر یقیناً موت آنا ضروری ہے جو شخص خود اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے۔ دوسری مخلوقات کی ہستی کیا برقرار رکھ سکتا ہے۔ "نصاری" نے سن کر اقرار کیا کہ وہ شکِ صحیح ہے، شاید انہوں نے غیبت سمجھا ہو گا کہ آپ اپنے اعتقاد کے موافق "عیسیٰ یسائی علیہ السلام" کا سوال کر رہے ہیں یعنی یحییٰ پرنا ضرور آئے گی، مگر جو بنی میں دیا تو آپ ہمارے عقیدہ کے موافق کہ حضرت عیسیٰ کو عرصہ ہوا موت آ چکی ہے۔ ہمارا زیادہ صریح طور پر حرم اور طہم کر سکیں گے۔ اس لئے لفظی مناقشہ میں پڑنا مصلحت نہ سمجھا۔ ممکن ہے کہ لوگ ان فرقوں میں سے ہوں جو عقیدہ اسلام کے موافق مسیح علیہ السلام سے غائب صلیب کا قطعاً انکار کرتے تھے اور رفعِ جسمانی کے قائل تھے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے "الجواب الصحیح" میں اور "المخارج بین المخلوق والخالق" کے صنف نے تخریج کی ہے کہ شام و مصر کے نصاریٰ عموماً اسی عقیدہ پر تھے۔ مدت کے بعد پولس نے عقیدہ صلیب کی اشاعت کی، پھر یہ خیال یورپ سے معروض ہو و غیرہ پہنچا۔ ہر حال میں یہی مسئلہ کا اسی عیسائی علیہ السلام کے بجائے "یسائی علیہ السلام" امر واقعہ آں حالیکہ پہلے الفاظ تردید الوہیت مسیح کے موقع پر زیادہ صاف اور مستقیم ہوتے خاص کر ان کے موقع اثر میں بھی مسیح علیہ السلام پر موت سے پہلے عطا موت کا اطلاق آپ نے پسند نہیں کیا۔

آل عمران کی آیت نمبر ۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی قرآن کریم جو صحت و عفت کے موافق نہایت بروقت سچائی اور انصاف کو اپنی

روش میں لے کر آتا ہے۔

آیت نمبر ۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یہی قرآن اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اگلی کتابوں (تورات و انجیل و یہاں پہلے سے قرآن اور اس کے ماننے والے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کر رہی تھیں اور اپنے اپنے وقت میں مناسب احکام و آیات دیتی تھیں۔ گویا اعلان کیا کہ "والوہیت" یا "اہل کتب" کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا کیونکہ اصول دین کے اعتبار سے ہم سب کا یہ حقیق و متحد ہے۔ مشرکات و معاند کی تعلیم بھی نہیں دی گئی۔

آیت نمبر ۵ کی تفسیر میں مزید لکھتے ہیں

یعنی ہر زمانے کے مناسب ایسی چیزیں ان میں جو حق و باطل، حلال و حرام اور بھٹ بھٹ کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہوں۔ اس میں قرآن کریم، کتب سماویہ، معجزاتِ باری، سب داخل ہو گئے اور احرار بھی اشارہ ہو گیا کہ جن مسائل میں یہود و نصاریٰ جھگڑتے پلے آ رہے ہیں، ان اختلافات کا فیصلہ بھی قرآن کے درمیان سے کر دیا گیا۔

آیت نمبر ۶ کے تحت حرید فرماتے ہیں

یعنی اپنے بھرموں کو نہ سزا دیے بغیر چھوڑ دینا، نہ وہ اس کے زیر دست اقتدار سے بھٹ کر بھی گسکیں گے۔ اس میں بھی اہل کتب کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہو گیا۔ نیز جو اختیار و اقتدار کلی خدا کے لئے ثابت کیا گیا۔ ظاہر ہے وہ کتب میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح کسی کو سزا تو کیا دے سکتے خود اپنے کو باوجود سخت تصریح و قہر کے ظالموں کے بچہ سے نہ چھڑا سکتے، پھر خدا کا بیٹا کیسے بن سکتے ہیں؟ بیٹا وہ بناتا ہے جو باپ کی نوع سے ہو۔ لہذا خدا کا بیٹا عداوی ہونا چاہئے۔ ایک عاجز مخلوق کو

ظہیر قادری مطلق کا بیٹا کہتا، باپ اور بیٹے دونوں پر سخت عیب لگاتا ہے۔ اسکی وجہ اللہ۔

آیت نمبر ۵ کے حوالے سے لکھتے ہیں

یعنی جس طرح اُس کا اقتدار اختیار کامل ہے، علم بھی محیط ہے، عامر کی دلی پوری بڑی چیز ایک سینکڑ کے لئے اُس سے غائب نہیں۔ سب مجرم و بری اور تمام جرموں کی راحت و مقدار اُس کے علم میں ہے۔ مجرم ہوگ کر روپوش ہونا چاہے تو کہاں ہو سکتا ہے؟ جس سے سہیہ بردی ملی کہ مسیح علیہ السلام خدا نہیں ہو سکتے، کیونکہ ایسا علم محیط اُن کو حاصل تھا۔ اسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ اُن کو بتا دیتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے جواب میں خود نصاریٰ نجران نے اقرار کیا اور آج بھی اتنا بیل منہ سے ثابت ہے۔

آیت نمبر ۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی اپنے علم و حکمت کے مطابق کامل قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہوں گے ہین میں تمہارا نقشہ بنایا، اندر، موٹ، خوبصورت، بدصورت، جیسا چاہا، اتنا۔ ایک پانی کے قطرہ کو قحطی پٹیاں دے کر آدمی کی صورت عطا فرمائی، جس کی قدرت و وسعت کا یہ حال ہے کہ اُس کے علم میں کسی ہو سکتی ہے یا کوئی انسان جو خود بھی اُن کی تار تریوں میں رہ کر آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھاتا، پیتا، چیتا، پاشا پاشا کرتا ہو، اُس خداوند قدوس کا بنایا پوتا بھلایا جا سکتا ہے؟ کھرت کلمۃ لم یخرج من الطواغیثم ان یقولوا لا کدھا میں نبیوں کا سوال تھا کہ جب مسیح کا ظاہری باپ کوئی نہیں تو بجز خدا کے کس کو باپ نہیں بصورت کم فی الارحامکم کیف یشاء میں اس کا جواب بھی ہو گیا، یعنی خدا کو قدرت ہے، رحم میں جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ تیار کر دے۔ خواہ اس باپ دونوں کے لئے ہے یا صرف ماری قوت مفعول سے اسی لئے آگے فرمایا، ”هو العزیز حکیم“ یعنی درست ہے جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کر سکتا اور ”حکیم“ ہے جہاں جیسا مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ ”خدا“ کو بدوں میں کے ”مسیح“ کو بدوں باپ کے ”آدم“ کو بدوں میں

وہ دونوں کے پیچہ کر دیا، اس کی حکمتوں کا حاط کون کر سکے۔

آیت مبرکے کے تحت تحریر فرماتے ہیں

نصاری بحران نے تمام دلائل سے عاجز ہو کر بطور معارضہ کہا تھا کہ آخر آپ
 صحت مسیح کو "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" مانتے ہیں، پس وہاں کے اثبات سے کیسے یہ الفاظ
 آتی ہیں۔ یہاں اس کا حقیقی جواب ایک عام اصول اور صاف کی صورت میں دیا جس نے
 کلمہ بننے کے بعد بناروں نزاعات و مناقشات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کو چاہے کچھ رقر آب
 رہے بلکہ قسم تپ البیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں، ایک وہ جن کی مراد معلوم و متعین
 ہو، خواہ اس لئے کہ لغت و ترکیب و غیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام و ابہال نہیں نہ
 عبارت کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے۔ جو مدلول سمجھ گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے اور یا
 اس لئے کہ عبارت و الفاظ میں کچھ کئی معنی کا احتمال ہو سکتا تھا، نہیں شارع کی اصول
 مستند یا اجماع معلوم یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے قطعاً متعین ہو چکا۔ مشکلہ کی
 مراد معنی نہیں یہ ہے، ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری
 تعلیمات کی جز اور اصل اصول یہی آیات ہوتی ہیں، دوسری قسم آیات کی "تفسیرات"
 کہلاتی ہے، یعنی جن کی مراد معلوم و متعین کرنے میں کچھ اشتباہ و التباس واقع ہو جائے صحیح
 طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھا جائے جو معنی
 اس کے خلاف پڑیں ان کی قطعاً نفی کی جائے اور مشکلہ کی مراد وہ بھی جائے جو آیات محکمات
 سے مخالف نہ ہو، اگر باوجود اجتہاد و سعی بیغ کے مشکلہ کی مراد کی پوری پوری تعیین نہ کر سکیں تو
 دعویٰ ہردانی کر کے ہم کو حد سے گد رتا نہیں چاہئے، جہاں قلمت علم اور قصور استبداد کی وجہ
 سے بہت سے حقائق پر ہم دسترس نہیں پا سکتے، اس کو بھی اسی فہرست میں شامل کر میں، مگر
 رہبر انکی تاویلات اور ہم پھر نہ کریں جو مذہب کے اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف
 ہوں، مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تخریج کر دی "ان هو الا عبدنا"

علیہ "یا "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب الخ :
 "ذالک عیسیٰ بن مریم قول الحق الذی فیہ یمتروں ما کان للہ ان یصلہ
 من ولد صہبانہ "اور جہان کی آلو بیت کا رد کیا۔ اب ایک شخص ان سب حکمت سے
 آنکھیں بند کر کے کہتا تھا اہی مریم وروح منہ وغیرہ تشابہات کو لے دوڑتے اور نہ
 کے وہ معنی چھوڑ کر جو حکمت کے موافق ہوں، ایسے سطحی معنی لینے لگے جو کتاب کی عام
 تصریحات اور متواتر بیانات کے متافی ہوں، یہ بکجروی اور ہمت دھری نہیں تو اور کیا ہوگی۔
 بعض قاسمی القلوب تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسا دیں
 اور بعض کمزور عقیدہ والے ہلہل یقین ایسے تشابہات سے اپنی رائے وہوا کے مطابق صحیح
 مان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے، وہ ہی
 اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے جو لوگ مضبوط علم رکھتے
 ہیں، وہ حکمت و تشابہات سب کو حق جانتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات
 ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں، جن میں تناقض و تہافت کا امکان نہیں۔ اسی لئے وہ
 تشابہات کو حکمت کی طرف ہونا کر مطلب سمجھتے ہیں اور جو حصان کے دائرہ فہم سے باہر ہوتا
 ہے، اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے۔ (تبیہ)

بعد میں آیت نمبر ۱۰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

قیامت کے ذکر کے ساتھ کافروں کا انجام بھی بتلا دیا کہ ان کو کوئی چیز دنیا و
 آخرت میں خدائی سزا سے نہیں بچا سکتی، جیسا کہ میں ابتداء سورت میں لکھ چکا ہوں۔ ان
 آیات میں اصلی خطاب وفد "نجران" کو تھا جسے عیسائی مذہب و قوم کی سب سے بڑی نمائندہ
 جماعت کہتے تھے۔ امام فخر الدین رازی نے محمد بن یحییٰ کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جس
 وقت یہ وفد "نجران" سے مقصد مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پارسی ابوحارثہ بن علقمہ خنجر پر سوار
 تھا۔ خنجر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا "لعنن الا بعدہ"

بعد سے مراد کچھ **تکلیف** تھی۔ اعیان باہد۔ ابو حارثہ نے کہا "بعضت امک" کزرنے
جہاں ہو کر اس کلمہ کا سبب پوچھی۔ ابو حارثہ نے کہا واللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ (محمد
ﷺ) وہی نبی نکھر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی تھی۔ کرنے کہا پھر
ماتے کیوں نہیں؟ "لازل هؤلاء الجلوک اعطونا اموالا واکرمونا فلو آتانا
بمحمد **ﷺ** لا عذر واما کل هذه الاشياء" اگر محمد **ﷺ** پر ایمان لے آتے تو
یہ بادشاہ جو بیشمار دولت ہم کو دے رہے ہیں اور اعزاز و اکرام کر رہے ہیں سب واپس کر
یں گے (کرنے اس کلمہ کو اپنے دل میں رکھا اور آخر کار یہی کلمہ اسلام کا سبب بنا۔

رد دھرت، فکر کائنات سے پہلے ذکر خالق کائنات ضروری ہے۔

مولانا شبیر احمد رشتی "سورۃ آل عمران کے تفسیر میں لکھتے ہیں

(۱) یعنی ذکر و فکر کے بعد کہتے ہیں کہ خداوند اے عظیم الشان کارخانہ آپ نے
بیکار پیدا نہیں کیا جس کا کوئی مقصد نہ ہو، یقیناً اس عجیب و غریب حکیم نے اقلیات کا مسئلہ
اسی عظیم و جمیل نتیجہ پر متنی ہونا چاہئے۔ گویا یہاں سے اُن کا دہن تصور آخرت کی طرف
نقل ہو گیا جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے۔ اسی لئے آگے دوزخ
سے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کی اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل بیان کر کے
اشارہ کرویا کہ جو احق قدرت کے ایسے صاف و صریح نشان دیکھتے ہوئے تھو کو نہ پہچانیں، یا
حیری شان کو گھٹائیں یا کارخانہ عالم کو کھٹھل عبث و لعب سمجھیں، حیری بارگاہ اُن سب کی
مریات و خرافات سے پاک ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین اور دیگر
مصنوعات الہیہ میں غور و فکر کرنا وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف
توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح
معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں ہوا محقق اور سائنس دان کہا کرے مگر قرآن کی

زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہو سکتے، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل و احمق ہیں۔

کفر میں تکوینی حکمت :

آیت نمبر ۱۱۹ کے تحت لکھتے ہیں

یعنی جیسا کہ بارہا پہلے لکھ چکا ہے، خدا تعالیٰ کی حکمت تکوینی اس کو متفق نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا۔ اسی لئے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا، مگر فی الحقیقت اختلاف اور پھوٹ ڈالنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے صاف و صریح فطرت کے خلاف حق کو بھٹایا، اگر فطرت سیدہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لئے الامن وحمم دھمک سے متذکر فرمایا کہ جن پر خدا نے ان کی حق پرستی کی ہدایت رحم کیا، وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں۔

اسی آیت کی تفسیر میں مزید فرماتے ہیں

یعنی دنیا کی آفرینش سے غرض یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی "صفات جمائیہ" "قہریہ" کا ظہور ہو۔ اس لئے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے تاکہ ایک جماعت اپنی دھمک کی وقاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و مغفران کا مظہر بنے جو الامن وحمم دھمک کی صداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت و فساداری سے اُس کی صفت تدبر و انتقام کا مظہر بن کر جس دوام کی سرا جھگتے، جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو "لا ملئس جہنم من الجنة و الناس اجمعین"۔

بہر حال آفرینش عام کا تشریحی مقصد عبادت ہے و ما خلقت الجن و الانس " (الذاریات ۳۰) اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریحی مقصد کو اپنے کسب و اختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا باطنیہ و ظاہریہ لطف و قہر کے مورد مظہر بن سکیں۔

درکارخانه عشق از کفر تا گزیم است
 دوزخ کرا بسوزد مگر بوالہب نہ باشد
 پھر مطلق و کرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد و عمل کے اعتبار سے مختلف ہوں

۱۔

گہائے رنگ رنگ سے ہے رونق جن
 اسے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

معراج جسمانی حق ہے :

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں

یعنی صرف ایک رات کے بعد دو حصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ
 (محمد ﷺ) کو حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض سورۃ میں ایسا

میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا "بیت المقدس" سے
 آگے کہیں اور لے جا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ شان کے عجیب و

غریب نمونے دکھانے منظور تھے۔ سورۃ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے، جس سے ظاہر

ہوتا ہے کہ آپ "سورۃ النجم" تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات ملاحظہ

فرمائیں۔ فرمایا "وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِندَ صِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ عِندَ جَانِبِ

الْمَاءِ الِأَيْمَنِ الْمُدَّةِ الْيَمْنَىٰ مَا يَفْئِي مَا رَأَىٰ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ

آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ"۔ (الحج) علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو

اسراء اور وہاں سے اوپر "سورۃ النجم" تک کی سیاحت کو "معراج" کہتے ہیں اور بسا

اوقات دونوں سفر کے مجموعہ ایک لفظ "اسراء" یا "معراج" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے منقول ہیں جن میں معراج و اسراء کے واقعات

بسط و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ جمہور سلف و خلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پر نور کو حالت بیداری میں بحمدہ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین سکاہ و تابعین سے محفوف ہے کہ واقعہ معراج کو تمام (عین) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ میں آگے چل کر جو لفظ "وما جعلنا الرئی بالنبی اربسک" "الحج" آتا ہے اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔ سلف میں سے کسی کا قول نہیں کہ معراج حالت بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو، جیسا کہ بعض حکماء و صوفیہ کے مذاق پر تجویز کیا جاسکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ "لبس الصعنی الاسراء بالروح السحاب بلفظہ کالاسلاخ الذی ذهب الیہ الصولۃ والحکماء فانہ وان کان خیاراً للعبادۃ و محلاً لتعجب البض الا انہ امر لا تعرفہ العرب ولہ بلذهب الیہ احد من السلف"۔ بے شک ابن قیم نے زوال المعاد میں ماث صدیقہ معادیہ و حسن بھری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے لیکن اس پر کوئی عقل پیش نہیں کی۔ محض غن تحمین سے کام لیا ہے۔ "ن میں کہیں حالت بیداری کی تصریح نہیں۔ بہر حال قرآن کریم جس قدر اہتمام اور ممتاز و درخشان عنوان سے واقعہ "اسراء" کو ذکر فرمایا اور جس قدر جد و مستعدی سے حق انبیا اس کی انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں لائے حتیٰ کہ بعض موافقین سے قدم بھی بغزش کھانے لگے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب و غریب خواب یا سیر روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر و انکشافات کے رنگ میں آپ کے جو دعویٰ بتدائے بعثت سے رہے ہیں، دعویٰ اسراء کفار کے لئے کھانا ہے بڑھ کر تعجب نیز وحیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزاء و تمسخر کا نشانہ بنانے اور لوگوں کو دعوت دیتے کر آؤ آج مدی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو، نہ آپ کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متشکر و معشوق ہونے کی

ضرورت تھی جو بعض روایات میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں، "ثم
 اجبت بکے" یا "ثم اقبلت مکة" (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج مجلس کوئی
 روحانی کیفیت تھی تو آپ کے سے غائب ہی کہاں ہوئے اور خذ ابن اوس وغیرہ کی روایت
 کے موافق بعض صحابہ کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ "رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا،
 حضور کہاں تشریف لے گئے تھے؟ ہمارے نزدیک" اسوی مسجدہ "کے یہ معنی لینا کہ
 خدا اپنے بندہ کو خواب میں یا بعض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا۔ اس کے بعد
 یہ ہے کہ کوئی شخص "قاسر جہادی" کے یہ معنی لینے لگے کہ "اے موسیٰ! میرے بندوں (ی
 سرائیل) کو خواب میں یا بعض روحانی طور پر بے کرمصر سے نکل جا آیا سورۃ کہف میں جو
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جانا اور ان کے ہمراہ
 سفر کرنا جس کے لئے کئی جگہ "فانطلقا" کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ
 یہ سب کچھ مجلس خواب ہے یا بطور روحانی میر واقع ہوا تھا۔ باقی لفظ "رویا" جو قرآن میں
 آیا اس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "رویا عرس اور ہوا رسول
 اللہ ﷺ" مصرین نے کلام عرب سے شواہد پیش کئے ہیں کہ رویا کا لفظ گاہ بگاہ مطلق
 روایت (دیکھئے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اگر اس سے مراد یہی اسراء کا واقعہ
 ہے تو مطلق نظارہ کے معنی لئے جائیں، تاکہ خواہر نصوص اور جمہور امت کے عقیدہ کی
 مخالفت نہ ہو۔ اس شریک کی روایت میں بعض الفاظ ضرور ایسے آئے ہیں جن سے "اسراء"
 کا بحالت نوم وقوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا حافظہ خراب تھا۔
 اس لئے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلہ میں ان کی روایت کے مقابلہ میں اس کی
 روایت قابل استناد نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے ۱۱۸۱ میں حدیث شریک
 کے الفاظ شمار کرائے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اس کی روایت کا مطلب ایسا لیا جاسکتا ہے جو
 عام احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس قسم کی تفصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے۔ صحیح مسلم میں

یہ مباحث پوری شرح واطلا سے درج کئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ مذہب رائج
یہی ہے کہ معراج و اسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بحسد و الشریف واقع ہوا۔

آیت نمبر ۹۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی ذوالقرنین کے سفر مشرق و مغرب کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی
طرح ہے جو وسائل اس کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے، ان سب پر ہمارا علم
محیط ہے۔ تاریخ دانے شاید اس جگہ کچھ اور کہتے ہوں گے اور فی الحقیقت اتنا ہے جو فرما دیا۔
بعض مفسرین نے "مکالک" کا مطلب یہ لیا ہے کہ ذوالقرنین نے مغربی قوم کے متعلق
جو روش اختیار کی تھی، ویسی ہی اس مشرقی قوم کے ساتھ اختیار کی۔ و اللہ اعلم۔

آیت نمبر ۹۲ کے تحت لکھتے ہیں

یہ تیسرا سفر مشرق و مغرب کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین عموماً اس کو
شمالی سفر کہتے ہیں۔ تاہم وحدیث میں یہ تصریح نہیں۔

سورۃ کہف کی آیت نمبر ۹۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

ذوالقرنین کے حیرت انگیز اسباب و وسائل اور قوت و شہمت کو دیکھ کر انہیں خیال
ہوا کہ ہماری تکالیف و مصائب کا سبب اس سے ہو سکے گا۔ اس لئے گذارش کی کہ
"یا جوج ماجوج" نے ہمارے ملک میں اودھم مچا رکھی ہے، یہاں آ کر قتل و غارت اور لوٹ
مار کرتے رہتے ہیں، آپ اگر ہمارے اور اس کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم فرمادیں
جس سے ہماری حفاظت ہو جائے تو جو کچھ اس پر خرچ آئے ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔
چاہے آپ ٹیکس کا کرہم سے وصول کریں۔ (تجربہ) "یا جوج ماجوج" کون ہیں؟ اس
ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بتائی ہوئی سہ (آہنی دیوڑ) کہاں ہے؟ یہ دو سو
ہزار ہیں جن کے متعلق مفسرین و مؤرخین نے اقوال مختلف رکھے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے (و اللہ
اعلم) کہ یا جوج ماجوج کی قوم عام انسانوں و رحلت کے درمیان ایک برزخی مخلوق سے

اور جب کہ کعب احبار نے فرمایا اور لوی قزوینی میں جمہور علماء سے منکر کیا ہے۔ اُن کا مسلک
 سب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر مبنی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حوا تک نہیں
 پہنچتا۔ گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجیب ہے کہ دجال اکبر
 جیسے قیہودری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا۔ اسی قوم کا ہوا، جب حضرت مسیح علیہ السلام جو
 محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے ظن سے توسط محمدؐ ملک یہ پیدا ہوئے، رسول
 من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کر دیں گے، اُس وقت یہ قوم یا جوج یا جوج دنیا پر خروج
 کر گئی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت مر گئی۔ اس وقت یہ قوم کہاں ہے
 اور وہ اقرنین کی دیوار اپنی کس جگہ واقع ہے؟ سو جو شخص اُن سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا
 جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار اپنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے۔ اُس
 کو کہنا پڑے گا کہ جس قوموں، ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے یہ
 مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا، لہذا وہ خیالات صحیح معنوں میں نہیں ہوتے، اور
 احادیث صحیحہ کا انکار یا انقصوم کی تاویلات ہمدردین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ
 کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈال مگر کہیں اُس کا پتہ نہیں ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے
 ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلائے کی کوشش کی ہے۔ اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آخوی
 بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معصوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے
 درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام مشرقی و تری پر محیط ہو چکے
 ہیں، واجب القہر نہیں۔ عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے ہم کو
 پتہ تھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا۔ اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو
 جہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں، وہ تصور ہے جنوں ہمہ ہاں تک یا وہ لوگ ہم تک
 پہنچ نہیں، سمندر کی راج اور عظیم جزائر، سرچیزائے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے۔
 یہاں پر ہر نوعی سائنس دان، انٹرنیٹ ایم جیٹ کے زیر مددیت اس کی تحقیقات جاری ہے

یہ دیوار ہر اس کیل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہر درخت اور پھل پر بیٹا مخلوق بستی ہے، جو ہم اس کا کیسے روانہ ہوئی تھی حال میں اس نے اپنی ایک تحقیقات قسم کی ہے جس سے سمندر کے عجیب و غریب اسرار منکشف ہوتے ہیں و انسان حیرت و استعجاب کی ایک نئی دنیا ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہم و خلک و حری کی تمام مخلوق کے عمل اکتشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہر حال خطر صادق سے جس کا صدق و دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، جب اس دھواں کی محاسن کے اوصاف کے تہرہ کی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کرے اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشکلیں و دشواریاں کے علی الرغم پیش آکر رہیں گے۔

مستبدی لک الايام ما كنت جاهلا

و یجبک بالاخبار ما لم ترود

سورۃ رخصن کی ابتدائی آیات کا مضمون

علامہ عثمانیؒ سورۃ رخصن کی ابتدائی آیت نمبر ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

جو اس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سب سے اونچی نعمت و رحمت ہے۔ انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کر دو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپید اکسار کو دیکھو، بلاشبہ ایسی ضعیف البیان بستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ ہماری چیز کا حامل بنا دینا رحماں ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا۔ (سجید) سورۃ النجم میں فرمایا تھا ”علیہ تسلیم القوی الح“ ”یہاں کھول دیا کہ قرآن کا اصل معنی اللہ ہے گو فرشتے کے توسط سے ہو۔

آیت نمبر ۳ کے تحت لکھتے ہیں

”ایجاد“ (وجود عطا فرمانا) اللہ کی ساری نعمت بلکہ نعمتوں کی جڑ ہے۔ اس کی دو

نہیں ہیں، بجا و ذات اور ایجاد و صفت، تو اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ذات کو پیدا کیا اور اُس میں ہم جن کی صفت بھی رکھی، یعنی قدرت دی کہ اپنے ذاتی التعمیر کو نہایت صفائی اور حسن و زلیٰ سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے وسیع سے دو قرآن لکھتا کہتا ہے اور خیر و شر، ہدایت و ضلالت، ایمان و کفر اور دنیا و آخرت کی باتوں کو واضح طور پر لکھتا اور سمجھاتا ہے۔

آیت نمبر ۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی دونوں کا طلوع و غروب، گھٹنا بڑھنا، یا ایک حالت پر قائم رہنا، بحر ان کے زیر سے فصول و موسموں کا بدلنا اور سفلیات پر مختلف طرح سے اثر ڈالنا، یہ سب کچھ ایک ماہر حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ محال نہیں کہ اس کے دائرہ سے باہر نہ ہو کہ ٹکئیں اور اپنے، لک و خالق کے دیے ہوئے احکام سے روگردانی کر سکیں۔ اُس نے اپنے بندوں کی جو خدمات ان دونوں کے سپرد کر دی ہیں اُن میں کوتاہی نہیں کر سکتے۔ ہر وقت وہاری خدمت میں مشغول ہیں۔

سورہ رحمن کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی غلائیات کی طرح مسکینات بھی اپنے، لک کی مطیع و منتظر ہیں، چھوٹے جہاز زمین پر چمکی ہوئی بلیں اور اونچے درخت سب اُس کے علم و حکومتی کے سامنے سر سجدہ ہیں۔ بندہ اس کو اپنے کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔ آیت نمبر ۴ میں فرماتے ہیں اوپر سے دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوتے چلے آ رہے تھے۔ یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ زمین کی پستی کا ذکر ہے۔ درمیان میں میز (تراو) اور شاخیں اس سے ہو رہی ہیں، تراو کو تو تھے آسمان و زمین کے درمیان حلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ اس قدر پڑ

ہے کہ میزان سے مراد ظاہری اور حسی ترازو ہو، چونکہ اُس کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی۔ اس لئے ہدایت فرمادی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولوں نہ دیتے وقت کم، ترازو کے دونوں پٹے اور باٹ بنی میں کی بیشی نہ ہو، نہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے بلکہ بدون کی بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔ (حبیہ) اکثر سلف نے وضع میزان سے اس جگہ عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے۔ یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و عدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن و تناسب کے ساتھ قائم کیا ہے، اگر عدل و حق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل و حق کے جادہ پر مستقیم رہیں اور انصاف کی ترازو کو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں، نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دہائیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ

از مولانا عبدالقیوم حقانی

مصر صخر کے جلیل القدر عالم محمد شفیع کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے حال و سیرت کی ایسی واپسی کلمات، نمایاں صفات و اثناء تعلیم و تربیت، روحانی و اصلاحی قومی و ملی اور ملکی خدمات کا دلآویز و ایمان افروز تذکرہ۔

صفحہ: 320 قیمت: 120 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہؓ پراچی پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ



باب : ۵

سیاسیات

تحریر: حافظ خلیل الرحمن راشدی

مملکتِ پاکستان کے ایک معمار

جامع السعول والسعول فصیح و بلیغ فقیہ، مت، مفسر، محدث، عارف، زاہد، زاہد، مفکر، شاعر، شیخ الحدیث، شیخ التفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ عزیر سے متعلق ہمارے بزرگ رہنما، نامور مؤرخ، مصنف حضرت مولانا عبد القیوم حقانی مدظلہ عالی خصوصی اہتمام کے ساتھ اپنے ماہنامہ "القاسم" کا شیخ الاسلام کے عظیم اور عظیم کارناموں سے منسوب نئی نسل کو آگاہ کرنے کیلئے خصوصی شمارہ شائع فرما رہے ہیں۔ آں تمام مدظلہ نے بندہ کو بھی حکم فرمایا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ سے متعلق اپنے محو و معلومات رقم کروں، اگرچہ ایسی ہر صفت موصوف بہت بڑی علمی، عملی شخصیت کے بارے میں میرے ایسے آدمی کی تحریر سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، مگر یہ بھی اس روایتی پرندے کی مانند جو اپنی چونچ میں پانی بھر کر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر جو آگ جل رہی تھی، اس کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بندہ بھی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بہت مختصر حصہ اس میں شامل کر رہا ہے

ع

مگر قبول آفتد ہے عہد شرف

سلک مردارید کا ایک گوہر درخشاں :

عارف، ہند شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ کے علمی، علمی، علمی کارناموں سے مختصر سا تذکرہ کیلئے بھی بڑی علمی و ادبی مہارت کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ الاسلام

برصغیر کے نامور محقق بے نظیر عالم دین تھے۔ محدث، مفسر اور مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ علم
 فلسفہ پر بھی آپ کی نگاہ بہت ہی دور رس تھی، آپ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن فاضل
 مرقدہ کے جید اور مشہور علامہ ہیں۔ عرصہ تک آپ دارالعلوم دیوبند کی مدرسہ
 لائبریری اور بے نظیر درگاہ اور ہر الہند دارالعلوم دیوبند میں تفسیر وحدیث کا درس دیتے رہے۔
 الہم شرح صحیح المسلم شریف اسی زمانہ کی یادگار کے طور پر آج بھی الحمد للہ موجود ہے۔ اس
 سے بڑے بڑے علماء کرام علمی استفادہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ بھی آپ کا تاریخی علمی
 صدقہ جاریہ ہے۔ نیز قرآن مجید کی تفسیر عثمانی جس کے اب تک کئی زبانوں میں ترجمہ
 ہو چکے ہیں تفسیر عثمانی سے علماء کے علاوہ عوام بھی اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس
 تفسیر کو سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد ص حب بھی لکھوں کی تعداد میں شائع فرما رہے
 ہیں تقسیم کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی آپ کی متعدد عمدہ علمی تاریخی تصانیف اہل علم کے
 استفادہ کیلئے موجود ہیں، جن میں اعجاز القرآن، الروح فی القرآن، المعراج فی القرآن
 افضل والفضل، بیودا اقدس، افساب (رد مرزائیت) اسلام توحید و مسامت اسلام اور معجزات
 وغیرہ اپنے موضوعات پر بہت ہی عمدہ کتب موجود ہیں۔

پاکستان کی تعمیر میں شیخ الاسلام کا حصہ :

شیخ الاسلام کا شمار پاکستان کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ پاکستان کی تحریک میں
 حضرت شیخ الاسلام نے بڑے زور شور سے حصہ لیا اور آزادی ملک کے بعد پاکستان کی
 اسلامی تعمیر اور اسلامی دستور کی تدوین اور نفاذ کیلئے بھی بڑی جدوجہد اور کوشش کی، گوکہ
 حضرت شیخ الاسلام بانی پاکستان کا دایاں ہاتھ تھے اور بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح صاحب
 کو بھی آپ پر بہت اعتماد تھا۔ اس لئے پاکستان کا قومی پرچم بھی آپ کے مبارک ہاتھ سے
 بہا کر پاکستان کی داع بیل ڈالی گئی، پھر پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد آج

نے بڑی کوشش اور سعی بلیغ جاری رکھی کہ ملک کا نظام جلد از جلد حلقہ راشدہ کے اسلامی
تہذیب کے تحت عمل میں لایا جائے، قیام پاکستان اور نفاذ دستور اسلامی کے لئے آپ کی
پرہیزگاری کاوشوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لازوال محنت کی وجہ سے بانی پاکستان نے
موت سے قبل وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ہی پڑھائیں۔
حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے جنازہ کی امامت کے فرائض انجام دیئے تو پاکستان کے
مراد کی وزیر خارجہ آنجنابی سر ظفر اللہ نے قائد اعظم کے عزیز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔
اس کے بعد توجہی جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے حضرت علامہ عثمانی نے قائد اعظم کو خراج
قیمین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ساتھ قائد اعظم کا پلٹہ عہد تھا کہ پاکستان میں
برہان میں اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔ آپ زندگی بھر قائد اعظم کے اس عہد
کی یاد دہانی کرتے رہے۔ اب بھی موجودہ حکومت کا فرض ہے کہ قائد اعظم کے اس عظیم
صحابہ کی لاج رکھتے ہوئے ملک میں خلافت راشدہ کے اسلامی نظام کے احیاء کا اعلان کر
دیجائے تو بانی پاکستان کو حقیقی روحانی مسرت حاصل ہوگی۔

دارالعلوم دیوبند کی مانند علمی ادارے کی آرزو :

پاکستان بن جانے کے بعد حضرت شیخ الاسلام کی اسلامی نظام کے نفاذ کی آرزو
کے بعد دوسری بڑی آرزو اور کوشش یہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند کی مانند بیحد ایک ایسی
اسلامی تعلیمی ادارہ عمل میں لایا جائے، مگر افسوس کہ آپ اس کو بھی عملی جامہ نہ پہنا سکے اور
بعد میں آنے والی حکومتوں اور حکمرانوں نے آپ کی اس قیمتی آرزو کو پورا کرنے کی طرف
کوئی توجہ نہ دی۔ اب بھی آپ کا یہ قرض ملک کے حکمرانوں پر واجب الادا ہے کہ دارالعلوم
دیوبند کے مطابق ایک حقیقی اسلامی یونیورسٹی عمل میں لائی جائے، جس سے حضرت شیخ
الاسلام علیہ السلام عثمانی جیسے مفکر، مدبر عالم پیدا ہوں، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ملک میں موجود دینی

ہمارے اس کو مکمل آزادی دے کر انہیں قرآن و احادیث اور فقہی علوم کی تعلیم کے حصول سے مرہم رکھا کہ وہ نہ پیدا کی جائے، کیونکہ وہی اسلامی مدارس کے وجود اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مرہم ہیں۔ دینی مدارس میں جو اسلامی ماحول ہے، اسی سے پرورش پانے والا جو علماء پیدا ہو رہے ہیں، ان سے ملک کی بقا وابستہ ہے۔ وہی مدارس میں جو عجیب علماء پیدا ہو رہے ہیں، یہ حضرات علامہ شیخ الاسلام کی بہترین یادگار ہیں۔

سیکولر ذہنیت جہالت ہے :

علماء حق کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور ملک و ملت کی خدمت کیلئے خوب نوازا ہے اور ان کے عظیم الشان کارناموں کو اپنی بارگاہ عالیہ میں مقبول و مہرور فرمایا ہے، جیسے ملک کی بے لوث خدمات ان حضرات نے انجام دیں، ویسی ہی بے لوث مخلصانہ تعلیم و تہذیب قرآن و حدیث نبوی کی شرحیں اور فقہ کی خدمات علمیہ بھی ان علماء اسلام سے انجام دیں، یہ مقدس حضرات جہاں بھی گئے، ان کی بے لوث خدمات کی ایک بہت طویل فہرست ملتی ہے، ہمارے محدود حضرت شیخ الاسلام کو بھی قدرت نے یہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ مشکل سے مشکل ترین مسائل بہت ہی آسانی کے ساتھ قاری اور سامع کے ذہن میں راسخ فرمادیا کرتے تھے۔ مثلاً آج کل ہر محفل میں اور جدیدوں میں یہ سوال گردش کرتا ہے کہ ”ایسے کیوں؟“ اور پھر یہ ”کیوں“ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام نے اپنی تصانیف میں اس کیوں کا رد بڑی خوبی اور عقلی دلائل سے کیا ہے۔

فرماتے ہیں، لکڑی آگ میں ڈال دی، اور آگ نے اس لکڑی کو جلا دیا تو سوال ہو سکتا ہے کہ آگ نے اس لکڑی کو کیوں جلا دیا؟ اور یہ کہ پانی آگ پر ڈالا تو سوں ہو سکتا ہے کہ پانی نے اس آگ کو کیوں بجھا دیا؟ کسی نے رہ رکھایا اور مر گیا تو سوال ہو سکتا ہے کہ زہرے اس کو کیوں مار ڈالا؟ آہ کے درخت پر صرف آہ ہی کیوں لگتا ہے؟ اور کوئی ٹہر

کیوں نہیں لگتا؟ یہ سوالات اور اسی قسم کے دیگر سوالات اس مخصوص وہیں میں پیدا ہو سکتے ہیں، جہاں آثار کا صدور اور حقیقی علمی رہبری کا فقدان ہو، آگ کا جلنا، دھڑکا مارنا، آم کے درخت پر صرف آم کا ٹھکر لگنا، آگ، آم کے درخت اور ہر کے اختیار کا علم ہو تو یہ سوال اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، جیسے کوئی کافر اسلام قبول کر لے، اعلیٰ و بلند کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو سوال کر سکتے ہیں کہ اس نے "یسا کیوں کیا؟"

غرض یہ کہ ہر چیز "کیوں" کے سوال کے تحت آ سکتی ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کہیں "کیوں" کا سلسلہ بند بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ آئیے اس کی تحقیق ہم کسی طہرہ پرست یا سیکولر ذہن کو سامنے رکھ کر کریں۔ مثلاً ایک شخص طاعون کی بیماری سے فوت ہوا، تو ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ اس کو طاعون کیوں ہوا؟ جواب یہی ملے گا کہ ذہریلے جرثیمہ پھیلنے کی وجہ سے۔ پھر ہم سوال کرتے ہیں کہ یہ ذہریلے جرثیمہ کیوں پھیلے تو کہا جائے گا کہ آب و ہوا کی حبابی کی وجہ سے۔ پس ابھی ایک یا دو کیوں کا جواب دے کر "کیوں" کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور سنئے آگ کیوں جلتی ہے، اس لئے کہ اس میں حرارت مفروضہ ہے۔ رت مفروضہ آگ میں کیوں ہے؟ تو آگے "کیوں" کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور آخر ساری دنیا کے قد منزع ملک اور سیکولر جدید جہات کے علمبردار بھی جمع ہو جائیں تو اس سے "گے کیوں" کا جواب نہیں دے سکتے، پھر جو لوگ قائل حق رہیں رب العالی کی قدرت کے منکر ہیں، ان سے چند اور سوالوں کا جواب اسی طرح کیا جاسکتا ہے۔ جس سے ہر حالت وہ جواب ہو کر خاموش ہو جائیں گے۔ حضرت ممدوح شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ ان چند مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر چیز کی علت اور سبب کی تلاش اور کیوں کے جواب کا سلسلہ کوئی ہستی خواہ وہ خدا پرست ہو یا مادہ پرست ہو، طہرہ ہو یا موحد زیادہ دور تک جاتی نہیں رکھ سکتی۔ اس "کیوں" کے سلسلے کو بند کرنے میں طہرہ اور موحد دونوں برابر ہیں۔ انارے ممدوح حضرت شیخ الاسلامؒ نے ان دلائل سے استدلال فرمایا ہے کہ ساری مسائل پر ہم

اہل اہل کے مطابق فرمائی۔

خطبہ صحارف کا ایک سمندر، ان حواشی اور فوائد میں جمع کر دیا ہے۔ اس میں بہت سے اشکالات جو انہیں اور محمد بن یحیٰی نے پھیلے رکھے تھے۔ ان کے حل کرنے کیلئے بڑے بڑے دفاتر بھی کفایت کرنے سے عاجز رہے تھے، مگر حضرت علامہ عثمانیؒ نے ان فوائد میں جمیع اشکالات حل کر دیئے ہیں۔ خاص طور پر فرقہ مرادیت، سہابیت، رضائیت اور دیگر طہرین کے اہم کام کا قلع قمع فرمادیا ہے جو کہ اس موجودہ زمانہ کی بڑی شدت سے ضرورت تھی۔ وہ سب کچھ حضرت علامہ عثمانیؒ کے ان فوائد سے کامل مکمل ہوئی ہے۔ میر حضرت محمد علیؒ کے فوائد میں آپ کا مخصوص رنگ محققانہ، مفسرانہ، درجہ گانہ پوری طرح موجود رکھا گیا ہے۔ آپ نے ان تفسیری فوائد میں روح، معانی، تفسیرات، تفسیر کبیر، تفسیر شاہ عبدالقادر دہلوی، تفسیر کبیر، تفسیر لکھ رکھا ہے۔ اس مختصر فوائد کو کئی بڑی بڑی تفسیر پر فوقیت حاصل ہے، جس کا صحیح انداز اس کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے اور یہ وہاں ملک میں شائع ہو کر سب اہل علم سے تحریک و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ یہ ترجمہ فارسی زبان میں بھی حکومت افغانستان نے نہایت ہی اہتمام سے ۱۳۳۵ھ میں شائع کر کے پورے ملک میں اس کو تقسیم کیا اور حال ہی میں سعودی حکومت نے بھی اسے شائع کرنا رخصت تقسیم کا اہتمام کیا ہے۔ فہرہم اللہ تعالیٰ احسن العزاء فی الدارین۔

نوٹ - اب تو روزنامہ امروز بند ہو چکا ہے، مگر اس اخبار میں جناب محمد ہارون صاحب اپنی سچی حمید سے روزانہ اسے اپنے اخبار میں شائع کرتا رہا۔ اب بھی موجود اخبار اگر یہ دینی کام شروع کریں تو اس سے خواہ کو بہت فائدہ ہوگا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق علامہ عثمانیؒ کا عشق صادق :
حضرت شیخ الحدیث شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے

مخلوق بڑی آسانی اور دلائل عقلیہ کے ساتھ عوام کے دلوں میں ٹھہریں، مشنریاں اور جدید جاہلیت کے پیش کردہ بے جا سوالوں کے دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔ مصنف کی غلات کے خوف سے صرف ایک اقتباس بطور نمونہ دینا کار میں ہے۔ فرماتے ہیں

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق، حسنِ فرمودات کا اندازہ کرنے کیلئے یہی کافی ہے کہ آپ پرگز نہ کہیں گے کہ آنحضرت ﷺ بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھر انے میں پیدا ہوئے، نہ کچھ مال و دوست آپ نے جمع کیا تھا، نہ باپ و دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا، نہ ہی آپ کے پاس کوئی تنخواہ و دار فوج تھی، نہ اہلِ علم آپ کے ساتھ تھے، نہ قبیلہ والوں کو آپ کے لئے ہوئے دین اسلام سے کوئی سہرا دینی تھی ایسی بے کسی اور بے کسی کی حالت میں آپ نے نہ تہذیب و تمدن کو ایک ایسی صد سے نامالوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھ کر اس وقت ساری دنیا میں کوئی تمدن و تہذیب نہ تھی جاتی تھی اور نہ ہی ایسی صد اومینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی دشمن اور بدخواہ سمجھا جاسکتا تھا۔ یہ وہی لا الہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے دفعۃً تمام عرب ممالک میں تسلط ڈال دیا، جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا، جس نے ان کے اللہ کی چمک سے کفر و جہالت کی تاریکیوں میں بھگی سی کو نہ گئی، جو یادہ ایک زور شور کی سی ہو تھی، جس کے چلتے ہی شرک و بدعت غیر اللہ پرستی کے بادیں چھٹ گئے اور آفتابِ توحید ابر کے پردے سے باہر نکل آیا، یہ لا الہ الا اللہ ایسی رحمت کی آواز تھی، جس کی بوتھڑ سے مخلوق پرستی کے سیاح و قاصدوں کے پرچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کوں غیر اللہ سے بھاریوں کے شر سے بچایا۔

انفصاح ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایک غلت قوم کو ایسے عظمت سے رہانہ میں ایسے جنہیں مضمون کی طرف ابھرا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور مرادید و بنا لیا کہ جہاں ہی آپ کا پسینہ گرے وہاں یہ اپنا خون بہانے کیلئے تیار ہو گئے، گھریا کو ترک

کر دیا، ریں و فرزند سے بگاڑی، مال و دولت کو نگرہوں سے حقیر سمجھا، بچے دین کے
 دشمنوں سے خواہ اپنے خیمے یا بیگانے آدو جنگ ہوئے، کسی کو انہوں نے ہر کسی نے ن کو
 شید کر دیا، پھر یہ صرف دو چار یوم کا دلور نہ تھا، اب تک دنیا دیکھ ہی ہے، آپ کے بعد اسی
 مدت میں بڑے استقلال کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ قیصر و کسری کے تحت
 اٹھ دیئے، قاریں و روم کو تہہ و بانہ، نیست و نابود کر ڈالا اور اس پر معاملات میں ایسی تاریخی
 شائستگی کہ وہی جہاں بھی ماحول کی جاسکتی ہے۔

یہ تو آپ ﷺ کے اخلاق کی حالت تھی، ہر قی عقل و فہم کا نشان سب سے بڑا
 بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ بذات خود آدمی ہیں، جس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں ہوش
 سنبھالا، بلکہ ساری عمر گزاری۔ علوم سے یک لخت خالی۔ وہاں علوم و ہنر کا پتہ نہ علوم
 و ہنر کا نشان، پھر اس پر ایسا دین، ایسا آئین، ایسی کتاب ل جو اب اور ایسی آیات و نجات
 دے کہ آج تک بڑے بڑے علماء اس کتاب، اس دین کا جواب لانے سے اب تک
 قاصر ہیں، بلکہ بڑے بڑے مدعیانِ عقل و تہذیب نے اس کی داد دی۔ قرآن جیسا علمی اور
 زندہ معجزہ کس و غیر کو دیا گیا، جس کا مقابلہ کیا، باعتبار وضاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار
 علوم و مضامین کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدل کیسے تا قیام قیامت محفوظ ہے، دنیا کی کوئی
 کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ ان شاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی۔

حضرت شیخ الاسلام اور شیخ پاکستان کو قدرت نے بڑا عظیم ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ
 مشکل ترین مسائل و دلائل و دہان کی عجیب و غریب مثالوں سے ذہن نشین کر دیتے تھے، مگر
 داتے انہوں کہ مضمون کی طوالت کے خوف سے ہم آپ کے حریہ ارشادات اور ملفوظات
 مرقوم کرنے سے قاصر ہیں، ہاں ہم حکومت پاکستان سے یہ گزارش کرنے میں حق بجانب
 ہیں کہ محس پاکستان سے اتنا روگردانی اور احسان فراموشی بہتر نہیں، حکومت ہر حالت میں
 اپنے سرکاری خرچہ پر محس پاکستان، قائد پاکستان، شیخ پاکستان حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر

احمد عثمانیؒ کے ارشادات، تصنیفی خدمات سے فائدہ اٹھ کر اس کی اشاعت کا انتظام ہمارے ہاں خرچہ پر ضرور کریں اور اس کو مسلم ملک بلکہ غیر مسلم ممالک میں بھی مفت تقسیم کرنے کا اہتمام اپنے سہماری داروں کے ذریعہ کریں اور محسب پاکستان حضرت مولانا علامہ عثمانیؒ کے علمی کارناموں سے نئی نسل کو ہر حال گاہ کیا جائے۔ یہ قوم پر حکومت کا بہت بڑا حراس ہوگا، جبکہ اس طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں دی۔ حکمرانوں کو اس طرف ہر حال توجہ دینی چاہئے۔

شیخ الاسلامؒ کی وفات اور سیدنا امیر شریعتؒ کا مرثیہ

حضرت شیخ الاسلام قائم پاکستان علامہ عثمانیؒ کسی ضروری کام کیلئے براہ بیور تشریف لائے تو چند دن حسن محمود کی کوٹھی میں ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ/ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء بروز جمعہ مبارک اپنی جان جان آفرین کے سپرد فرمائی۔ اس طرح علمی تاریخ سے حضرت شیخ الاسلام کو دنیا سے رخصت ہوئے چھ برس کا ایک عرصہ گزر رہا ہے، مگر آپ کی یاد آپنی علمی شخصیت کے باعث ابھی تک اس طرح تروتازہ ہے کہ گویا حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ہم آج بھی علمی استفادہ کر رہے ہیں، مگر ہر ایک کا انعام تانہ و اتالیہ رانجوں ہی ہے۔ جب دیارے کائنات سے حضرت خاتر لیسیں صلی اللہ علیہ وسلم ہی رخصت ہو گئے تو در کس کو بقا ہو سکتی ہے۔

لو کامة اللہیا فلفوفہم لو اوحده لکن رسول اللہ ﷺ فیہا مغلدا

حضرت شیخ الاسلامؒ کی رحلت کے یوم سیدنا حضرت امیر شریعتؒ مولانا سید علی احمد شاہ صاحب بخاری نور اللہ مرقدہ بھی اتنا فاضل حاصل پر سے تسبیح دار و کرے ہوا پور شریعت لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت مولانا محمد علی جاسد عثمانیؒ اور مرزا غلام نبی جاسد (مشہور احراز شاعری) بھی ساتھ تھے۔ بہاولپور انٹیش سے پیٹ فارم پر ابھی شادی کے

قد سہی رکھا تھا کہ جانور گیٹ کی طرف سے بھاگا اور گھبراہٹ ہو آیا۔ درجلہ کی جلد کی کینے لگا،
شاہجی مولانا کا انتقال ہو گیا ہے۔ شاہجی نے گھبرا کر در وقت لڑایا کہ کون مولانا؟ تو ایک
دوبارہ کھتا رہا کہ مولانا کا انتقال ہو گیا ہے، پھر کہا کہ مولانا شیخ احمد عثمانی۔ شاہجی
فرماتے ہیں کہ چکن کریمہ۔ پاؤں کے سے زمین نکل گئی۔ چوبے ہزار سیاسی اختلافات
تھے، لیکن بہر حال وہ ہمارے برادرگوں میں سے تھے اور میرے دوست اور بھائی، بلکہ کافی استادوں
کے استاد تھے۔ ان کے مرنے سے علم کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے اور خصوصاً پاکستان میں
واجبہ کے مسک کو بہت بڑا دھچکا لگا ہے۔ شاہجی نے فرمایا کہ حضرت علامہ انور شاہ
صاحب کشمیری کے انتقال پر ہمارے اپنے آپ کو تیرہ غسوس کیا، تو پھر مولانا تھانوی مرحوم کو
دیکھ کر تسلی ہو جاتی تھی، اور ان کے بعد تو سب صرف مولانا شیخ احمد عثمانی ہی باقی رہ گئے تھے۔
میرے ساتھ تو وہ جو سنوگ کر گئے ہیں، بس اسے کبھی بیس بھولوں کا کہا کرتے تھے کہ "شاہ
جی تم سب کے ہو"۔ پھر شاہجی صاحب حضرت علامہ کی جائے وفات پر گئے، وہاں بہت
سے لوگ اکٹھے تھے، مولانا بدر عالم دروہ پڑھ رہے تھے، بیچارے بہت سی مغموم تھے، دروہ
کراں کی "کھیں پھولی ہوئی تھیں، مجھے دیکھ تو پھر مجھے چت کر دینے لگے، میں نے
حوصد دیا، پھر میں نے منہ دیکھے کی اجازت مانگی تو بولے کیوں نہیں، آپ کا سب سے
زیادہ حق ہے۔ آپ سے ان کو بہت تعلق تھا، شاہجی آپ تو بقول ان کے "سب کے سب تھے
ہیں"۔ چلے دیکھئے میں گیا اور چادر ہٹائی تو بالکل سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ امداد
ان کا چہرہ، روتق تھا، بالکل کوئی بڑی علامت نہیں تھی اور کیوں نہ ہو، دروہ علامہ شیخ احمد عثمانی
شارح مسلمہ اور معارف آس تھے اور پھر وہ ہمارے تھے، میں نے چہرہ دیکھتے ہی اس کی کش کو
خطاب کیا

"مولانا! خرابی بھی ہمیں کیا ہی پہنچ کر گئے نا"۔ کاش آپ جیسے

لوگ ہمارے جنازے میں شامل ہوتے، بس نہ ایک کبریاں سا بچ گیا، بہت سی ہو،

میں نے ان کی چارپائی کے پاس کھڑے کھڑے فی اہد یہ یہ مصرعے کہہ دیے
تو چہ دنی کہ چہ ہر حافظہ دل شیر گذشت
چوں صدنی خواست کہ علامہ شیر گذشت
شارح مسلم وہاں صاحب تفسیر گذشت

(نور سوانح، ص ۱۸۰)

کسی صاحب ذوق نے حضرت علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ کو مخاطب کر کے کیا ہی خوب
دل کی بھڑاس نکالی ہے۔

بہت اچھا تم سب چھوڑ ہم کو یوں ہی چلے جاؤ
کہ حامی ہم فریبوں ہے کسوں کا بھی خدا ہوگا

☆☆☆☆☆☆

ماہنامہ سیارہ کی اشاعت خاص ۵۳

معروف علمی و ادبی رسالہ "ماہنامہ سیارہ" کی اشاعت خاص ۵۳ بھی منظر عام پر
آگئی ہے۔ ۳۸۸ صفحات کا یہ خصوصی نمبر اہم علمی ادبی تاریخی مضامین اور واقعہ تحریروں
کا مرقع ہے، پڑھتے جاتے اور علم و ادب سے لطف اندوز ہوتے جاتے۔ بڑے مسئول
کی طرح اس کے معاونین اور ادارہ سب قلم بھی شکر و سپاس کے مستحق ہیں، جنہوں نے
اس ادبی گلدستہ کو جانے میں حکمت نہ حصہ لیا ہے۔ ۱۰۰ روپے ہدیہ قیمت ہی واجبہ کی
قیمت ہے۔

رابطہ کیلئے

ماہنامہ سیارہ کمرہ نمبر ۵، پکی منزل نور حسین زبکگل کلیت روڈ، لاہور

تحریک پاکستان میں علامہ عثمانیؒ کی مساعی

محسن پاکستان کی حیثیت سے حکومتی سطح کے خصوصی پروگراموں میں شیخ الاسلام
مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تذکرہ سرفہرست ہونا چاہئے تھا، لیکن اس درودیش صفت انسان کو
پاکستان کے رہنماؤں نے یکسر بھلا دیا ہے۔ یہ اہل حقیقت ہے کہ جو زمین کی آبیاری کرتا
ہے، فصلوں کی کٹائی کے وقت اس کا نام بڑے ذوق و شوق سے لیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام وہ
عظیم انسان تھے، جنہوں نے پاکستان کا پودا لگا کر دن رات اپنے خونِ جگر سے اس کی
آبیاری کی اور پھر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انہوں نے اس باغ کے پھل نہیں کھائے۔
ہمیں کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا تھا

کہ اس کی اپنی ٹکائیں بہار کو ترسیں

لیکن جنہوں نے اس باغ کے پھل کھائے اور اس باغ سے فائدہ اٹھایا، انہوں
نے وہ لمحے کے لئے بھی اس عظیم باغبان کو یاد نہیں کیا، لیکن کسی کے کارناموں کو تاریخ سے
مٹانا بہت مشکل ہے۔ تاریخ کے صفحات اپنے سنہری حروف سے لوگوں کی آنکھوں کو کھولنے

کاسبب بنتے ہیں۔

شیخ الاسلام پچیسے برصغیر پاک و ہند کے علماء حق کے دلوں میں رنود تھے لیکن ہر وقت نے تاریخ کا یہ حیرت انگیز اور مسکور گن باب دیکھا کہ آج طلباء و طالبات کے علاوہ عوام الناس کے معلقوں میں بھی تفسیر عثمانی بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جا رہی ہے۔ ہمارے لئے قابل فخر بات یہ ہے کہ آج ہماری نئی نسل عسب پاکستان شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بارے میں جاننے لگی ہے لیکن بہت سے بچوں کو یہ علم نہیں ہے کہ شیخ الاسلامؒ نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں کتنا مثبت کردار ادا کیا تھا لیکن ہمارے علماء حق مسلسل قور کو بیدار کرنے میں مصروف ہیں۔ زمین باران رحمت کو جذب کر کے مخلوق خدا کو پانی حرام کرتی ہے، اسی طرح علماء حق کے کشادہ سینے علم کو جذب کر کے مخلوق خدا کو علم دین کی روشنی سے فیض یاب کرتے ہیں۔ ہمارے علماء حق کی کوششیں اس لئے کارگر ثابت ہو رہی ہیں، کیونکہ وہ اپنے مقصد میں انتہائی مخلص ہیں۔

ہمیں، ہمارے ”اتحاد“ اور اس کے بانیان کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ میں سے شیخ الاسلامؒ کے نام سے یہ خصوصی نمبر جاری کیا اور اسی طرح شیخ الاسلامؒ کے نام پر ایک دور اور نمبر پاکستان سے جاری ہو گئے، تو ہماری نئی نسل شیخ الاسلامؒ کے سنہری کارناموں سے ضرور واقف ہو جائے گی۔ اس حقیقت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ تاریخ اپنے آپ کو بھرا رہی ہے۔

شیخ الاسلامؒ کی ولادت عاشورہ کے یازدہمے ۱۳۰۳ھ میں بختور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر کے علمی اور مذہبی ماحول میں ہوئی۔ آپ کے والد مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ و درالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے۔ انہوں نے مولانا قاسم نانوتویؒ کے سب سے بڑے

جہاد آزادی اور دارالعلوم کے قیام میں بہترین کردار ادا کیا۔ مولانا فضل الرحمن عثمانی نے شیخ الاسلام کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ دیا۔ آپ کے ساتھ میں شیخ لہند مولانا محمود حسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۲۳ برس کی عمر میں ۱۹۰۸ء میں تحصیل علوم دینیہ سے فراغت حاصل کی۔ طالب علمی کے دور ہی سے علمی صلاحیتیں اپنے رنگ دکھائی تھیں۔ باقاعدہ درس و تدریس کا آغاز مسجد فتح پوری دہلی سے کیا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں بطور مدرس آپ کا تقرر ہوا، پھر آپ کے علمی جوہر دنیا پر آشکارا ہوئے۔ تحریر و تقریر میں آپ بجاۓ روزگار تھے۔ قرآن مجید اور قرآنی علوم پر آپ کی دسترس کا اندازہ تفسیر عثمانی سے کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ علم حدیث کے ساتھ آپ کا شغف صحیح مسلم کی شرح فتح المسلمہ سے کیا جاسکتا ہے۔ علمی اور تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ قومی اور ملی امور سے عمر بھر تعلق خاطر رہا۔ جنگ آزادی میں انگریز کے خلاف جدوجہد کا جذبہ آپ کو اپنے استاد محترم مولانا محمود حسن سے ورثہ میں ملا تھا۔

مولانا شہید احمد عثمانی "تعلیمی اور تدریسی مشاغل میں منہمک تھے، لیکن آزادی کی مسکن کو حاصل کرنے اور قریب تر کرنے کے لئے تاریخی طبع کے باوجود بھرپور طریقے پر تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ آپ نے اپنا ایک خصوصی پیغام تحریر کر کے اپنی اس خواہش کا بھی برملا اظہار کیا کہ میرا یہ پیغام مجمع عام میں پڑھا کر سنایا جائے، جس وقت ایک عالم یہ پیغام پڑھا کر سنار ہے تھے تو سننے والوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے شیخ الاسلام خود بنفس شخص احساس میں موجود ہیں۔ آپ سے اس خصوصی وراہم پیغام نے مسمر ایک کی تحریک کو نہ صرف تقویت بخشی بلکہ مسمر ایک اپنی تمام تر جوانیوں کے ساتھ منظر عام پر نمودار ہوئی۔ یہ قیامت ہے کہ مولانا شہید احمد عثمانی کے اس نمبر (۳۰) صفحات کے پیغام نے مسمر ایک کی

دوسرے فوجیہ کی۔ جمعیت علماء اسلام کے تمام علماء نے اپنا یہ فیصلہ بھی سنایا کہ آج سے شیخ الاسلام جمعیت علماء اسلام کے صدر ہیں۔ شیخ الاسلام نے ۱۹۳۵ء کی ہی میں دارالعلوم، بوند میں اجتماع عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

”اگرچہ میں سیاست سے کنارہ کش ہو چکا تھا اور میری محنت بھی اتنے سخت اور مہر آزا کام کی اجازت نہیں دیتی، لیکن اسلامیات ہند کیلئے علیحدہ وطن کی تحریک سے علیحدہ رہنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ پاکستان کے حصول کیلئے اگر مجھے اپنا خون بھی دینا پڑے تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔“

مولانا عثمانیؒ کی محنت جیسے ہی کچھ بہتر ہوئی تو آپ نے پورے برصغیر کے اہم شہروں کا طوقانی دور کیا اور اپنی پیش بہا اور بے اثر تقاریر سے مسلمانوں کے ذہنوں کو بیدار کیا اور جلاہتیں۔ آپ نے صاف صاف فرمادیا کہ زندگی اللہ رب العزت کی امانت ہے اگر یہ زندگی اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے تو ابدی زندگی ہوگی، کیونکہ قربانیوں کے بغیر آزادی جیسی عظیم نعمت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اللہ کی رحمت اور شیخ الاسلام جیسی مقدر ہستیوں کی انتھک محنت اور راتوں کی ریاضت کی بدولت جن ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا مطالبہ منظور کیا گیا۔ شیخ الاسلام نے اپنے ساتھ مفتی محمد شفیعؒ اور دیگر علماء کو بیا اور مبارکباد دینے کیلئے قائد اعظم محمد علی جناح کے مکان پر تشریف لے گئے۔ قائد اعظم نے بڑی محبت و عقیدت سے آپ کی مبارکباد کو قبول کیا اور شیخ الاسلام سے کہنے لگے۔ ابھی سوچہ سرحد اور سلہٹ کا ریفرنڈم ضروری ہے۔ یہ انتخابی دشوار کام ہے، لیکن مجھے امید ہے کہ آپ کی محنت سے کامیابی ان شاء اللہ ہمارے قدم چومے گی۔

مولانا عثمانیؒ دشواریوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس نے آپؒ نے انتہائی خلوص و محبت سے وعدہ فرمایا۔ اس سفر کیسے آپؒ کی نظر انقلابِ مفتوحِ اعظم پاکستان مفتوحِ محمد شفیعؒ پر پڑی۔ اس کھنسن سفر میں علماء کی ایک جماعت بھی آپؒ کے ساتھ تھی۔ آپؒ سبھت اور سرحد کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ ان مقتدر اور عظیم ہستیوں کی محنت اور قیام پاکستان کے سلسلے کی جدوجہد کو ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ ہمیں بتانا چاہیے کہ پاکستان میں کیا اس لئے ہمیں اپنے بزرگوں کی محنت و ریاضت بالکل بھی یاد نہیں، جس زمانہ میں شیخ الاسلام سبھت اور سرحد کا دورہ کر رہے تھے۔ وہ انتہائی گرمی کا زمانہ تھا، لیکن مولانا عثمانیؒ کی پیشانی پر نامواری کے کوئی اثرات نہیں تھے۔ آپؒ نے ہر ضلع میں کئی کئی تقریریں فرمائیں۔ آپؒ کا اندوہنا دہلی میں اتر جانے والا ہوتا تھا، آپؒ کے اندازِ مخاطب نے صوبہ سرحد میں انقلابِ عظیم برپا فرمادیا۔ آپؒ کے دورہ سے قبل اس علاقے میں کانگریس کا طوطی بولتا تھا، لیکن شیخ الاسلام کی تقریر نے کانگریس کی مقبولیت کو مسلم لیگ کی مقبولیت میں تبدیل کر دیا اور صوبہ سرحد میں مسلمانوں کے پرچم تلے جمع ہو کر قیام پاکستان کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ اس جدوجہد کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کیلئے شب و روز مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے کام کیا۔

تاریخ اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ اگر مسلم لیگ کو شیخ الاسلام کی تائید و حمایت حاصل نہ ہوتی تو مشرقی بنگال، سرحد اور بلوچستان میں کامیابی کسی صورت ممکن نہیں تھی۔ پاکستان کے حامیوں نے یہ خوشخبری بڑے ذوق و شوق سے سنی کہ سبھت اور سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں ہو گیا ہے۔ بیٹوں میں اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے لوہا بنا ہے۔ لاہور جیسے مشہور شہر میں جب ایک خصوصی اجلاس ہوا، تو شیخ الاسلام نے وہاں کے عوام اور خواص کو اپنے تاریخ ساز خطبہ سے نواز دیا۔ بڑے بڑے دانشوروں اور اخبارات کے

اداریہ لکھنے والوں نے حضرت کے خطبہ کو نہ صرف سراہا بلکہ اس خطبہ کو حقیقت پاکستان کا سیاسی شعور قرار دیا۔ شیخ الاسلام جس شہر میں بھی پاکستان کی حقیقت پر خطبہ دیتے مسلمانوں کو یہ نصیحت ضرور فرماتے کہ تم اپنے دس کی آنکھوں کو کھلا رکھو اپنے ارد گرد کے ماحول کو غور سے دیکھو اور صحیح سیاسی شعور کے ذریعہ اپنے ادیان کو بیدار کرو، شیخ الاسلام وقت و مرجع کے بہترین متقاض تھے۔

حقیقتاً آپ نے ہی مسلم لیگ کے تین مردہ میں نئی روح پھونکی تھی۔ آپ مسلم لیگ کے سالاروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلم لیگ کی کامیابی میں آپ کی انتھک کوششوں اور کاوشوں کا بڑا دخل تھا۔ آپ کی بے لوث خدمتوں اور محنتوں نے آخر کار اپنا رنگ دکھایا اور ۲۷ رمضان المبارک کی شب قدر ۱۳۶۶ھ (۱۳ اگست ۱۹۴۷ء) میں پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ تاریخ نے اس روح پرور منظر کو بڑے دوق و شوق سے دیکھا کہ قائد اعظم اور لیاقت علی خاں نے شیخ الاسلام سے کراچی چلنے کی گزارش کی اور آپ نے خاموشانہ کیسے اپنا وطن اپنا شہر اپنا ساز و سامان ہندوستان ہی میں چھوڑ دیا۔

حقیقتاً یہ ہجرت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیسے شیخ الاسلام نے کی۔ صرف اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپ دیوبند سے کراچی تشریف لائے تھے۔ اس حقیقت کا اعتراف ہلی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے اس طرح کیا کہ پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کیسے انہوں نے شیخ الاسلام کا انتخاب کیا۔ نیز قائد اعظم کی جب وفات ہوئی تو اثناء عشری علماء محترمہ فاطمہ جناح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ قائد اعظم ہمارے مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے نماز جنازہ ہم پر جائیں گے، لیکن مس فاطمہ جناح نے کہا قائد اعظم کسی فرقے کے نہیں بلکہ پاکستان کے تمام مسلمانوں کے بیڑ تھے۔ انہوں

نے جو وصیت کی ہے، اس پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ قاعدت یہاں علی خاں مرحوم نے باقی پاکستان کا وصیت نامہ پڑھ کر سنا کہ ”میری لہوار جنازہ وہی شخصیت پڑھائے گی جنہوں سے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کی (یعنی مولانا شبیر احمد عثمانی)۔“

لہوار جنازہ کے بعد شیخ الاسلام میت کے قریب کھڑے ہوئے۔ اور اپنے عصا سے قادیان عظمیٰ میت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ وہ شخصیت ہے، جنہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ :

”پاکستان مسلمانوں کیلئے بنایا جا رہا ہے اور پاکستان میں اسلامی نظام ہی نافذ ہوگا شیخ الاسلام پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانے اور اسلامی نظام حیات کے نفاذ کیلئے دم آفرینک جہد و جہد کرتے رہے۔ آپ کسی شہرت اور آسائش کی طمع نہیں رکھتے تھے۔ لوگ کراچی اور دوسرے شہروں میں بڑے بڑے بنگلوں اور گلیوں کو اپنے تصرف میں رہے تھے لیکن اللہ کی رضا میں رہنے والے شیخ الاسلام نے کسی کو غشی اور بنگلے کی طرف نظر نہیں کی۔ ہمیشہ آپ نے اللہ کی رحمت پر نظر کی، آپ دنیاوی منفعت پر نظر رکھتے تو بہت بڑی جائیداد کے مالک بن سکتے تھے۔ آپ دنیاوی منفعت پر نظر نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے دوستوں سے عاریتاً مکان سے لئے۔ لیکن صبر کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ آپ جب تک زندہ رہے مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی اصلاح فرماتے رہے۔ آپ نے شب و روز پاکستان کی بڑی خدمت کی۔ ایسی بے لوث خدمت کرنے والے دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔“

ہمارے لئے ایک لمحہ فکر یہ شیخ الاسلام عطا کر کے گئے ہیں اور وہ لمحہ فکر یہ ہے کہ پاکستان میں رہ کر اسلامی تعلیم سے کبھی غافل نہ ہونا۔ آپ دل سے یہ چاہتے تھے کہ کراچی

اور دیگر شہروں میں بڑے بڑے دارالعلوم قائم کئے جائیں۔

”راج پاکستان میں موجود ہزاروں دارالعلوم روشن میناروں کی طرح صراطِ مستقیم پر پتہ دے رہے ہیں۔ یہ مدارس اور جامعات شیخ الاسلام کا خواب تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مدارس سے فائدہ اٹھانے والا بنائے۔“

آج اسلام اور پاکستان کی محبت ہمارے دلوں سے جلتی جا رہی ہے، کیونکہ ہمارے ارد گرد ایسا ماحول پیدا کیا جا رہا ہے کہ ہماری اکثریت اسلام اور پاکستان کی محبت سے فطرت میں جھلا ہوتی جا رہی ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے سلام حق، قائد اعظم اور سچے مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کی جڑوں کو مضبوط سے مضبوط تر کیا تھا۔ آپ نے ہی تحریک پاکستان کو ایب تک رندگی اور توانائی عطا کی تھی۔ آپ کی محاسنہ کوششوں سے دنیا کے نقشہ پر پاکستان ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے تھمکانے لگا تھا۔ یہ عزیمت و حوصلہ دیکھ کر دنیا کے مسلمانوں میں حصول آزادی کی جلد جدوجہد تیز سے تیز تر ہوتی گئی اور قیام پاکستان کے دس پندرہ برس۔ اندر اندر تقریباً تیس مسلمان ملکوں نے بیرونی تسلط سے آزادی حاصل کی۔

ہم سب مل کر اللہ و اس کے رسول ﷺ کی طاعت کیلئے خود واقف رہیں تو عالم اسلام میں حیاتِ نو کی ایک نئی ہر روز جائے گی، جو انسانی تاریخ پر ایسے نئے نئے شہتیرے کر دے گی۔ روز بروز یہ حقیقت واضح سے واضح تر ہو رہی ہے کہ اب تعلیماتِ قرآنی اور ہمارے ہادئِ برحق رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی روشنی ہی انسانیت کو مکمل حجاب سے محفوظ کر سکتی ہے۔ موجودہ دور میں ہمیں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے محسن و مربی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ہمیں سچائی کے ساتھ ان کے مش کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ حقیقت روز روشن کی طرح اب ہمارے سامنے ہے کہ
 نام کے شیر تھے اہل زہاں کے واسطے
 وہ سراپا درد تھے ہر دغم جاں کے واسطے
 آتش غم دل میں لیکن ، گنگو شبنم مثال
 وہ محبت ہی محبت تھے جہاں کے واسطے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہنامہ ”بناتِ عاکشہ“ لاہور

نوجوان فاضل صاحب قلم جناب مولانا منصور احمد کی مسامی حیلہ کا
 ایک شاندار علمی و ادبی شہرہ ”بناتِ عاکشہ“ بھی منظر عام پر آ رہا ہے۔
 علمی، ادبی، اصلاحی، تحریروں کا تاریخی مرقع، علم و ادب کا شاندار گلدستہ
 خواتین کیلئے دنیا و آخرت کا حسین زریعہ ہر مضمون دلائل و براہین پر تحریر اثر انگیز
 لطافت خوبصورت صفحات ۱۶۲۔

سالانہ چندہ ۲۰۰ روپے، فی پرچہ ۲۵ روپے

رابطہ کیلئے

مکتبہ ابن المبارک ماہنامہ بناتِ عاکشہ

۳۷۔ حق اسٹریٹ اردو بازار لاہور

تحریک پاکستان کے نامور مجاہد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات کی یاد میں نیم جنوری کو لاہور میں قائد اعظم لائبریری میں ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کا اہتمام ادارہ تبلیغ الاسلام جامعہ اشرفیہ نے کیا تھا۔ اس کانفرنس میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا عبدالقادر آزاد، حکیم محمد سعید، مولانا محمد متین ہاشمی اور مؤثر اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر انعام اللہ خان نے مولانا عثمانیؒ کی خدمات کا ذکر کر کے ان کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی حیات علمی و عملی کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ نے محض اللہ کی خاطر بے شمار جلسوں، مجلسوں، سمجھوتوں اور درسگاہوں میں آیات الہی کی تلاوت کی اور ان کے معانی و تفسیر کے اصولی گوشہ بکھیرے جن کے ذریعہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کا ترقیہ ہوا اور لوگ دین کے اصول و فلسفہ سے آگاہ ہوئے۔ آپ کا علمی مقام مشرقی اور مغربی تعلیم یافتہ دونوں طبقوں میں مسلم تھا۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد بھی تمام نسبِ مسلمہ میں آپ کا احترام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ۱۹ دسمبر ۱۹۵۹ء کو جب پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بی اے، ایم اے وغیرہ کی تقسیم اسناد کا جلسہ ہوا جس کی

صدر است سردار عبدالرب نشتر نے کی تو اس میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو فاضل علوم شرقیہ کی ڈگری دی گئی۔

علامہ عثمانیؒ ایک مہی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم مولانا فضل الرحمن اپنے زمانے کے فاضل اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ کے والد نے پہلے فضل اللہ آپ کا نام رکھا اور اس کے بعد شبیر احمد جو عاشرہ محرم کی پیدائش کی مناسبت سے ہو گا اور یہی نام مشہور ہوا۔ آپ کا شجرہ نسب تیسرے خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ سے جاملتا ہے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۲ھ میں حافظ محمد عظیم کے سامنے، بسم اللہ سے ہوا اور ان سے اردو کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۱۹ھ میں عربی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں شروع کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیروالہ کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ ۱۳۲۵ھ میں تعلیم سے فراغت پائی اور دو روزہ حدیث میں اڈل لکھے۔ سالہ فراغت کے بعد کچھ ماہ دارالعلوم میں پڑھایا پھر مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے۔

۱۳۲۸ھ میں فریضہ حج ادا کیا اور ۱۳۳۳ھ میں سلطان مجاز کی دعوت پر جمعیت العلماء ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر جاز گئے اور وہاں عربی میں زبردست تقریریں کیں۔ ۱۳۳۸ھ میں آپ جامعہ ذابجیل صنع سورت میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۳۵۳ھ میں دارالعلوم کے پرنسپل یا صدر مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے جہاں آپ نے دارالعلوم کی ترقی میں نمایاں کوشش فرمائی۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی اور پھر ذابجیل جا کر کچھ عرصہ کام کیا۔ یہاں آپ بیمار ہو گئے جس کے باعث واپس دیوبند آ گئے اور یہیں قیام کرنے لگے۔

علامہ عثمانیؒ کو علمی لحاظ سے چار خصوصی نسبتیں حاصل تھیں۔ سب سے اوّل نسبت ولی اللہی ہے۔ آپ پر شاہ ولی اللہؒ کے علوم کا عکس اور پرتو نمایاں ہے۔ بعض فضلاء

نے حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اسلام کا بعض اہل علم کو جانچیں اور ترجہاں نمبر دیا ہے اور علامہ عثمانی کو اس سلسلے کی صحیح روشنی حاصل ہے۔ آپ کو دوسری نسبت قادری حاصل ہے یعنی حضرت شاہ عبدالقادر ادرودی کے علوم سے نسبت۔ اس کا واضح ثبوت آپ کے تفسیری فوائد سے ملتا ہے جس میں متعدد جگہ مولانا عثمانیؒ کے کلمہ پر "شاہ صاحب فرماتے ہیں" کا ذکر آتا ہے اور ان کے اقوال پیش فرما کر علامہ فخر سے ان کو سراہتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ تیسری نسبت قاسمی ہے جس طرح مولانا محمد قاسم، حاجی امداد اللہ کی زبان تھے یہی طرح مولانا محمد قاسم کی زبان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے جس کا اقرار خود علامہ نے مجسم قلب یا ہے، چنانچہ "العقل" میں لکھتے ہیں "میں اس سے زیادہ اپنے کو خوش قسمت اور فائز اسرارم بنانے کی توقع نہیں رکھتا کہ (مولانا محمد قاسم) کے عالی مضامین میرے حوالے یہ بیان میں اس طرح ادا ہو جایا کریں کہ ان کی تعبیر میرے مدعا کے واسطے مفید اور صحیح ہو۔ چوتھی نسبت محمودی ہے جو آپ کو شیخ البند مولانا محمود حسن اسیر بالٹا سے حاصل تھی۔ علامہ شیخ البندؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے منہاں نے استاد کی نسبت کا حق ادا کر دیا۔ ایک جگہ مولانا عبید اللہ سندھی نے اس بارے میں لکھا ہے کہ میں حضرت علامہ (مولانا شبیر احمد عثمانیؒ) کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب جی قوتیہ جانیہ کا مثل جانتا ہوں۔"

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی تصانیف کی تعدد و سترہ (۷۱) کے تک بھگ ہے۔ آپ نے "اسلام" کے نام سے علم کلام میں ایک مقالہ لکھا ہے جس میں وجود ہادی، توحید، رسالت، ملائکہ کے اثبات پر محققانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ دوسری تصنیف عقل و عقل ہے۔ اس میں بھی کلامی بحث ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا اور کبھی عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت میں قصور ہو جانے کی وجہ سے اختلاف پیش آئے تو اس وقت کا فیصلہ کس طرح ہونا چاہئے۔ تیسری تصنیف اعجاز القرآن میں آپ نے قرآن حکیم کے اعجاز اور اس کے خدا کا کلام ہونے پر قائلانہ اور

دیانت بحث کی ہے۔ چوتھی تصنیف اشعاب کے نام سے ہے جس میں اصول اور فقہ یعنی قرآن، حدیث قیاس اور اجماع سے نقل مرثد کا ثبوت دیا گیا ہے۔ پانچویں معارف القرآن کے سلسلے میں ان کے مابہ نیاز مضامین کا مجموعہ ہے۔ چھٹی تصنیف الدار کا خزانہ ہے جس میں فلسفیانہ رنگ میں دار آخرت کے اثبات پر دلائل دیئے گئے ہیں۔ ساتویں مذہب ہے یہ رسالہ آپ نے دو سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا اور یہ کہ ائمہ میں کتنے اہم مسائل ہیں جن کو بعض امام حلال اور بعض حرام قرار دیتے ہیں، یہ اجتماع ضدین کیسے درست ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص جنت و دوزخ پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن ان کو حتمیلات پر محسوس کرتا ہے پس یہ خیالات کہاں تک ٹھیک ہیں۔ آٹھواں رسالہ "قرآن مجید میں عمار کیوں ہے"۔ اس میں زمانے کے معترضین کا جواب دیا گیا ہے اور عمار کے قلعہ پر بحث کی گئی ہے۔ نوں رسالہ تحقیق خطبہ پر ہے جس میں دلائل سے یہ ثابت ہے کہ خطبہ بعد محمد بن عربی بنی میں مسنون ہے۔ دسواں رسالہ "طائف الھدیث" ہے جس میں حضرت موصوف نے حدیث کے سمجھنے اور اور طائف بیان کئے ہیں۔ گیارہواں رسالہ "جواب شرعی" یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شرعی پر ہے۔ بارہواں رسالہ نمود الشمس ہے۔ اس میں اس حدیث کی تشریح کی گئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش مجدد کرنے کا ذکر ہے۔ تیرہواں رسالہ "خوارق عادات پر ہے جس میں معجزات و کرامات اور قانون قدرت سے باہر تعلق پر عقلی اور نقلی حیثیت سے جدید طرز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ چودھویں تصنیف "الروح فی القرآن" ہے جس میں قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ کے دنیوی اور نازک مسائل پر عامانہ و فاضلہ بحث ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ حضرت علامہ کا سب سے بڑا کارنامہ "تفسیر عثمانی" ہے جس کو آپ نے ساڑھے تین سال کی محنت شاقہ و خدا داد علم و فضل اور بے نظیر فہم قرآن کے باعث کھل کیا۔ سولہویں تصنیف شرح بخاری شریف ہے جس میں معرکہ قاراہ مسائل پر نہایت وسط و تفصیل سے بحثیں کی ہیں۔ سترہویں تصنیف

”فتح الہلم“ ہے یہ شرح حضرت علامہ نے عربی میں لکھی تھی جس میں آپ کے عم کی وسعت و بلند مہرائی اور مبلغ علم و فکر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ان علمی تصانیف کے علاوہ علامہ کے سیاسی مکاتیب، سیاسی خطبات اور بیانات بھی مختلف رسائل کی شکل میں طبع ہو چکے ہیں۔ ان میں ایک رسالہ ترک موالات ہے جس میں انگریزوں سے موالات، دوستی اور تعاون کے ترک پر شرعی اور سیاسی حیثیت سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ ایک پیغام بنام مؤتمر کل ہند جمعیت علماء اسلام ہے۔ اس پیغام نے ملک میں مسلم یک کی تائید میں ایک جوش و خروش پیدا کر دیا تھا۔ رکنۃ الصدورین کے نام سے ایک رسالہ ہے جس میں وہ معرکہ فآراء مکالمہ درج ہے، جو علامہ عثمانی نے اور مولانا حسین احمد مدنی ”دعوتِ اہم کے درمیان ۱۹۴۳ء میں ہوا تھا، جس میں علامہ عثمانی نے مسلم یک کی موافقت اور جمعیت کے وفد نے کانگریس کی تائید میں اپنے نظریات پیش کئے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جمعیت علماء اسلام کی ایک کانفرنس لاہور میں ہوئی تھی جس میں مولانا نے اسی صفحات پر مشتمل ایک مبسوط خطبہ صدارت دیا تھا۔ اس خطبہ میں مسلمانوں کے لئے پاکستان کے فوائد اور مسلمانوں کے لئے الگ آزاد ملک پر مدلل تبصرہ ہے۔

فتح الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی شخصیت علامہ دیدہ و دور میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ وہ معقول و منقول دونوں علوم میں نور بصیرت سے ممتاز تھے۔ انہیں جہاں تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ اور علم کلام میں طبعی ذوق تھا وہاں علم فقہ میں بھی منفرد نظر آتے تھے۔ علامہ اہل نظر میں جب وقت کے فقہی مسائل درس کے عہد کے ہنگامی نظریوں کا سوال پیش آتا تو ان کا موقف اور فقہی معلومات و تحقیقات کا دریا سوزن ہو جاتا تھا آپ فقہی مسائل کو اس طرح پیش فرماتے کہ دل کی تہوں میں پھوست ہوتے چلے جاتے اور دماغ کے پردوں کو صاف اور روش کرتے جاتے تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی تالیفی سرگرمیاں بھی قابل ذکر ہیں آپ نے اراہ علوم

دعوتِ بندہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے غلطی انداز تبلیغی مقالہ ”اسلام“ لکھا جس کے ذریعے عوام اور علماء میں آپ کا بہت وقار قائم ہوا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے جو تبلیغی سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ اس کا امیر مولانا عثمانیؒ کو بتایا تھا۔ اسی طرح آپ نے ایک حاضر جواب مناظر کے فرائض بھی انجام دیے۔ جس سے آپ کی قوتِ استدلال کا پتہ چلتا ہے۔

دارالعلوم دعوتِ بندہ نے بہترین مقرر اور خطیب پیدا کئے ہیں، متوسط دور میں مولانا عثمانیؒ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ خلافت کے جلسے ترکہ مولات کے پلیٹ فارم، جمعیت علماء کے پنڈال، مدارس اسلامیہ کی وجہ، دروس گاہیں، مسلم لیگ کی کانفرنسیں، ہندو مسلم سیاسیات کی خبر دگاہیں، تبلیغ و ارشاد کی محفلیں، مؤتمر کمہ کی مجالس، دارالعلوم دعوتِ بندہ کی سندیں، مؤتمر الانصار کے ہنگامے، جامعہ ذابھیل کی فضا میں اور مرکزی پارلیمنٹ پاکستان کے مشورت گاہیں حضرت علامہ کی جادو بیانی اور سحر آگیں تقریر کے اشتیاق میں آج بھی سراپا انتظار ہیں۔ نامور ادیب و صحافی مولانا نصر اللہ خان عزیز نے ایک مرتبہ لکھا تھا ”مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دعوتِ بندہ کے مدرس علم و فقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے سینے میں ایک دل بیدار و صحت یاب تھا جو ان کی تمام احتیاطوں کے باوجود ان کو میدانِ عمل میں لئے پھرتا تھا۔ سب سے پہلے وہ تحریکِ خلافت و عدم تعاون میں عوام کے سامنے آئے اور وہ ایک جادو بیان مقرر تھے، الہ بور میں مولانا ابو الکلام آزاد کی صدارت میں جمعیت علمائے ہند کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر نہایت معرکہ فوارہ تھی۔“

شعبہ بیان مقرر حضرت مولانا ظفر علی خاں اب سے متعلق لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے مرحوم کی تقریر سنی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا کے ایک ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن ہوتا تھا ورنہ ایک بات میں دنیا بھر کے حقائق پوشیدہ ہوتے تھے۔ ”مسلمانانِ قادی محمد طیب نے فرمایا کہ حضرت عثمانیؒ کی فصیح و بلیغ تقریروں سے لاکھوں

باشندگان وطن، آزادی وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ مولانا شہید احمد صاحبؒ بڑے خطیب و مقرر تھے۔ ان کی تقریروں میں کافی دلائل ہوتے تھے، اور سیاسی، علمی اور تبلیغی اور واعظانہ ہر قسم کے بیاب پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ جذبات و طہائی اور مدیہ کوئی ان کی تقریروں سے کافی نمایاں تھی۔ "مولانا عبدالجبار پادری فرماتے ہیں کہ مولانا عثمانی اپنے وقت کے زبردست شکم خوش تقریر و اعظا محدث و مفسر بھی کچھ تھے۔"

اگرچہ علامہ عثمانیؒ کی بہت سی تقریریں جادو بیانی کا منہ بولا ثبوت ہیں لیکن بعض تقریریں آج بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ان کے تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حدفت کے زمانے میں الہ آباد کے مقام پر ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد بھی شریک تھے، دونوں قریب قریب کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے ناگاہ مولانا عثمانیؒ کی تقریر کے کسی حصے نے مولانا آزادؒ کو چونکا دیا اور اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ گردن جھک گئی اور مولانا آزادؒ ایسے محو تقریر ہوئے کہ علامہ عثمانیؒ کی تقریر ختم ہو گئی اور سراسر اسی طرح نیچے جھکا رہا۔ جب آزاد صاحب کے کان آواز سے لطف اندوزی نہ کر سکے تو سرائف کر دیکھا، مولانا عثمانیؒ بیٹھ چکے تھے چنانچہ مولانا آزادؒ نے پھر دوسرے اجلاس میں تقریر کی فرمائش کی۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی علامہ عثمانیؒ کی حق بیانی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "تقریر کے وقت عقل کو کبھی جذبات سے مغلوب نہیں ہونے دیتے تھے، جذبات کہتے تھے، ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ، بہت ناپ تول کر کہتے تھے تحریک خلافت کا زمانہ حد درجہ اشتعال اور جذبات کی برائیت تھی کا عہد تھا۔ اس زمانے میں کبھی بھی تقریر تحریر کوئی بات ایسی نہیں کہی جو صرف جذبات کا نتیجہ ہو۔ حق بات کہنے میں ہمیشہ بے باک اور نڈر تھے اور ہر معاملے میں اپنی رائے منطقی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے۔"

پانچ سو لوگوں کو اب تک یاد ہو کہ دہلی کے عظیم الشان جلسہ میں چندتہاں ہو، مگر مولوی
سے مقابلہ پر اور ۱۹۲۲ء میں گیا میں جمعیت الصمائم ہند کے سہاراں جیسے کے موقع پر
دہلیوں کے بائیکاٹ کے مسئلے پر حکیم محمد اجمل خان مرحوم کی مخالفت میں حضرت الاستاد
علامہ عثمانی نے کس قدر ہنگامہ آفریں اور معرکہ فائر تفریریں کی تھیں آہ ان شط
مٹائیوں کو اب قوتیہ سامعہ ترستی ہے اور بقول ڈاکٹر اقبال

حضور ملت بیضا چیدی لوائے دگدگائے آفریدی!
ادب گو یہ سخن را مختصر گو تیدی آفریدی آرمیدی!

موصوف کی طاقت لسانی کا اندازہ کرنے کے لئے ان کی اس تقریر کے چند
نکات ملاحظہ کریں جو قرارداد مقاصد کی تائید میں پارلیمنٹ میں کی تھی۔ یہ تقریر علامہ نے
۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء کو کی تھی۔ علامہ نے فرمایا: ”جناب صدر محترم! قرارداد مقاصد کے اعتبار
سے جو مقدس اور عطا تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہاؤس کے سامنے
پیش کی ہے، میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج بیسویں صدی میں (جبکہ تمدانہ
عمریات حیات کی شدید کشش انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر
بہ صوف کے عزم و ہمت اور جرأت ایمانی کو مبارکباد دیتا ہوں، اگر غور کیا جائے تو یہ
مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پس ہوئی اور کھلی ہوئے روج
انسانیت کی جانب سے ہے جو حاکم مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آرزو و رقیبہ
ہوں، ان کیوں کے میدان کارزار میں بدتوں سے پڑی کر اور رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی
آواز میں اس قدر مدد و انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگ دل قائل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور
بہ جائزہ حرکات پر تادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں، مگر پھر علاج
اور دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اس کو (دوا اور
سیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں

پھنس چکی ہے، اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑپھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی، وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے اور جو راستہ اب اختیار کر رہی ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

علامہ نے فرمایا کہ ضرورت ہے ہم اپنے کو خواش منف ثابت نہ کریں۔ جو دن و روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی۔ پاکستان مادیت کے تصور میں پھنسی ہوئی اور دہریت والی کی اندھیریوں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا مینار دکھانا چاہتا ہے ایسا دنیا کے لئے کوئی فائدہ نہیں بلکہ انسانیت کے لئے پیغام حیات و نجات ہے اور تمام دنیا کے لئے اطمینان اور خوشامی موعنا اور پاکستان کے لئے خصوصاً کسی قسم کا نظام جو بیز کرنے سے پہلے پوری قلعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ ملکیت بھی شامل ہے، مالک اصلی اور حاکم حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں؟ اب اگر ہم اس مالک کسی خالق کل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ یہ مالک کی خصوصاً اس مالک ملی اطلاق کی ملک میں ہم اس حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے اجازت دے دے۔

علامہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ قائد اعظم مرحوم نے اگست ۱۹۴۷ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں ”قرآن مسلمانوں کا مذہب و حیات ہے اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری، اور تقویری، معاشی اور معاشی شرعی فرائض تمام شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر دوزانہ کے امور و حیات اردن و نجات سے لے کر جسم کی صحت تک جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق و مراعات تک، دنیاوی زندگی میں جزا و سزا سے لے کر حقیقی کی جزا و سزا تک، ہر فعل و قول اور حرکت چ عملی احکام کا مجموعہ ہے۔ لہذا جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو یہ بات، بعد

حیات اور ہر مقدار اور معیار کے مطابق کہتا ہوں۔“

جہاں تک علامہ کی سیاسی زندگی کا تعلق تھا جب آپ نے اس وادی پر خار میں قدم رکھا اس وقت غیر منقسم ہندوستان میں کانگریس کا طوطی بولتا تھا اور مسلمان اور ہندو دونوں اس سے وابستہ تھے لیکن ایک وقت آیا جب اس جماعت پر ہندو کی سیاست کا غلبہ ہو گیا۔ یہی وقت تھا جب مسلم قوم کا ایک فرد انہوں نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نجات دہندہ بن مت کر دیا۔ شروع شروع میں مسلمانوں کی بعض معتد جماعتیں اسی کانگریس کے ہنڈے تلے آزادی تلاش کرنا چاہتی تھیں۔ مگر جب مسلمان ہند اپنی خوش بختی مسلم لیگ سے وابستگی میں سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے ایک طرف قائد اعظم جیسی بے لوث، جملہ سیاست دان ہستی کی روز افزوں مقبولیت کا سوال تھا اور دوسری طرف بعض علماء کا کانگریس میں شمولیت کا مسئلہ۔ وہ کشمکش میں جھلا تھے۔ ان کو اپنے ایمان کی بھی فکر تھی اور صحیح منزل مقصود کی بھی۔ اس مقصد کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایک شعروشاعی کی اور مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کے لئے شریعت خراکی روشنی میں راہ ہدایت دکھانی شروع کی۔ آپ نے پوری قومی اور اسلامی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے خود بھی مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور مسلمانوں کو بھی پوری پوری سیاسی اور مذہبی دلائل کی قوت سے ایک میں شمولیت کی دعوت دی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو میرٹھ مسلم لیگ کے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ ”راقم الحروف خود یک مدت دراز تک اس شش و پنج میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور و فکر کیا۔ اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے پھر ایک حیر میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی ایک تفسیر ہے جو ان کی کتاب المیزان الکبیر میں موجود ہے۔“

علامہ شبیر احمد عثمانی جمعیت العلماء ہند کی زکیت ترس کے جب مسلم لیگ میں

شامل ہوئے تو محسوس فرمایا کہ تدریس و تحریر کی چار دیواری سے نکل کر میدان عمل میں آئے چاہئے، چنانچہ آپ نے طوفانی دور سے فرمائے اور مسلمانوں کو لیگ کے جھنڈے تلے آنے کی دعوت دی۔ ایک خطبے میں لیگ اور کانگریس کے بنیادی اختلاف کی وضاحت ان الفاظ میں فرمایا کہ "کانگریس کی ساری جڑ بنیاد قومیت متحدہ پر ہے۔ اس کا دھوی ہے کہ ہندو مسلمان ایک قوم ہیں اور پورے ہند کی مخلوط حکومت میں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے ایسے نظام حکومت میں جہاں ہر چیز کا فیصلہ رائے شماری سے ہوتا ہو تو دس کروڑ مسلمانوں کی اقلیت کی وجہ سے ہمیشہ اور ہر جگہ ان کے رحم و کرم پر رہتا ہوگا۔" آپ نے فرمایا کہ اب مسلم لیگ کا کہنا یہ ہے کہ جب دو قومیں جدا جدا ہیں تو آزادی ان میں سے ہر ایک کا حق ہے، ان میں سے ایک ہمیشہ دوسرے کے رحم و کرم پر کیوں رہے۔ خصوصاً وہ غیر قوم جس نے اس دوسری قوم پر آٹھ سو برس تک حکومت بھی کی ہے اور آج بھی وہ زمین کے بہت بڑے حصے پر حکمران ہے۔

۳ جون ۱۹۴۷ء کو اعلان پاکستان کے بعد جب سرحد اور سلٹ (مشرقی پاکستان) میں ریفرنڈم کا فیصلہ ہوا تو قائد اعظم کو جب فکر لاحق تھی۔ اس موقع پر ہی، مکی شریف نے قائد اعظم کو لکھا کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کا دورہ نہایت ضروری ہے کیونکہ ملک میں ان کی مذہبی حیثیت سے بہت اثر قائم ہو چکا ہے۔ ان حانات کے پیش نظر قائد اعظم نے علامہ عثمانی سے اس جہم کو سر کرنے کیسے کہا، اور علامہ بڑھاپے اور دائم المرضی کے باوجود سرحد کے دورے میں تشریف لے گئے، آپ نے پشاور، ایبٹ آباد، کوہاٹ، بنوں، مردان، ماسکوہ اور قبائلی علاقوں میں جا کر ولولہ انگیز تقریریں کیں اور پاکستان کی حقیقت کی وضاحت فرمائی۔ مولانا کے اس دورے کی رپورٹ انقلاب کراچی "اسلامیہ جمہوریہ نمبر" میں اس طرح شائع ہوئی، اس دورے میں آپ کے ایک سانحہ ۱۰ دیکھتے ہیں کہ سرزمین سرحد میں شیخ الاسلام نے باوجود اپنی علالت اور پیرائے سہان

کے ایک طویل دورہ کیا جس میں گرمی کی شدت کے باوجود وہ اوقات موثر، ریل اور مختلف سواریوں کے ذریعے سفر کرتا پڑتا تھا جس کی وجہ سے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر پاکستان کے مسئلے کو دو قومی نظریہ سے اختلاف رکھنے والوں نے جس طرح عوام کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کی وجہ سے سرحد کے باشندے کانگریس کے جال میں پھنس کر رہ گئے تھے اس جال کے بارود پودے کھیرنے کے لئے شیخ الاسلام مرحوم جیسی عظیم الشان شخصیت کی ضرورت تھی۔ اس مہم پر آپ نے سرسری سے حصہ لیا، جس کی وجہ سے سرحد کی فضا بہتر ہوئی اور پاکستان کے حق میں عوام کے رجحانات تبدیل ہو گئے۔

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں سچہ خیز ہو چکنے کے بعد علامہ عثمانی، قائد اعظم سے دہلی میں ملے اور اس کامیابی پر مبارک باد دی۔ قائد اعظم نے فرمایا کہ اس مبارکباد کے مستحق آپ ہیں میں سیاست دان کسی لیکن آپ نے بروقت مدد کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی۔

مولانا کے علم و فضل ان کی زندگی اور ان کے عظیم القدر کارناموں سے مل پاکستان ابھی طرح آگیا ہیں، ان کے تجربے ان کی راست بازی حق کوئی اور حق شناسی نے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کو راستہ سنبھالنے کی شہ نہیں کہ تحریک پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے میں اور بھی کئی عناصر کارفرما تھے مگر اس تحریک کو خدا ہی تقدس بخشے والی ذات سورا شاہ شہیر احمد عثمانی کی تھی۔

علامہ عثمانی ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی کے جلسوں اور احتجاج پاکستان کی تقریب میں شرکت کے لئے دہلی بند سے کراچی تشریف لائے، آپ غیر منقسم ہندوستان میں سلیٹ (بنگال) کی طرف سے صوبائی الیکشن میں مرکزی ہندوستان قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے، اسی حیثیت سے پاکستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر بھی بنے، دستور پاکستان کا پہلا اجلاس ہوا تو حضرات حضرت علامہ نے کی اس کے بعد ہمیشہ

دستور یہ کہ اجلاس کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے ہونے لگا۔

شیخ الاسلام کی وفات پر الجمعہ دہلی نے لکھا کہ مرحوم علامہ عثمانی صرف ہندوستان اور پاکستان ہی کی امانت نہ تھے بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے چراغ ہدایت تھے۔ آپ کے علمی فیضان کا دائرہ افغانستان، ایران، انڈونیشیا، چین، ساؤتھ ایشیا، مصر، الجزائر اور دوسرے اسلامی ممالک تک وسیع تھا اور آپ کی شخصیت ہمیشہ بین الاقوامی شہرت کی سرمایہ دار رہی۔ ہندوستان اور پاکستان میں وہ کون سا مستند عالم ہے جسے مرحوم کی شکرگاہی اور تربیت کا فخر حاصل نہ ہوا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں مبالغے کا کوئی شبہ نہیں ہے کہ مرحوم کی وفات کے بعد اسی دنیا میں ایک ایسی جگہ خالی ہو گئی ہے جس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

جس روز علامہ عثمانی نے اس دنیا سے رخصت سفر باندھا ڈاکٹر اشتیاق قریشی نے ریڈیو پاکستان سے ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مجھے بعض اہم مسائل پر غور و خوض کے سلسلے میں علامہ عثمانی کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا اور دستور بنانے کے سلسلے میں بھی مجلس دستور ساز کے اندر اور اس کے باہر تیارہ خیاب کا موقع ملا، جس سے مجھے معلوم ہوا کہ مولانا نہ صرف علم دین اور علوم مشرقی میں تبحر رکھتے تھے بلکہ سیاسی مسائل کو بھی سمجھنے میں دقت نظر اور وسعت فکر کے حامل تھے۔ مصالحہ علی گڑھ، دین کا وہ صحیح امتزاج جو اسلام کی خصوصیت ہے، مولانا کے قول و فکر میں نمایاں تھی۔

پاکستان کے سابق وزیراعظم مسٹر حسین سہروردی نے علامہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ”مولانا کی شخصیت زہد و تقویٰ، علمی شخصیت اور سیاسی بصیرت کا اجتماع تھی۔ وہ علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے محترم عالم تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں جدید رجحانات کا بدرجہ اتم احساس تھا۔ وہ واحد انسان تھے جو موجودہ زمانے کے تقاضوں اور آنکھوں کا اسلامی افکار کی روشنی میں حل بنا سکتے تھے۔ انہوں نے اسلامیان ہند کی جس انداز میں

یاد دہ اور ہنسائی کی اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان تشریف لاکر لوگوں کی بہت خدمت کی اور رات دن لوگوں کی خدمت کے لئے وقف رہے، اس وقت آباد کاری کا مسئلہ سب سے اہم تھا، آپ نے سینکڑوں لوگوں کو آباد کرایا لیکن خود کو کوئی مکان حاصل نہ کیا اور دوسرے لوگوں کے مکانوں میں ٹھہرے رہے۔ علامہ کی زندگی بالخصوص ہمارے علماء کے لئے ایک نمونہ ہے، انہوں نے پاکستان میں قرآن و سنت کے قانون کے نفاذ کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کا آئندہ دستور قرآن و سنت ہو اور قرارداد مقاصد علامہ ہی کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں تیار کی گئی تھی۔

کانفرنس میں علامہ شبیر احمد عثمانی کو علماء اور صدر مملکت نے خراج تحسین پیش کیا اور قیام پاکستان کے سلسلے میں ان کی مساعی پر خوب روشنی ڈال گئی لیکن حق یہ ہے کہ علامہ کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کی خواہش اور تمنا کے مطابق پاکستان کو چلایا جائے۔ اس میں قرآن و سنت کے قانون کو بالادستی حاصل ہو اور یہاں کے عوام اسلامی اقدار و روایات کے مطابق زندگی بسر کریں۔

(خصوصی ایڈیشن نمبر ۱۱، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۸ء)

مملکت پاکستان کے لئے علامہ عثمانیؒ کے مرتبہ بنیادی اصول :

ساری مسجد اسلامیت و متحدہ یک جان ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے جس سے انیس کے لشکروں کے حوصلے پست ہو جائیں، ظاہر ہے کہ اس چیز کی تکمیل والہرام موقوف ہے اس پر کہ ہماری سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان پہلے اپنے قیام کی اصلی غرض و قایت اور بنیادی اصول کو سمجھ لے جو ہمارے نزدیک حسب ذیل ہونے چاہئیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کو سارے ملک کا مالک اصلی اور حاکم حقیقی مانتے ہوئے اس کے سامنے امن کی حیثیت سے اسی کی مقرر کردہ حدود کے اندر پوری مسئولیت کے خیال کے ساتھ حکومت کا کاروبار چلانا۔

(۲) بلا تفریق مذہب و ملت و نسل وغیرہ تمام باشندگان پاکستان کیلئے امن و انصاف قائم کرنا اور دوسری اقوام کو بھی اس مقصد کی دعوت دینا۔

(۳) جملہ معاہدات کا احترام کرنا جو کسی دوسری قوم یا مملکت سے کئے گئے ہوں۔

(۴) غیر مسلم باشندگان پاکستان کیلئے جان و مال اور مذہب کی آزادی اور شہری حقوق کے تحفظ کے ساتھ مذہب اسلام کی حفاظت اور تقویت کا بندوبست کرتے ہوئے مسلم قوم کو ان قوانین الہیہ کا پابند بنانے کی انتہائی سعی کرنا جو مالک الملک نے ان کے قیام دارین کے لئے نازل فرمائے ہیں۔

(۵) تمام باشندگان پاکستان کی انفرادی صلاحیتوں کی کامل حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے معاشی حالات میں مناسب اور معتدل توازن قائم کرنا اور بھلائی امکان کسی فرد کو بھی ضرور یا سب زندگی سے محروم نہ ہونے دینا۔

(۶) خصوصیت کے ساتھ رہا (سود) مسکرات (نشد وراشیاء) قمار (جوا) ہر قسم کے معاشرتی فواحش کے سد باب کی امکانی کوشش کرنا۔

(۷) قومی معاشرے کی بلند خیالی کے ساتھ ساتھ اور ستمرا بنانے کی ہر جائز کوشش کرنا۔

(۸) مغربی طرز کے بیچ در بیچ عدالتی بھول بھلیوں سے نکال کر عوام کے لئے امکانی حد تک سستا اور تیز رفتار انصاف حاصل کرنا۔

(۹) ان پاک اور بلند مقاصد کے لئے ایک ایک مسلمان کو عین ضرورت دینی و عسکری تربیت دے کر اسلام کا مجاہد اور پاکستان کا سپاہی بنانا۔



باب : ۶

افادات

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

افادات وارشادات

بمقتضیٰ اب مسلمانوں کو ایک ایسا عقد ارضی مل گیا ہے کہ اگر وہ اس میں تہ متر اسلامی آئین و قانون نافذ کرنا چاہیں تو اس کی کوئی عاقبت اس کو نہیں روک سکتی، یہی مکمل آراوی کی وہ قسط اوس پہلی منزل اور بنیادی حقیقت ہے جس کا حصول اکھنڈ ہندوستان میں کسی طرح ممکن نہ تھا اور جس کی حفاظت ہر قیمت پر اہل پاکستان کے دے واجب ہے۔ آگے قسط ثانی اور دوسری منزل یہ ہے کہ ہم سب مل کر اس مملکت میں اللہ تعالیٰ کی تشریفی حکومت قائم کرنے کی سعی کریں جس طرح اللہ رب العزت کی حکومت سارے عالم پر قائم ہے۔ ہری حکمرانی اور فرمانروائی کے وہی طور و طریق ہوں جن کی نصیحت مسلمانانہ ہی نے (حالیکہ اسلام اور اسلامی عظمت سے ان کی نفرت و بغض اور معاندانہ کوششیں دور روشن کی طرح عیاں ہیں) اپنے کانگری و راء کو ۱۹۴۷ء میں کی تھی یعنی ابو بکر و عمر کے بیچ کی حکومت اگر اپنی نفیست و مآپ و داعی سے ہم ایسا نہ کر سکے اور پہلی ہی منزل پر ایٹک کر رہ گئے تو یہ ہاری بدعتی حرم اور حاصل شدہ آراوی کی نعمت کا انتہائی کفران ہو گا اور اگر دوسری قسط کے وصول کرنے سے پہلے خدا نکر وہ پہلی قسط بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے تو یہ اس سے بھی بڑی حقیقت اور بد نصیبی ہوگی جس کے لئے ہم ہمیشہ آنے والی تاریخ کے سامنے مسکول رہیں گے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا یہ خطاب آٹھ سے ۳۳ برس قبل ان کی جدائی بصیرت کی شہادت دے رہا ہے کہ انہوں نے کیسے خطرناک پیش آنے والے امور سے قوم کو خبردار کیا اور اصل نصبِ احسن سے چوک جائے کہ تم سب تاریک راہوں کی نشاندہی کر رہی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کی مقدس حریت کی بقا، اس کی آبادی و ترقی و خوشیوں سے جن بنیادی اصول کی رہنمائی فرمائی تھی، اس کو ہم نے قطعاً نظر انداز کر دیا اور یہ بھلا دیا کہ تاراج کی یہ لعلت کس طرح بحرِ حوادث کی طوفانی موج میں تھیں کر حاصل کی تھی۔ محض خدا کا قرآن کا اور اسلام کا نام لے کر ان طوفانی ہر اس کو عبور کیا تھا اور حاصل مقصود پر بحرِ اٹل پہنچ گئے تھے۔

ہم سب ہمیں کہ جس چیز نے نام میں اس قدر قوت، ایسی عظیم تاثیر، دراتی شاندار کامیابی ہے، برواقعی ہم سب سے تقاضوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو کیا کچھ سم کو فتح، نصرت حاصل نہ ہوگی، شیخ الاسلام سے اس وقت ایسی پیاری بات فرمائی تھی کہ

”وقت آگیا ہے کہ امدادِ حضرات اپنے مقدس وعدے پورے کریں اور معائب کے طوفانوں سے بچنے کے بعد اس ناکلے والے خدا کو نہ بھول جائیں اور اس معصوب، مگر اولادوں میں سے نہ ہو جائیں جن کے تعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوا تھا

وَادْرِكُوا فِي الْفَلَاحِ دَعْوِ اللَّهِ مَخْلُصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا بَلَغَهُمُ

الْمِيعَادَ هُمُ الْيَاسِرُونَ ۝

(آخر قرآن سے منہ موڑ کر ہم کو نہ بھولنا حیات اور آخر میں حکومت اختیار کریں گے، حالانکہ قرآن ہی وہ مکمل لارہاں ابدی اور عالمگیر نظامِ ہمدردانہ ہے جس سے اپنے ہر شعبہ زندگی میں ہم نور اور قوت کا کتاب لے سکتے ہیں۔“

”کیا اللہ کے دین کے سوا ہمیں کسی اور چیز کی تلاش سے حالانکہ ہر چیز جو آسمانوں و زمین میں ہے وہ انکوئی طور پر اس کی فرمانبرداری ہے۔ خوشی سے یا ناخوشی سے

وہ سب کو اسی کی طرف لوٹا ہے۔

جب ہم ان کے ارشاد فرمودہ ان کلمات پر نظر آتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کی نگاہ بصیرت ہمارے اوپر پیش آنے والے احوال اور ادوار اور تغیرات کو پہچانتے ہوئے ہم کو ایسے واضح اور روشن رہنما اصول کی ہدایت فرماری تھی کہ ہم آج اپنے کو ان ہدایات کا راستہ سے راستہ مستحق سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے ہمیں فوز و فلاح کے بنیادی اصول و نکات بتائے اور فرمایا تھا میرے نزدیک ہمارے سارے فوز و فلاح کا راز ان چار لفظوں میں مضمر ہے، صبر و استقامت، تقویٰ و طہارت، اتقوا ملت، اعداؤت حسب استطاعت، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اپنا تعلق صحیح رکھا جائے۔ تاکہ اس کی امداد و نصرت کے مستحق ہو سکیں اور اسے راہ میں پیش آنے والی غمیتوں کو صبر و استقامت سے برداشت کیا جاسکے اور ساری ملت اسلامیہ متحد و متحدہ ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے جس سے ایسی لشکروں کے حوصلے قلقلت کھا جائیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی شخصیت اپنے کمالات اور خصوصیات میں ایک عجیب و غریب شان اور عظمت کی حامل تھی۔ ۱۹۱۶ء میں امام دین و نائب رسول ﷺ تھے کہ ان کو بجا طور پر محقق اسلام، دانائے شریعت، واقف امر کہا جاسکتا ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتیں مسلمانوں کو پڑھا میں، اور سکھائیں جس کے واسطے اس کی تفسیری خدمات کا ابدی باقی رہنے والا ثبوت ہے تعلیم کتاب و حکمت اور تقسیم سنت میں ان کی شرح حدیث بے مثال خدمات درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی عالم اسلام کے سامنے ہمیشہ باقی رہیں گی۔

زندگی میں بے شمار جہتوں، محنتوں اور درسگاہوں میں مسلمانوں کو کس قدر سراہا شریعت سنائے اور سکھائے ہوں گے، کس قدر تحقیق و معارف سے مسلمانوں کو آگاہ کیا

ہوگا، شوق کے قلوب کا ترکیہ و تہذیب دہائی ہوئی، کتنے وافر افراد کو جہل کی تاریکیوں سے نکل کر علم و دانش کا نور عطا کیا ہوگا، کتنے کمر افراد کو ہدایت اور رشد و ہدایت کی عظیم تر سعادتوں سے ہمکنار بنایا ہوگا، کتنے لوگوں کے ادیان و قلوب کے شکوک، اہل اسلام پر اہل سر کے سہ اولہ مستقیم پر اہل کے قدم مصیبتوں سے بچا دیئے ہوں گے؟ اللہ العلیٰ اعلم، کس تقویٰ و رتد پر تھا کہ ایک ایک غلط علم و فہم اور تدبیر و حکمت اور تقویٰ و طہارت کی گہرے جہ میں اوبا و معلوم ہوتا تھا۔ عہد طفلی و ابتدائہ شباب میں میں علمی بصیرت اور تجربہ کا یہ عام تھا کہ بہت سے حضرت شیخ، اہل مہربانیاں محمود حسن کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت شیخ اہل مہربانیاں سے کہہ رہے تھے کہ وہاں پر بہت سے قرآن کریم کا سلسلہ شروع فرمایا جس میں طلبہ اہل تہذیب و کمال تھے، ابھی شریک ہوتے۔ شیخ اسلام علم و حکمت کے دور یا بھاتے کہ روحیں تازہ ہو چکی تھیں۔ باطنی نسبت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبتوں الہی کا ایک عظیم حصہ آپ کے علم و فضل کی خصوصیت بنا ہوا تھا۔ دراصل وہ دین کے توحید میں ہی اکابر علماء و فضلاء تھے۔ ان میں سے ایک کا فیض اور پرتو تھے۔ ان پر شاہ صاحب، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ سید احمد شہید، درمید احمد شہید، بیوی کے فیوض و بہکات جو وہ نقل تھے، ان میں حضرت شیخ اسلام کی حیات پر ایک طرزا لنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے میں ان تمام علوم و فیوض کا جو ہم سمیٹ رکھا ہے، پھر نسبت محمودی کا ایسا رنگ عاب نظر آتا تھا کہ جس کسی سے ان کی تصانیف و تحقیقات کو ذرا بھی انکسور تہ و دیکھ تو یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ اسلام کی رہاں شیخ اہل مہربانیاں علوم، معرفت کی ترچوں سے علم، عمل، ایمان و تقویٰ، فہم و بصیرت میں شیخ اہل مہربانیاں کا پورا نمونہ تھے۔ ان کی حق گو زبان کسی بڑے سے بڑے، و شاہ کے پاس بھی حق کا کلمہ بولنے میں ادنیٰ کی جھجک نہیں محسوس کرتی تھی۔ قرار و مقصد کا منکوحہ ان ہی کے علم اور حوصلہ اور قوت ایمان کا کام تھا۔ قرار و مقصد کا منکوحہ ان ہی کے علم و فیوض و فیوض میں جب دستور اسلامی کا سلسلہ میں است و نقل و رہیہ پیچیدہ سے کام لیا جاتا تھا تو اس وقت

یہ بھی کی حق گویاں نے صرف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر اسلامی دستور کو کدو و حسب وعدہ پائنتاب میں نہ سمجھ کر سنے کو آپس پشت ڈال گیا تو میرا سہ اور ہوگا اور آپ کا اور نہ صرف یہ بلکہ میں قوم کو بتاؤں گا، اہل اقتدار و دستور اسلامی کے جلسے میں اچھی نیت نہیں رکھتے۔ اسی حق گوئی کا نتیجہ تھا کہ بھارت مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقدسہ منظور ہوئی۔ اسوں نے اپنی ہدایات و تعلیمات سے وہ سب باتیں بھی بتادی اور سکھادی تھیں جن کی تعمیل کر کے ہم واقعہ اپنے ملک میں اسلامی نظام جاری کر سکیں۔ لیکن اسوں نے کہ ہم آج تک خواہ کاغذی طور سے کتنی ہی پیش رفت کر چکے ہوں اعدائے اور دعوے بہت ہی بلند کیا، اگر لئے ہوں مگر ہماری عملی زندگی اور نظام معاشرت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ اسلامی نظام صرف اعلان اور کاغذوں کی دستاویز تک محدود رہنے والی چیز نہیں۔ اسلام اور نظام تو مسلم قوم کے معاشرہ اور اس کے ہر ہر شعبہ جات میں سرایت کر جانے والے رنگ اور طرز کا نام ہے۔

ان تمام بلند پایہ خصوصیات کے ساتھ ان کے سیاسی تدبیر اور فہم کا مقام وہ ہے جو ان کی تاریخ سے بخوبی واضح ہے۔ تحریک پاکستان سے بہت پہلے ہی اس کی سیاسی بصیرت نہایت بلند پایہ حکمت رکھتی تھی، مرکبِ مولانا، تحریک خلافت و کانگریس، ہندو مسلم اتحاد غرضیکہ ہر شعبہ سیاست میں اس کا ایک خاص مسلک اور اتینازی مقام تھا اور ان تمام مراحل میں دو کہیں بھی اسلامی اعتبارات کو پست اور مضروب ہوتے دیکھنا گوار نہیں کر سکتے تھے۔ جمعیت العلماء ہند کے ایک سالہ اجلاس ۱۹۶۱ء میں جو مورانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں تھا جس میں ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے گائے کی قربانی کو بہت سے سیاسی میڈر مصلحت کا شکار بنا نا چاہتے تھے اور اس پر کچھ اعتراضات مصرحی تھے، حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا کہ گائے کی قربانی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بس گائے کی قربانی کی جائے تو جب دور چاہو بھی قربانی کیے جاسکتے ہیں تو کیا حرج ہے۔ اس نے ہم کو ہندو مسلم اتحاد کی حاضر اور

ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی ترک کرانی چاہئے، اس میں حضرت علیؓ سے یہ بھی نکلا کہ اب اس تجویز میں کسی کی مخالفت کی پروا نہیں کی جائے گی۔ شہر و قریہ حضرت انور شاہ اور شیخ ارسلان حضرت علامہ شبیر احمد کی جانب تو اس پر شیخ ارسلان سے بدعتی تھا کہ اور دلائل سے تمام اکابر و سیاسی زعماء کو جواب کرنا اور ثابت کیا کہ کسی حد تک مباح چیز کو حرام کرنے کی تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو بھی اجازت نہیں دی اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں آیت نازل فرمادی۔

”اے پیغمبر ﷺ! آپ کیوں حرام کرتے ہیں وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی۔“

شیخ الاسلام نے بڑی ہی جرأت و ایمانی و ملی قوت کے ساتھ یہاں کہ جس کی مباح اور حلال چیز کو اللہ کے پیغمبر ﷺ کے لئے اپنی اذواج مطہرات کی خوشنودی کے واسطے ترک کر دینا درست نہیں تو ہمیں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے کی قربانی کی مخالفت کا فتویٰ دے دیں۔ یہ وہ جواب تھا جس پر علم و فہم کے پیدائش جیسے حضرات بھی سرنگوں ہو گئے اور اپنی ٹوپی اتار کر حضرت کے قدموں پر ڈال دی۔ یہ شیخ الاسلام کا مقام تھا کہ اس کو اٹھایا اور چوما اور سر پر رکھ کر فرمایا تو سر پر رکھنے کے قابل سے بڑھ کر اللہ کا قانون وہ ہے جس کے سامنے ہمارے سب کے سر جھک گئے ہیں۔

جس زمانہ میں شاہ افغانستان امان اللہ خان اپنی نیگم ثریا کے ساتھ یورپ کی سیر کر رہے تھے اور ان حالات میں ملکہ ثریا کی بے حجابی کا کافی چرچا تھا اور لوگ اس کی وجہ سے شاد سے متاثر ہو رہے تھے کیونکہ ایرانی محبت رکھنے والے مسلمانوں کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اس کے سربراہ کی نیگم بے پردہ لوگوں کے سامنے آئے۔ اس وقت آپ نے حجاب شرعی پر اپنی تقاریر اور بیانات میں ایک نہایت مدلل اور متقن سے ہریز مسند شروع کیا اور نہ صرف یہ کہ پردہ کی اصل حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ساتھ ہی اس بعض مضمون نگاروں کی

رشد و فسادات روش پر بھی تنقید بلکہ تنبیہ کی جو شاہ کی خوشامد میں معیار سے ہٹ کر کچھ نہیں گئے تھے۔ یہ پیغام شاہ امام اللہ تک پہنچا دیا۔ کاش کوئی صاحب ہمت دولت عالیہ افغان کے میر غازی دوران کے اہل ثریا جاو کے کچھ نمایاں تک حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ پہنچا دے۔

”اے ابو عبیدہ! تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل حقیر اور کمتر تھے تم کو اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی، اس لئے سمجھ لو جب کبھی تم بھی عزت کے در سے ہٹ کر کسی اور سے حاصل کرنے کا ارادہ کرو گے خدا تمہیں ذلیل کر دے گا۔“

حضرت شیخ الاسلام نے تحریک پاکستان میں اپنی ساری قوتیں، صلاحیتیں صرف کیں، اسلامی نظام کے لئے اپنی چوری کوششوں سے قرار داد مقاصد منظور کرائی۔ آج اگر ملک میں بسنے والے ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس مملکت میں کلینیک محلی طور سے اسلامی نظام رائج کرے۔ اسلامی معاشرہ کا احیاء کرے، مغربی ذہن اور اسلام دشمن عناصر کی رہنمائی دوانیوں کو ناکام بنانے کیلئے مستعد ہو جائے۔ (نوائے وقت رپورٹ)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی یاد میں مجلس مذاکرہ سے خطاب

ایوان نوائے وقت میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی یاد میں ایک مجلس مذاکرہ ہوئی جس میں ملک کے ممتاز علماء، حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا محمد اجمل خان، مولانا محمد عتیق ہاشمی، مولانا انور احمد کراچی، مولانا عبدالقادر آزاد، مولانا علی اصغر اور مولانا انور حسین نقیسم رقم نے خصوصی خطاب کئے اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی دینی علمی اور سیاسی خدمات کے متعلق سوالات کے جوابات دیئے۔ ذیل میں صرف مولانا محمد مالک کاندھلوی سے کئے گئے سوالات کا جواب پیش خدمت ہے جس سے علامہ کی خدمات پر روشنی پڑتی ہے۔ (مرتبہ)

۲۵ نوائے وقت مولانا محمد مالک صاحب سے سوچا یہ ہے کہ اسلام میں سیاست کا کیا مفہوم ہے اور سیاست کے اصطلاحی اور فطری معنی کیا ہیں جن میں حضرت عثمان غنیؓ کی سیاست کو پرکھا جاسکتا ہے اور آئیں سوال یہ ہے کہ اس وقت جب ہر جماعت ملی و دینی مولانا مہر ہر ایم سی کوئی ورمو۔ ناشرین احمد عثمانی آئیں شیخ پر ایک مقصد کیسے جمع ہو سکتے تھے پھر آج کیا مشکل پیش آئی ہے کہ علمائے براہِ تم از کم اسلام کے مفاد و فروغ کیسے کیا جائیں۔

۲۶ مولانا محمد مالک کاندھلوی - آپ کا یہ سوال بہت اہم ہے۔ سیاست کا مفہوم شریعت کے نقطہ نظر سے کیا ہے اور اس مفہوم کو حضرت شیخ الاسلام کی سیاسی روش سے ہم سے کس طرح پایا اس کے بارے میں یہ عرض کروں کہ لغت کے لحاظ سے سیاست - معنی دیکھ بھال کرنا ہے میں اور علامہ رشیدی نے سیاست کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ عربی زبان میں اس کے معنی یا یوس سے ماخوذ ہے اس کے معنی گھوڑے کی گھرائی، دانے چارے کے مہیا کرنے کی فکر کرنا ہے، اسی لئے لفظ سائس کا اسم عرب میں گھوڑے کی گھرائی کرنے والے کیسے وضع کیا گیا۔ اصطلاح شریعت اور اسلامی اصول کے لحاظ سے سیاست کا مفہوم یہ ہو کہ کسی قوم کے ملی و دینی طبعی ضرورتوں کے مہیا کرنا ہے اپنی تمام تر محنتوں کو صرف کرنا کسی قوم کی فلاح کو اور اس کے مقصد کو مہیا کرنے پر جدوجہد کرنا اس قوم کو کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی سے بچانے کیلئے کوششیں کرنا اس کے اصل مقصد اور ترقی کی طرف اس کو پہنچا دینا، ان چیزوں کے مہیا کرنا کا نام سیاسی قیادت ہے۔ اس لئے ہمیں یہ چیز محسوس ہونی کہ شریعت کے نقطہ نظر سے جو سیاسی قیادت کے ان چیزوں کو اپنے میں لے ہوئے ہے اور جب تک کہ کوئی سیاسی قیادت ان تقاضوں کو چرنا نہیں کرتی تو ہم یہی سمجھیں گے، دو سیاسی قیادت نہیں ہے۔ آج اس دور میں افسوس کی بات یہ ہے کہ سیاست کا مفہوم جو اصل و معنی لغت کے لحاظ سے ہے شریعت کا اصطلاح کے لحاظ سے تھا، وہ بالکل ناہید ہو چکا۔ لوگ اس کو بھلا چکے، اب سیاست کا مفہوم صرف اس حد

یہ رو گیا کہ کسی حکومت کے مد مقابل کسی جماعت کا اپنی کوششوں کو تیز کر دینا، اقتدار کے حصول کیلئے ہا بھی چیلنجز اور اس قسم کی فضا کے قائم کر دینے کا نام سیاست ہو گیا۔ شریعت کی اصول سے سیاست کا کوئی تعلق خصوصاً اقتدار کے لئے جدوجہد کرنا ہرگز نہیں، بلکہ ثابت تو اس کو صبح کرتی ہے اور روکتی ہے۔ علامہ عثمانیؒ کے اس زمانہ کے بعد حودان سے میں نے یہ چیز اخذ کی تھی۔ وہ بعض دفعہ اچھے وں کو اپنی مجلسوں میں فرمایا بھی کرتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے شیخ الاسلام علامہ شیعہ احمد عثمانیؒ کی سیاسی زندگی میں یہی مفہوم ان کے عمل سے سمجھا اور دیکھا جس وقت وہ سیاسی میدان میں کھڑے ہوئے ہیں اس کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ مسلمانوں کے لئے فلاح اور کامیابی جس چیز میں ہے اس کے لئے وہ اپنی کوششیں پوری صرف روئیں۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی فلاح کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کیسے نقطہ زمین موجود ہو۔ جب تک کوئی آراء نقطہ زمین مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہوگا تو وہ اپنے مذہب کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے اور اپنی ثقافت کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے ہیں اور اپنی ثقافت کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے ہیں اور قیامت میں جو مسلمانوں کے لئے بنیادی فیض ہے اس کو بھی انہیں نہیں دے سکتے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ جب سیاست کے میدان میں سامنے آئے ہیں تو ان کا پیچہ مسلمانوں کو یہی تھا اور انہوں نے پاکستان کی حمایت کیلئے جس نقطہ نظر کو مسلمانوں کے سامنے رکھا تھا وہ یہی تھا کہ مسلمان قوم اپنے دین کو قہراً کرنے کے سے جب تک ایک آزاد مملکت کو حاصل نہ کرے تو اس وقت اس کے لئے قیامت دین کا نصب اہیں حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا، ساتھ ہی یہ بھی چیر تھوڑے میں برسوں سے آج بھی تھی کہ انگریزی قیادت نے مسلمانوں کے حقوق کو جس طرح غصب کیا تھا، جس طرح مسلمانوں پر مظالم بھرا دئے تھے، ہمارے راز یہ ہیں جس طرح مسلمانوں کا خون بہا کا انگریزی وراثت کے زمانہ میں اس سے اس چیز کو واضح کر دیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے بھی اپنے حقوق اور مذہب کا تحفظ بعد

کے ساتھ مل کر نہیں کر سکتے۔

تک حد تک ایک زمانے میں یہ نظریہ قابل قبول تھا اور حق قدر بھی تھا۔ اگر یہ سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جب تک ہندوستان میں بیسنے والی قومیں تھیں اور شہر کر رہیں تو انگریزوں سے آزادی کے حصول ممکن نہ ہوگا، اس حد تک یہ بات کچھ سمجھنے سے قبل بھی تھی لیکن جب ہندو کا یہ طریقہ ناکامی میں سامنے آ گیا تو جب یہ پردہ نظروں سے سامنے سے ہٹ گیا کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنے حقوق کا ہندوستان زمین کے اندر تحفظ کر سکیں گے، اس بنا پر حضرت شیخ الاسلام کو اس بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کا مقام حاصل ہوا کہ پاکستان کے حصول کیلئے وہ کھڑے ہوئے اور حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ ساتھ انہوں نے تحریک پاکستان میں شرکت کی اور مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دی۔

حقیقت میں حضرت شیخ الاسلام کا یہ جذبہ اور ان کی یہ جدوجہد کوئی نئی نہیں تھی بلکہ یہ بات تو واقعی جو حضرت مولانا محمود حسن اپنی زندگی میں کرنا چاہتے تھے۔ اس چیر کے سے ایک نظام عمل مرتب کر لیا تھا۔ افغانستان، ایران اور ترکی یہ تینوں مل کر انگریزوں کا مقابلہ کریں اور جہاد کر کے اس کی سلطنت کو تہہ و بال کر دیا جائے تو حضرت شیخ الہند کی جو یہ تحریک اور جذبہ تھا ایک عرصہ گزرنے کے بعد حضرت شیخ الہند کے اس شاگرد شیخ الاسلام علامہ شیخ احمد عثمانی نے قلب و دماغ کے اندر اتارا اور انہوں نے اس منہاں پر قدم اٹھا کر جدوجہد کی۔ الحمد للہ اس کی یہ بصیرت تاریخی واقعات کے یظ سے اپنی جگہ برحق اور درست ثابت ہوئی۔ ابتدا میں بعض اکابر علماء کو اس چیز سے اختلاف رہا اور وہ اس کا جو اختلاف تھا وہ دیکھتے، نیک نیچے پر بھی تھا، اس کو جو پھر اختلاف تھا وہ صرف یہ تھا کہ اس طرح اگر اسی مشق کے جدوجہد سے بہت کر ایک خاص مملکت کا مطالبہ شروع کریں گی اور اس کے لئے کوششیں شروع کریں گے تو کہیں انگریزوں سے آزادی کے حاصل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا۔

یہ سب اس نظر سے اور جذبہ سے کوئی اختلاف کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بات
مطلوبہ نہیں تھی لیکن ان حضرات کا اختلاف قیام پاکستان سے قبل رہا۔ اللہ تعالیٰ نے جسب یہ
ملکات اسلامی عطا فرمادی اور پاکستان قائم ہو گیا اور میں قیام پاکستان کے بعد تقریباً دو
سہ اور چھ ماہ تک رہیں رہا اور دیکھ رہا ہوں کہ دوسرے علاقوں میں بھی آنا جانا ہوتا تھا۔ وہ
حضرات جو اس چیز میں ابتداء میں اختلاف کرتے تھے، پاکستان کے قیام کے بعد وہ
پاکستان کے کھلے دس سے حامی اور اپنی غلطیوں میں دعائیں کرنے والے تھے اپنی مجلسوں
میں اس بات کی حمایت کھلے دس سے کرتے تھے، مثلاً میں نے مولانا حفیظ الرحمن کو دیکھا،
مولانا حبیب الرحمن مدھیہ لوی کی تقریریں سنیں، قیام پاکستان کے بعد ان کی تقریروں سے
یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ پاکستان کے سب سے بڑے حامی ہیں، مولانا حبیب الرحمن
مدھیہ لوی برصغیر ہندوؤں کو ڈانٹتے کرتے تھے۔ پٹیل کے مقابلے میں ان تمام ظلم و تشدد کی
باتوں کو روکا کرتے تھے جو مسلمانوں پر ہوئے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام عثمانی کی سیاسی بصیرت بڑی عظیم و بلند پایہ تھی جو چیز
حضرت شیخ الہند کا ہے تھے حضرت شیخ الاسلام سے اسی آراء کی تکمیل کی اور مسلم لیگ کے
پیٹ فارم سے اور قائد اعظم کی سیاسی قیادت میں اس منزل کو حاصل کیا، چنانچہ یہ پاکستان
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت کی صورت میں حاصل ہو گیا
جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوں بھی بہت اہم سے، اس سوال
پر ہمیں بڑی سنجیدگی کے ساتھ اور اس سے جواب کو بھی بڑے تدبر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت
ہے، اس وقت تو یہ چیز سامنے آئی اور تاریخ میں کا پورا کھل ہوا ثبوت ہے کہ ۱۹۴۷ء میں
مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس میں بصیرت کی بناء پر اب ہمارا ہندوؤں کے ساتھ شرکت کا
مسئلہ مفید ہیں ہو سکتا کہ ہم اپنی زندگیوں اور اپنے حقوق کا تحفظ کر سکتے ہیں ورنہ ہی دین
اسلام کا۔ انہوں نے قیام پاکستان اور تحریک پاکستان کے لئے امداد کیا اور مسلم لیگ کی

شرکت کے لئے فتویٰ جاری فرمایا، ایک بیچہ کے ذریعے مسلمانوں کو اس کی دعوت اور فتویٰ اس وقت جو تمام مکاتب فکر کے حضرات اکابر تھے۔ انہوں نے اس چیز کو کٹیں، یہ دعویٰ کون ہے، انہوں نے دیکھا دعوت کیا ہے تو اس چیز کی وجہ سے ان کے حوصلوں اور وسعت و ہمدلی کی وجہ سے یہ جماعت علی شاہ حضرت شیخ الاسلام کے جلوں میں شریعت کرنے لگے اور مولانا ابوالحسن ت بھی آنے لگے مگر مولانا میر داؤد غزنوی بھی مولانا میر محمد براہیم سیالکوٹی بھی حضرات اہل حدیث بھی اور علما نے یہی بھی سب کے سب تشریف دیا کرتے اور اور شرکت کیا کرتے اور سب دوش بدوش اس گازی کو منزل کی طرف لے جاتے۔ کیسے تیار ہو گئے تو ہمیں اس تاریخی ورق سے یہ اندازہ ہوا کہ اصل میں ہر شخص کو جو دعویٰ قیادت کر رہا ہو یا اس پر دعویٰ قیادت کی ذمہ داریاں عائد کر دی جائیں، اس کو اس پنج سے اپنی نظریں بند کر دینی چاہئیں کہ دین کا اقتدار اس کے رسول کے یہ پیغام کس طرف سے جاری ہو رہا ہے اور کون اس کا داعی بن رہا ہے، اس بناء پر یہ تمام مکاتب فکر کے خلیفین، اکابر امت جو ہیں سب کے سب اس دعوت میں شریک ہو کر متحد و متفق ہو کر اس کام کو لے لے پھریں، الحمد للہ اس میں بڑی کامیابی ہوئی اور حضرت عثمانؓ کی وسعت حوصلہ کی یہ بات ہم نے دیکھی کہ ان کی زبان سے کبھی کسی کے بارے میں کوئی اختلافی چیز نہیں سنی، ساری مجلس میں اور اس کی تقریر میں اور ان کی کتابوں میں کسی بھی طرح کوئی ایسا مواہیش ملتا تھا کہ جس سے کسی کو باہمی مناہرت، خلاف کی کوئی بڑھی آسکتی ہو یہ ان کی وسعت حوصلہ کی ایک بات تھی جو میں نے سب سال ان کے پاس رو کر دیکھی اور محسوس کی اب اس دور میں بھی خلیفین کی کوئی کمی نہیں ہے، خلیفین ہیں اور اہل علم بھی ہیں لیکن کچھ زمانے کے بعد دور رہنے کے تغیرات میں ایک تغیر یہ بھی آ گیا کہ خلیفین جس کام کو کرنا چاہتے ہیں۔

اس میں ان کے ساتھ جن ایسے عناصر مل جاتے ہیں کہ جو ان کو مکاتب فکر کے اختلاف کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں اور ان کے ذہنوں کو اس بات پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ

ایک پیٹ فارم پر سب کامل کرتہ ہو کر کوئی کام کرنا ممکن نہیں ہے اور یہ باہر کے حوالہ کی ریشہ دوانیاں ہیں، آپ بخوبی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تو حیران فزون میں بھی اس قسم کی ریشہ دوانیوں سے باہمی منافرت کی مثال جبرت کی شکلیں رونما ہو گئی ہیں، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت درحقیقت جو کمی ہے، وہ اس چیز کی وجہ سے ہے کہ ہمیں اس قسم کے مسائل میں جکڑا ہونا پڑتا ہے اور بعض ایسے عناصر جو ہمیں ایک مرکز پر جمع نہیں ہونے دیتے، ان عناصر کو ہم اپنے میں سے نکال باہر بھی نہیں یہ چیز ضروری ہے، اگر ہم ان کی مفید باتوں کو ان کی خرابیوں کو محسوس نہ کرتے ہوئے ہر کتب فکر کے شخصین اپنے بندہ حوصلوں کے ساتھ ایک دعوت حق پر جمع ہو جائیں وہ دعوت حق میرے نزدیک اس وقت یہ ہے کہ پاکستان کی بقاء پاکستان کو اسلامی مملکت بنانا پاکستان میں اسلام کا غاد اس چیز میں میں سمجھتا ہوں کہ کسی کتب فکر کے اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

اس وقت بات چونکہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حوالے سے ہو رہی ہے، اس ضمن میں میں یہ وضاحت ضروری سمجھوں گا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اس کام میں لگانے والے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ (برائے وقت)

تصانیف کا مختصر جائزہ

ذیل میں آپ کی تصنیفات و مقالات کا اجمال ذکر کیا جاتا ہے۔

تفسیر عثمانی :

علامہ کے ماہر تفسیری فائدہ ہیں جو حضرت شیخ الہند کے اردو ترجمہ قرآن پر سے لئے ہیں۔ اس تفسیر کی ہندو پاکستان اور بیرون ہند میں جس قدر شہرت ہوئی اس سے زیادہ ورنہ کسی تفسیر کی ہوئی اور نہ اور کسی کے فوائد کی قدر ہوئی، بہت سے ایڈیشن چھپے اور باتوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ ۹۰ روپیہ مجموعی ۳۰ جہ کو لکھ کر شہر ہوئے۔

فتح المہم شرح صحیح مسلم

یہ صحیح مسلم کی شرح ہے جو تین جلدوں میں ہے، نہایت محققانہ نہایت عمدہ انداز نہایت عام۔ ادنیٰ سے اسلام بالخصوص علماء کیلئے علم حدیث کا زبردست شاہکار ہے، مزید تفصیلات تجلیات عثمانی میں مدح فرمائیے۔

شرح اردو بخاری شریف

ایک اور بڑا کارنامہ آپ کا بخاری شریف پر درس کے جلسے میں بخاری شریف کی دوبارہ شرح ہے جو طریقے مضامین کے اعتبار سے علوم حدیث کا سند رہے خطاب اور دیگر مضامین کی تفصیلات بھی تجلیات میں موجود ہیں، اگر اس تحریر کا سکا چارو دیا جائے تو

یہ بھی بڑی خدمت ہے جو قلمی طور پر آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی ہے پھر قرآن کریم کے جو تفسیری نہ صرف ہندوستان و پاکستان ہی میں پڑھے جاتے ہیں بلکہ کابل، ایران میں برہان قاری ترجمہ ہونے لگا اور جو اس کو قیض پہنچا رہے ہیں، بعض دور بالوں میں بھی آپ کے تفسیری فوائد کا ترجمہ ہو چکا ہے اور مسلسل مقبوضت ہو رہی ہے۔

الاسلام :

یہ رسالہ ۱۳۲۸ھ مطابق اپریل ۱۹۱۰ء میں لکھا گیا جس کو آپ نے مراد آباد کے موتمر اعلیٰ درجہ میں پڑھ کر سنایا۔

العقل والعقل

یہ بھی زمانے کے ماحول نے آپ سے لکھا یا تہذیب الحقائق نے مٹی گڑھ کے پتھرے ملک میں جس جسم کے عقلی اور فلسفی مضامین کے درید اسلام نے صاف اور سچے حجرات وغیرہ کے خلاف جراثیم پھیلا رہے تھے علامہ نے عقل والعقل لکھ کر اثباتی رنگ میں یہ ثابت کیا ہے کہ عقل سچ اور عقل سچ میں کبھی منافعت نہیں ہوتی یہ مسئلہ مضمون القاسم میں کئی مسلسل مبروں میں چھپا ہے جس کی تفصیل تحفیات ثنائی میں تاریخی طور پر لکھی ہوئی ہے۔

اعجاز القرآن :

یہ مقالہ دراصل دارالعلوم دیوبند میں ان تقریروں کی تحریری شکل ہے جو علامہ نے علماء کے سامنے کی تھیں، آپ طلبہ کو مناظرے اور تقریروں کے لئے تیار کرتے کے لئے ایسے عنوانات پر تقریریں فرمایا کرتے تھے جو اسلام کے اہم اور تاریخی مسائل سمجھے جاتے ہیں انہیں مسائل میں یہ بھی مسئلہ نہایت اہم ہے کہ قرآن کریم خدا کا کلام نہ ہو بلکہ

موصوف نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم حد اکائی کلام ہے۔

الشہاب :

نعت اللہ قادریؒ کی کو جب ۳۱ اگست ۱۹۴۴ء کو کابل میں شاہ ماں اللہ کے حکم سے
سنگسار کیا گیا تو قادیانوں کی طرف بہت شور مچا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں،
آپ کے وکیل سے ثابت کیا ہے کہ سزا میں مرتد کی سزا قتل ہے، یہ رسالہ پچھو مراد
ماں اللہ کے پاس بھیج دیا تھا جو ۱۸ صفر ۱۳۶۳ھ بمطابق ستمبر ۱۹۴۴ء کو لکھا گیا تھا۔

لطائف الحدیث اور معارف القرآن

اس نام سے جو مضامین القاسم میں چھپے انہوں نے بھی ملک سے حزب قیس یا
القاسم کی تحریروں سے، لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی فرمائش اشرفیہ خدمت عثمانی
کے مضامین سے متعلق دوا کرتی تھیں۔

القاسم کی قلمی خدمات

مدار سے جہاں اپنے قیمتی مضامین سے القاسم کو، ماں کی وہاں اس کی دھن
دعائی خدمات بھی سجھادیں۔ یہ درالعلوم دوح زند کا ترجمان تھا اس میں مدار عثمانی نے
بے شمار علمی مقالے شائع ہوئے تھے۔ (تجدیدیات عثمانیہ ص ۱۸۰ تا ۱۸۲)

حجاب شرعی :

پردہ سوس پر علامہ کا یہ نہایت بھستہ اثر اور رسالہ سے یہ نئی وقت لکھا گیا تھا
جب شاہ امان بدلا اپنی بیگم شریہ کے ساتھ یورپ کی سیر کو گئے تھے اور طبع شریہ کے بارے میں
یہ فتوا ایں گئے ہوئی کہ انہوں نے شرعی پردہ کو، حلق رکھ دیا ہے اور باقی حریہ پر وجہ نیکندہ
ان کو محض برکت رہا۔ علامہ نے دلائل شرعیہ اور مصیحت عامہ سے جنم میں پردہ شرعی پر

روشنی زلی ہے۔

الدارالآخرة :

یہ زبردست مقام علامہ مٹنیؒ نے جمعیتہ المندھ کے دوسرے سالانہ جلسہ میں جو میرٹھ میں منعقد ہوا تھا پڑھ کر سنایا۔ علامہ کی یہ زبردست تقریر فلسفیانہ رنگ میں دور آخرت کے اثبات میں ہے۔

سجود الشمس :

حدیث میں ہے کہ سورج شام کو جب غروب ہوتا ہے تو عرش کے پیچھے جا کر سر بسجود ہوتا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں طلوع سے پہلے اُٹھ کر آتا ہے کہ میں اب کہاں سے طلوع ہوں غم ہوتا ہے کہ مشرق سے آتا آئندہ ایک وقت آئے گا کہ اس کو مغرب سے طلوع ہوئے کا حکم ہوگا۔ علامہ کا یہ رسالہ اسی موضوع پر محققانہ انداز میں ہے۔

خوارقِ عادات :

یہ رسالہ علامہ کے علم جدید و قدیم کی وسعتوں کا آئینہ دار ہے جس میں معجزات و کرامات اور قوتوں قدرت کے باہمی تعلق پر عقلی و نقلی حیثیت سے یکجا جدید طرز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔

سیاسی مکاتیب و بیانات

علامہ مٹنیؒ کو سیاست میں گہرا اور پاک اور وسیع بصیرت حاصل تھی، اس کے خطباتِ صدارت جو سیاسی جنموں میں پڑھے گئے وہ آج تک سیاسی پینت خرموں سے گونج رہے ہیں، چند خطبات و بیانات اور مکاتبات یہ ہیں

- ۱ ترکیب موالات
- ۲ جمعیت العلماء اسلام فلکاتہ
- ۳ مراسلات سیاسیه
- ۴ مکاتبات الصدورین
- ۵ خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ
- ۶ ہمارا پاکستان
- ۷ خطبہ صدارت جمعیت علماء اسلام کانفرنس راولپنڈی
- ۸ خطبہ صدارت ڈھاکہ
- ۹ قرارداد مقاصد کی تائید
- ۱۰ خطبات عثمانی، یہ علامہ کے سیاسی خطبات ہیں جو پروفیسر الوارن کمن شیر کوئی نے مرتب کئے ہیں۔
- ۱۱ مکتوبات عثمانی، یہ مکاتیب بھی پروفیسر شیر کوئی نے مرتب کر کے شائع کرائے ہیں۔ (شیخ الاسلام پاکستان)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مسئلہ حیات عیسیٰؑ

سمندر کو دورے کے اندر سمونا یقیناً ایک مشکل فن ہے۔ یہ ملک اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں۔ انہی کئی چچی شخصیات کی صف میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا نام بھی سر جہ سے، جس کا اندازہ ان کی تحریرات اور خصوصاً تفسیر عثمانی سے خوب لگایا جاسکتا ہے۔ یقیناً علامہ صاحب نے اپنی اس تفسیر میں جا ہی مقدمہ الفاظ میں بہت چمکودیا ہے۔ اہل علم اور گہری نظر رکھنے والوں پر یہ بات غلطی نہیں ہے۔ علامہ صاحب نے اپنی اس تفسیر میں جہاں دوسرے موضوعات کو چھیڑا ہے، وہیں اپنے ادارہ میں منکر میں حیات عیسیٰ کے اعتراضات کو بھی دمج کیا۔ یہاں کار میں کی دیکھی کیلئے اس مسئلے کے بارے میں علامہ صاحب کی تحقیق کو مختصر تشریح کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بات بطور مقدمہ مدہن نشین کر دینی چاہئے کہ مسئلہ حیات عیسیٰ آپ ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے اور علامہ ان میں متعدد آیات سے اس کے صریح اشارات ملتے ہیں۔ "اسی مسئلے پر اجماع امت بھی منعقد ہے، جس کے بعد انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، انہیں منکر میں حیات عیسیٰ ان تمام حقائق کو نظر انداز کر کے قرآن کی ایک آیت کو سہارا بنا کر اپنا عقیدہ ثابت کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے"

وَقَالَ اللَّهُ بَعِثْ فِي آلِ مُوسَىٰ مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا ۖ وَقُلْ لِّمَنْ لَّدُنِّي أَعِيشُوا بِمَا رَزَقْتُم مِّنْهُ وَلَا تُنْفِكُوا ۚ

شیخ ابند اس کا ترجمہ کرتے ہیں "جس وقت کہ اللہ نے اسے عیسیٰ میں سے

لوں کا تجھ وادراغہ لوں کا اپنی طرف۔ (سورۃ آل عمران ۵۵)

منکرین حیات یحییٰ مذکورہ کتابت میں لفظ توفیقی (جس کے غلطی معنی برائے وفات) کو بنیاد بنا کر اپنے عقیدے کو ثابت کرتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے لفظ توفیقی کی ایسی تشریح کی ہے جس کے بعد کوئی اہم باقی نہیں رہتا۔ اہل مسلمان کی تحقیق کو رد و قارئین کیا جاتا ہے۔

لفظ توفیقی کی تحقیق

لفظ توفیقی کے متعلق کلیات ابو بققاء میں ہے

التوفیقی الامالة وقص لروح و علیہ استعمال العامة او الاستیعاء
واخذ الحق و علیہ استعمال البعاء۔

ترجمہ: توفیقی کا لفظ عامہ کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے استعمال سے لیا گیا ہے۔ البیس بعد کے نزدیک اس کے معنی ہیں چار اصول رہنا اور ٹھیک رہنا۔

گوپال کے نزدیک موت پر بھی "توفیقی" کا علاقہ اسی حیثیت سے ہے کہ موت میں وہ عنصر حاصل نہیں بلکہ حد کی طرف سے چوڑی جاں وصول رہ جاتی ہے۔ اب اگر عرض اخذ توفیقی نے کسی کی جان میں سمیت وصول کر لی تو اسے طریقہ "توفیقی" کہا جائے گا۔

علامہ صاحب کی اس تحقیق کے بعد وہاں میں ایک سو اس بھرتا ہے کہ پھر اہل لغت سے توفیقی کا معنی قبض روح ہی کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے۔

لفظ توفیقی کے متعلق اہل لغت کی رائے

جس اہل لغت نے توفیقی کے معنی قبض روح (جس روح کے قبضہ سے) لے لیے ہیں، اس میں سے یہ سمجھا گیا کہ قبض روح مع اسد و (یعنی روح کو بدن سمیت الٹا پیر) و

”نوفی“ یعنی وفات نہیں کہتے ورنہ کوئی ایسا فعل بتایا ہے کہ جب ”نوفی“ کا فاعل اللہ اور مفعول وی روح ہو، جو موت کے کوئی معنی نہ ہوتیں۔ ہاں چونکہ عموماً قبض روح کا وقوع (یعنی وقوع ہونا) بدن سے جدا کر کے ہوتا ہے، اس لئے کثرت و عادت کے لفظ سے اکثر موت کا عطف اس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں، ورنہ غلط کا عوی ہلاں قبض روح مع البدن کو شمل ہے، یعنی لفظ نوفی مفعول اعتبار سے روح کو بدن سمیت قبض کرنے کو بھی شمل ہے۔

مثال سے وضاحت

علامہ صاحب کی تحقیق کی وضاحت ایک مثال سے بھی کی جا سکتی ہے، جیسے ہماری زبان اردو میں عام طور پر لفظ ”انتقال“ موت کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن اردو کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے تو بعض اوقات اس کے بارے میں بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا یعنی وہ یہاں سے کر دیک منتقل ہو گیا، لیکن اکثر واعظ یہ موت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ فلاں شخص اس جہاں سے منتقل ہو گیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا استعمال اس شخص کے بارے میں لفظ سے نویدیاں سے۔ بقی منتقل ہو گیا، بلکہ اس کے لئے تو بطریق اولیٰ اس کا استعمال جا رہا ہے، اسی طرح عطف نوفی کو بھی سمجھ دیجئے کہ اس کا معنی وصول کر کے کہتے ہیں، ورنہ اکثر کے اعتبار سے یہ موت کے سے استعمال ہوتا ہے میں اگرچہ اس شخص کے بارے میں استعمال ہو جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے بدن سمیت خدا لیا تو یہ بھی غلط نہیں۔

توفی اور موت میں فرق :

علامہ صاحب وفات اور موت میں فرق بتاتے کیلئے یہ آیت سے

شہداء کہتے ہوئے فرماتے ہیں دیکھئے

”لَا تَدْعُ بِنُفُوسِهِمْ لَا تَقُولُ حَيٌّ مَوْتٌ وَلَا تَقُولُ مَوْتٌ حَيٌّ وَلَا تَقُولُ مَوْتٌ حَيٌّ وَلَا تَقُولُ حَيٌّ مَوْتٌ“

ترجمہ لہذا یہی جانوں کو اس کی موت کے وقت قبض کرنا ہے اور ان جانوں کو بھی قبض کرنا ہے، جس کی موت اس کے سونے کے وقت نہیں آئی۔ (۶۷ ج ۱، صفحہ ۱۰۷)

اس آیت میں 'توفی نفس' (یعنی قبض روح) کی دوسو تیس مثالیں ہیں اور غیث۔ اس تقسیم سے نیز توفی کا لفظ 'انفس' پر رد کر کے یعنی جانوں کے قبض کے لئے بتا دیا کہ 'توفی' یعنی وفات اور موت دو الگ چیزیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قبض روح کے مختلف مدارج (یعنی درجے) ہیں، ایک درجہ وہ ہے جو موت کی صورت میں پایا جائے اور دوسرا درجہ وہ ہے جو غیث کی صورت میں ہو۔ قرآن کریم نے (مذکورہ آیت میں) بتا دیا کہ دونوں کے لئے توفی یعنی وفات کا لفظ استعمال کرتا ہے اور یہ موت کے ساتھ خاص نہیں جیسے قرآن میں ایک اور آیت میں بھی اس کا استعمال غیث کے لئے ہے۔ ارشاد ہے :

”يَتَوَفَّيْكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَوَّحْتُمْ بِالنَّهَارِ“ (۱۱۳ م روح - ۱۰)

ترجمہ اور وہی ہے جو تمہیں رات کو اپنے قبض میں لے لیتا ہے اور جو تمہاری بات میں کر چکے ہیں وہ جانتا ہے۔

اب جس طرح قرآن نے دونوں آیتوں میں غیث کے لئے 'توفی' کا لفظ استعمال کرتا جا رہا ہے، حالانکہ غیث میں روح کا قبض ہونا بھی پورا نہیں ہوتا تو اسی طرح آج آں مہراں اور مائتہ کی دونوں آیتوں میں 'توفی' کا لفظ قبض روح مع الہدین (یعنی روحوں پر ہدایت قبض کرنا) کیلئے استعمال کیا تو کون سا استعمال صحیح رہتا ہے۔

جاہلیت کے دور میں لفظ توفی کا استعمال

حضرت ثناء و انور شہداء کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے اعتقاد میں یعنی قرآن سے پہلے دور جاہلیت میں موت کے لئے توفی کا استعمال درست نہ تھا بلکہ اس کے

پرویسر ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی

صدر شعبہ اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور

شارح حدیث علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اسم گرامی یزید مصیر بابا دہلوی کے اہل علم جگہ نما ہے۔
بھی ممتاز تھے۔ آپ کیس (۱) کیونکہ آپ صرف ایک عالم، مفکر اور محدث و متکلم ہی نہیں بلکہ
ایک شعلہ ہیں مقرر اور تحریک پاکستان کے صفا آؤں نے رہنماؤں میں شامل تھے۔
پاکستان کا پرچم سب سے پہلے آپ ہی اٹھایا۔ (۲)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ، ۱۸۸۵ء ضلع بھور میں پیدا ہوئے۔ آپ
کے والد محترم مولانا فضل الرحمن، بچے زمانہ کے فاضل، اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی سیکرٹری
مدرس تھے۔ پیشہ لی کے بعد وہ ایجوکیشن میں مقیم ہوئے (۱۰ عثمانیؒ کا اصل نام
دیوبندی تھا اور اسی شہر کے معزز عثمانی خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔ بھور میں آپ کی
پیدائش کے وقت آپ کے والد محترم مسلسل طاعون سے وہاں تعینات تھے (دیوبند میں
ویرانہ کے قیام و استحکام میں مولانا محمد قاسم کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ ۱۲۸۳ھ سے
۱۳۴۵ھ تک انہوں نے پچیس (۲۲) سال تک دہلی کی خدمات انجام دیں۔ (۳)

علامہ شبیر احمد کے والد نے آپ کا نام فضل اللہ رکھا جو بعد ازاں شیخ احمد جلالی مشہور
محقق و پیدائشی مساجد سے ہوگا اور یہی نام مشہور ہوا۔ ۱۳۱۲ھ یعنی سات سال کی عمر میں
جامعہ محمد عظیم دیوبندی کے ساتھ سم بدھوں اور ۱۳۱۹ء سے دیوبند میں عربی تعلیم کا آغاز

۱۳۶۸ھ تا ۱۹۰۸ء میں دورۂ خدمت کے تمام طلباء میں اوس رہ کر فراغت حاصل کی۔ کچھ عرصہ دارالعلوم ہی میں درس دیتے رہے۔ بعد ازاں مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے۔ ۱۱ روزی قعدہ ۱۳۳۳ھ کو رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ تاہم آپ نے اولاد کوئی نہ تھی۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ سے اپنا مکان و غیرہ فروخت کر کے حج کیا اور ۱۳۵۸ھ میں شاہجہاز کی دعوت پر جمیہ العلماء ہمدانیہ کی طرف سے نائندہ بن کر گئے اور وہاں ۱۳۶۸ھ میں ربر دست تقریریں کیں۔ ۱۳۷۸ھ میں آپ جامعہ ذاکھیل ضلع سورت تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۳ھ تا ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم مقرر ہوئے ۱۹۳۳ء میں پابند سے ملک ہو کر پھر ذاکھیل دہلی کی دعوت پر وہاں کچھ عرصہ قریبی خدمات انجام دیں۔ بیماری کی وجہ سے پھر دیوبند آ کر مقیم ہوئے۔ (۴) جمیہ العلماء اسلام کے صدر کی حیثیت سے آپ نے ملک بھر سے دور سے کئے۔ پاکستان بننے پر ۱۹۴۷ء کی اوپر کو دیوبند سے نکل کر پاکستان کی قریب میں حصہ لینے کے لئے کراچی تشریف لائے۔ قائد اعظم آپ کی شخصیت اور خدمات سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے چودہ ستمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں پاکستانی پرچم کشی کے لئے مولانا حقانی کا انتخاب کیا۔ آپ نے جلالت کا دم پاک اور مختصر تقریر کے بعد آدھ پاکستان کا پرچم ہرایا تو پاکستان کی کوہ الخواج سے پرچم کو سدا دی دی۔ صدیوں بعد یہ صغیر پاک و ہند میں اسلامی شوکت و سلطنت کا پرچم ہرایا گیا اور اللہ تعالیٰ سے اس شرف سے ایک ممتاز ممدون مولانا شبیر احمد حقانی کو رواں (۵) قیام پاکستان کے بعد آپ کراچی میں ہی مقیم ہو گئے۔

ساختہ انتقال :

۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو ریاست سہیل پور سے دارالعلوم حقانی کی دعوت پر جامعہ اسلامیہ میں بیہ پیر (۱) بیہ پور کاسٹ بنیاد رکھے گئے تھے اور پھر تشریف لے گئے۔

گئے۔ وہیں طبیعت نامساں ہوئی اور اسی علامت میں ۱۳ دسمبر ۱۳۶۹ھ بروز منگل صبح ۱ بجکر ۵ منٹ پر چوتھہ (۶۳) سال ایک ماہ پارویہ کی عمر میں یہ قناب طعمہ مکمل ہمیشہ سے لے کر خوب ہو گیا۔ میت بعد داخلہ یہ بہاولپور سے کرچی پہنچائی گئی، جہاں لکھنوں کی تعداد میں لوگوں نے غم و جہاد میں شرکت کی اور ۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کرچی میں مہر و خات کر دے کے (۶)

معروف اساتذہ :

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے یوں تلمیذی ساتذہ سے استسب فیض کیا لیکن ان میں آپ نے سب سے بڑے استاد اور مربی شیخ اہمد مولانا محمود الحسنؒ و سیرا مٹا تھے۔ منطق و فلسفہ میں آپ مولانا علامہ سولی سرحدیؒ کے شاگرد تھے، جس کا شمار دراعلم و دیوبند کے اعلیٰ مدرس میں ہوتا تھا۔ ان کے عاود حکیم محمد حسن اور مولانا محمد یحییٰ شیر کوئی بھی آپ کے ساتذہ میں سے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ خصوصی طور پر آپ کے بڑے مددگار تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ تھتے میں کہ

”مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مولانا محمد قاسم مرحوم کی تصانیف کی طرف توجہ رہا۔ ان کے مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ سے کہا کہ مولوی شبیر احمد عثمانیؒ کو چونکہ مولانا محمد قاسم مرحوم کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا تمام علم اس کو ادا کر دوں، آپ اس امر کا اعلان فرمائیں۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا کی اس قدر افزائی کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سلطنت العلماء (مولانا محمود حسن صاحب) سے اجازت لے کر مولانا اشرف علی صاحب نے اپنا تمام مولوی شبیر احمد صاحب کے سر پر رکھا“ (۷)

مولانا تھانویؒ، حنفی و اہل حق پر اپنا جو مقام رکھتے تھے، اس کے عوض سے

کا مولانا عثمانیؒ کے سر پر اپنی عمارت رکھا بہت بڑا روحانی ورثہ ہے۔ اسی طرح لکھو یا آپ کو مولانا تھانویؒ سے بھی خصوصی فیض حاصل ہوا۔

معروف تلامذہ :

آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدیع عالم میرٹھیؒ، سید مناظر حسن گیلانیؒ، مولانا حفظ الرحمن سید ہارونیؒ، قادری محمد طیبہؒ، مولانا اعظم علی سیٹھیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا سعید احمد کبر آبادیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۸)

تصانیف :

اگرچہ مولانا عثمانیؒ کی تصانیف میں تفسیر عثمانیؒ خاص اہمیت کی حامل اور بہت معروف رہے، مگر حدیث میں "فتح المہم" "ثروت صحیح مسلم اور" فضل الباری "ثروت صحیح بخاری" مقالے کا خصوصی موضوع ہونے کی تفسیر و حدیث کی سزا نقد تصانیف کے علاوہ تالیفات عثمانیؒ (مجموعہ مقالات) میں گیارہ مقالات شامل ہیں (اور مختلف رسائل و جرائد میں شامل مضامین و مقالات بھی قابل ذکر ہیں۔ (۹) خطبات و کتابیات ان کے علاوہ ہیں۔ (۱۰)

علامہ عثمانیؒ اور خدمات حدیث :

علامہ شہید احمد عثمانیؒ ایک ایسے جامع اصناف اور ہمہ جہت شخصیت تھے کہ آپ کو محقق، مفسر، محدث، مدقق، مصنف، محقق، القاب سے نوازا گیا اور بلاشبہ آپ ہر میدان کے شہسوار تھے۔ صرف تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی نہیں، میدان سیاست و قیادت اور خطابت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ (۱۱) تاہم علم حدیث سے آپ کو جو خصوصی

نسبت تھی، اس کا شہکار آپ کی شریعت مسموم و بھاری ہیں۔ تاہم آپ کی اس اہم تصانیف کا تذکرہ کرنے سے پہلے علم حدیث سے آپ کی سمیت اور تدریس کی خدمات و تذکرہ حاصل نہ ہوگا۔

علم حدیث سے خصوصی نسبت اور رغبت

علامہ عثمانیؒ کو غالباً دورانِ تعلیم ہی علم حدیث سے خصوصی نسبت ہو گئی تھی۔ آپ کی تعلیم کا آخری سال جسے دورہ حدیث کا سار کہا جاتا ہے اس بات کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ آپ نے اس سال درجہ حدیث میں تمام طلباء میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ یہ آپ نے طالب علمی کے دوران حدیث کی جن کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان میں بخاری شریف، مسند شریف، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، نسائی اور شاہین تفسیر شامل ہیں۔ حدیث میں آپ شیخ ابہد مولانا محمود حسن کے شاگرد ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ خود مولانا محمود حسن نے حدیث مولانا محمد قاسم سے اور انہوں نے شاہ عبدالغنیؒ سے پڑھی۔ تا آنکہ یہ سلسلہ حدیث حضرت شادویں قدس سرہ تک پہنچ جاتا ہے۔ (۱۲)

تدریس حدیث :

علامہ عثمانیؒ نے ۱۳۲۵ھ، ۱۹۰۸ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند ہی میں تعلیم دینا شروع کی۔ اور غالباً اسی سال مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس ہو کر چلے گئے اور ۳۲۸ حدیث دہلی واپس دیوبند چلے گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دورانِ بھی آپ کی زیادہ تر دانشور کی حدیث سے رہی ہوگی۔ (۳) تاہم شیخ ابہد مولانا محمود حسن ۱۳۳۳ھ میں جب فتح کے نئے روئے ہوئے (۱۹۱۵ء) سفر میں گرفتار ہوئے، اسے دہلی بھی رہا۔ بعد ازاں ۳۳۸ھ میں واپس آئے اور صرف ایک ماہ بعد ہی ریحی الاوقاف

۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء میں انتقال فرما گئے) تو مورخ عثمانی سنی محمد موزی دوقی میں مسلم شریف
 پر حاتمے رہے اور شیخ الہند کے انتقال کے بعد ۱۳۳۳ھ تک، راجہ موزی دوقی دہلی میں درج
 یہ سند جاری رہا۔ بعد ازاں انھیں پٹنہ میں بھی پیش درج مسلم شریف اور پھر علامہ اور شاہ
 کشمیری کے انتقال کے بعد جب آپ صدر مدرس مقرر ہوئے تو دہلی کے بخاری کا سند بھی
 آپ سے متعلق ہو گیا۔ مولانا محمد یحییٰ صدیقی مثنوی علامہ شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں کہ
 شاہ صاحب کی جگہ پر صدر مدرس بخاری کی ذمہ داری کوئی معمولی ذمہ داری نہ تھی۔
 علامہ عثمانی کی تدبیریں زندگی کا یہ دور ایسا تھا کہ اس کو مشکلات بخاری سے حل و عیون،
 معارف کے بیان کا سنہرے دور کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ درج بخاری کے پہلے ہی سبب حضرت
 مدرس نے ایک فاضل تلمیذ کو ہتمام کے ساتھ تقریر بخاری کو صحت تحریر میں لائے گا ختم فرمایا
 اور پھر سبھی سال تک تقاریر بخاری کے دل مصدقہ مصاحف پر لکھوائی فرماتے رہے۔
 (۱۳) آپ کی یہ تقاریر اب فضل اہلاری نے نام سے طبع ہو چکی ہیں، جس کا تفصیلی تذکرہ
 آنحضرت صفات پر ہوگا۔

شروع حدیث :

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کی اشاعت و حفاظت میں اس خطے کے علماء نے
 نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ صحاح ستہ کے عربی میں متعدد حواشی اور اس پر تقاریر کے علاوہ
 مستقل شروح کتب حدیث علماء ہند پاک کا قیام ہے۔ یہاں تک کہ علامہ رشید رضا
 مصری کو مفتاح کنوز السنۃ نے مقدمہ میں لکھنا پڑا،

ولولا عصابہ احوانا علماء الہند بعلوم الحدیث فی ہذہ العصر

لنقضی علیہا بالزوال۔

مگر ہمارے یہ اہل ان علماء جو سندہ ستان نے اس زمانہ میں جو حدیث پر توجہ دی

ہوتی تو اس علم کے روال کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔" (۱۵)

ہندو پاک کے انہی اہل علم میں ایک منور دور عثمان نام علامہ شہیر احمد عثمانی کا ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخش کہ بخاری اور مسلم دونوں پر آپ کی شروحات نے قبول عام حاصل کیا اور اہل علم نے دونوں کتب کا فربح تحسین پیش کیا۔ اب ہم اولوں پر ایک مختصر مکتوہ لکھ رہے ہیں۔

فتح الملہم شرح صحیح مسلم (عربی)

علامہ شہیر احمد عثمانیؒ کو جس کتاب نے محدث کی حیثیت سے عالم اسلام میں متعارف کر دیا، وہ صحیح مسلم شریف کی یہی شرح بعنوان "فتح الملہم" ہے۔ اگرچہ فقہ عثمانی کے قبول عام کی وجہ سے یہ اثر آپ کی شہرت بطور منفر ہے، مگر حقیقتاً آپ کی مناسبت طبع اور رغبت حدیث نیر خدات حدیث کی وجہ سے منفر سے بھی بڑھ کر جو لقب آپ پر لیا گیا ہے وہ "محدث برصغیر" آپ کے سوانح نگاروں اور حقداروں نے آپ کو "محدث پانچا" اور "محدث یگانہ" کے القاب سے نوازا ہے۔ (۱۶) بلاشبہ فتح الملہم ہی وہ کتاب تھی جس سے علم حدیث میں آپ کے مقام و مرتبہ کا تعین ہو اور عرب و عجم کے مشاہیر اور بزرگ علماء نے اس کے اوصاف و محاسن کا اعتراف کیا، یوں تو سب حایث حاصل ہو پر صحاح ستہ کی شرح مختلف دور میں لکھی جاتی رہیں۔ ان میں صحیح مسلم کی شرح بھی بعض مشاہیر نے لکھی، لیکن جامعیت کی حامل کوئی شرح متعدد شہور پر نہیں آئی تھی۔ فتح الملہم سے پہلے بھی کئی ساری شرح صرف کسی خاص جہت کا حاطہ کرتی ہیں، مثلاً بعض شریعین نے صحیح مسلم سے متعلق مستغربات کو جمع کیا اور بعض نے صرف رجال پر تحقیق کی اور بعض نے اس کی سند اور مشن پر تہرہ کرنے والوں کا تذکرہ کیا۔ اہلبیت ابو عبد اللہ محمد بن حنفیہ اور ان کے بعد ابو عبد اللہ محمد بن محمد اسود کی شرحوں کی شروحات سے قدرے زیادہ مفصل اور جامع تھیں۔

تاہم عالم اسلام کے نامور سکالر علامہ زاہد الکلوثی (۷۱) کے بقول

”کچ تو یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شرع کی ثابت نہیں ہوئی جو تمام اطراف و
جوانب سے صحیح مسلم کی وضاحت اور شرح کا حق ادا کر سکے۔“ (۱۸)

مولانا نور شاہ کشمیری فرماتے ہیں

”احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب (صحیح مسلم) کی خدمت اُس (علامہ عثمانی) سے زیادہ بہتر اور برتر نہ کر سکا۔ اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر انہوں نے اہل علم پر احسان
کیا۔“ (۱۹)

تاہم جب علامہ زاہد الکلوثی نے فتح الملہم کو پڑھا تو علامہ عثمانی کو خط لکھ کر
مبارک درخش کی۔ بعد ازاں رسالہ ”الاسلام“ (قاہرہ مصر) میں تقریر بھی لکھی جو بہت شرح
وسط سے تحریر کی گئی۔ تاہم خط کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح الملہم شرح مسلم کو پانچ سو سال کی خوشی کی انتہا
نہ رہی اور جس قدر اس کتاب کو پڑھتا گیا میرے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ مولانا آپ ”حق یہ
ہے کہ اس دور میں فخر صحیح ہیں۔“ (۱۹)

فتح الملہم کا ایک خاص اعرار یہ ہے کہ اس دور میں فقہ حنفی میں مسلم شریف کی یہ
پہلی شرح ہے۔ اس سے پہلے احناف میں سے مسلم شریف کی شرح کسی نے نہ لکھی تھی۔ اس
لئے مولانا عبد اللہ جداریا آبادی فرماتے ہیں

”بخاری کی شرح تو ”عمدة القاری“ کے نام سے علامہ یعنی حنفی مدت ہوئی لکھ چکے
تھے لیکن صحیح مسلم کا قرضہ احناف پر صدیوں سے چڑا رہا تھا۔ مولانا کی ذات تھی کہ فتح
الملہم کے نام سے بسوڑ و مستند شرح لکھ کر دنیا کے حقیقت سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔“ (۲۰)

چھ ایسے ہی القاطب میں سید سیمان ندوی نے لکھے کہ

”صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا خیال اُن کو اپنی جوانی کے عہد سے تھا۔ صحیح بخاری کی
شرح تو احناف میں سے حافظ بدرالدین عینی نے بہت پہلے لکھ کر احناف کی طرف سے حق

ادا کر دیا تھا، مگر صحیح مسلم کی کوئی شرح حنفی نقطہ نظر سے اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کے لئے مرحوم نے اپنے دست و پا رکھوا دیا۔ (۲۱)

فتح الکلیم شرح مسلمانہ عثمانی نے کب لکھا شروع کی۔ اس کے لئے کوئی خاص ماہ یا سن تو متعین کرنا مشکل ہے، لیکن قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ درجہ مسلم کے ابتدائی دور ہی سے آپ نے لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ غالباً ۱۹۱۶ء سے کالی پہلے آپ نے یہ کام شروع کر دیا ہوگا۔ جیسا کہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں

”مجھے خیال آتا ہے کہ مرحوم ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء میں انجمن اسلامیہ اعظم تیار ہوئے اور فیصلی منزل میں میرے ہی پاس ٹھہرے۔ اس وقت ان کی شرح مسلم کے چھ اجزاء اس کے پاس تھے، جن میں قرأت فاتحہ طیف، امام وغیرہ اختلافی مسائل پر مباحث تھے، جن کو چاہجائے مجھے سنا۔“ (۲۲)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ مرحوم نے اس کام کا آغاز ۱۹۱۳ء کے لگ بھگ کیا ہوگا۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ یہ کتاب پانچ جلدوں میں مکمل ہوگی تین تقسیم بند اور مولانا کی مجلسی سیاست میں بحر پر شرکت کی وجہ سے یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔ پاکستان بنا اور آپ یہاں مستقل مقیم ہو گئے تو مسلسل عداوت کی وجہ سے بھی تھنیف و تالیف کا سلسلہ رک سا گیا اور زندگی نے بھی زیادہ دیر وفا کی۔ چنانچہ صرف تین جلدیں مکمل ہو سکیں۔ پہلی ۱۹۳۲ء ۱۹۳۳ء دوسری ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء کو پورے طبع سے آراستہ ہو کر مظر عام پر آئی۔ پہلی ۱۱ جلدیں پیندہ پریس، بخنور سے طبع ہوئیں اور تیسری مولانا محمد الدین شیر کوٹی کے استہرام سے تادمہ پریس جالندھر میں طبع ہوئی۔ جلد اول میں ایک متوسط مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں اصول حدیث، تدوین حدیث و مصطلحات و اقسام حدیث و دیگر متعلقات پر نہایت عمدہ بحثیں کی گئی ہیں۔ آپ نے مسلم کے مقدمہ کی بھی شرح لکھی ہے۔ اس وقت میرے سامنے مکتبہ دارالعلوم کراچی کی شائع کردہ ۱۳۰۹ھ/۱۹۸۹ء کی جلد اول ہے۔ یہ پیندہ پریس

کے ۲۸۲ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۲۹۶ صفحات کا مقدمہ، ۱۲۰ صفحات کا مقدمہ مسلم کی شرح اور بقیہ صفحات پر کتاب الایمان کی شرح ہے۔ تین جلدوں کا کل کام کتاب النکاح والطلاق تک ہے، جبکہ اس سے آگے کا کام جنس مفتی محمد تقی عثمانی نے چھ جلدوں پر مشتمل جملہ لکھ کر انجام دیا۔ اس جملہ کے بارے میں مفتی محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں

"یہ جملہ اس لحاظ سے موجود تھا، شروع حدیث میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتا ہے کہ اس میں پچھلی تمام شروع کے اہم مباحث کو نہایت انضباط اور اختصار و جامعیت کے ساتھ مرتب کرنے کے علاوہ موجود زمانے کے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے، جو دوسری شروع میں کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔ خصوصاً اقتصادی اور مالیاتی مسائل جو اس زمانے کے پیدا کردہ ہیں، ان پر خوب تحقیقی مباحث اس میں آگئے ہیں"۔ (۲۳)

جملہ کے بارے میں پروفیسر مولانا عبدالمصطفیٰ کشمیری فرماتے ہیں

"جملہ کے کمینزات و خصوصیات کے بارے میں مصنف (جنس مفتی عثمانی) کا نام ہی بڑی صحت سے ہے، اگرچہ ہر مصنف کا اپنا ذاتی مطلع نظر اور طرزِ تحریر مختلف ہوتا ہے اور ساتھ ہی زمانے کے تقاضے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ نیز کتاب کے اجزاء، موضوع اور مضمون کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود فتح المہم اور اس کے جملہ میں کافی مرئیت و یکجہت نظر آتی ہے۔ البتہ بعض اعتبار سے دونوں اجزاء میں قدرے تغایر کا واقع ہونا بالکل فطری بات ہے"۔ (۲۴)

دونوں ماضی محققین کی آراء سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جملہ کا انداز اور معیار بھی وہی ہے جو فتح المہم کا ہے۔ بس اگر کچھ فرق ہے تو صرف عصری تقاضوں اور موضوعات کا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

فتح المہم کی خصوصیات پر لکھنے کے لئے ایک جملہ مضمون کی گنجائش ہے۔ اس لئے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف علامہ الور شاہ کشمیری کی جیسا

کردہ خصوصیات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جسے علامہ انور شاہ کے نام نامی سے ایک سند کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ لکھتے ہیں

۱۔ حدیث کے وہ مشکل مقامات جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و دوسرے خدا کی فعال سے ہے یا وہ دقیق حقیقتیں جو انسانی عقول سے بلند ہیں مگر حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں، ان کی وضاحت اس شرح میں کی گئی ہے۔

۲۔ ہر مسئلہ اور مضمون میں معادہ کرام کے عمدہ اور منتخب اقوال کو نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ دقیق اور مشکل مسائل کو ایسی مثالوں اور نظائر سے سمجھایا گیا ہے جس سے بہتر کون اور نہیں ہو سکتیں۔

۴۔ چاروں ائمہ کے اقوال معتمد علیہ سب سے پیش کئے گئے ہیں۔

۵۔ اختلافی مسائل میں مذہب حنفیہ کو نہایت انصاف اور احتیاط سے پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ ہر باب سے متعلق ہر دمک صوفیاء کرام اور عارفین عظام کے دوسرے نکات جو شیخ اکبر کی فتوحات اور حجت اللہ ابوالخیرہ سے مل سکے ہیں نقل کئے گئے ہیں۔

۷۔ موجودہ غیروشنی کے لوگوں کے شبہات کو جو ہر باب کی تعلیم میں اطمینان قلب کو چکے میں رونق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۸۔ ایک باب سے متعلق مختلف کتب میں جو احادیث موجود ہیں۔ حتیٰ انہرکاں کہیں یکجا کر دیا گیا ہے۔

۹۔ احادیث کی تعلیق میں تاہمکہ درکوشش کی گئی ہے تاکہ تعارض نہ رہے۔

۱۰۔ بنیادی مآخذ سے فقہوں کا موازنہ کر کے اس کتاب کے شایان شان خدمت کی گئی ہے۔ (تقریر فتح البیہم)

اس تقریر کے آغاز میں مولانا انور شاہ نے عائشہ انہی اوصاف و کمائن کی بنا پر یہ

تحریر فرمایا کہ :

”احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب (صحیح مسلم) کی خدمت میں (علامہ عثمانی) سے ریا دو بہتر اور برتر نہ کر سکا۔ اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر اسہوں نے اہل علم پر احسان کیا ہے۔ اسہوں نے اسی شرح لکھی ہے جو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی۔“ (۲۵)

کہا جاتا ہے کہ حوض شارح یعنی علامہ عثمانی نے بھی فتح الہیہ کی خصوصیات کے بارے میں کچھ نکات لکھے ہیں تاہم یہ بات ثابت نہیں کہ یہ باشرک طرف سے ہیں یا شارح کی طرف سے۔ البتہ پروفیسر شیر کوئی صاحب کا موقف یہ ہے کہ ”میرا یقین ہے کہ باشرک نے یہ خصوصیات حضرت شارح کی بیان کردہ علی تحریر کی ہیں۔“ (۲۶)

فتح الہیہ کو کم و بیش تمام اہل علم نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک زبردست اور دلچسپ بات مجلس محمد تقی عثمانی نے تحریر کی ہے، وہ لکھتے ہیں

”حضرت والد صاحب (مفتی محمد شفیع) نے ہی سنایا کہ جب حضرت عثمانی نے صحیح مسلم پر اپنی شہرہ آفاق شرح ’فتح الہیہ‘ تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے۔ وہاں رؤفہ اقدس کے سامنے بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کی اور پھر راضیہ اقدس پر بھی اور حرم خند میں ملتزم پر بھی مسودہ سر پر رکھ کر دعا کی تھی کہ یہ مسودہ احقر نے بے سر و سامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے۔ یا اللہ ! اس کو قبول فرما لیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام فرما دیجئے۔“

اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدر آباد کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدر آبادی کے مصارف پر جزی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس نے پوری دنیا میں اپنا گویا منوالیا۔“ (۲۷)

فتح الہیہ کی شان، طبعیت و اشاعت کا جس منظر، علامہ مرحوم کا احلاس اور علم

حدیث میں آپ کی مہارت اور مجلس مناسبت یہ سب باتیں روز روشن کی طرح واضح ہیں اس کے اوصاف و خصائص پر بھی اجماعی تذکرہ درج کر دیا گیا ہے، اگر بغیر تحقیق کی جائے اور اس کتاب پر الگ سے مضمون لکھنے کی گنجائش ہو تو مزید اوصاف، خصوصیات و کمینات بھی درج تحریر میں لائے جاسکتے ہیں۔

اب ہم علامہ صاحب کی دوسری شرح حدیث فضل الباری کا جائزہ پیش کرتے

ہیں

فضل الباری شرح صحیح بخاری (اردو)

تدریس حدیث کے ذیل میں یہ بات تحریر کر دی گئی تھی کہ جامعہ ذہیل نفع سورت میں علامہ انور شاہ کشمیری کے انتقال کے بعد درج بخاری کی ذمہ داری بھی آپ کو تنویض کر دی گئی تھی۔ چنانچہ درس بخاری کے پیپید ہی میں حضرت علامہ نے اپنے ایک شاگرد رشید کو (عائبا یہ ذمہ داری دینی اور کئی شاگرد باری باری یہ سہادت حاصل کرتے رہے) بہت کم کے ساتھ تحریر بخاری کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم فرمایا۔ بعد ازاں سالہا سال تک تقاریر بخاری کے ان مضبوط و مضامین میں نظر ثانی فرماتے رہے اور حذف و رد و اضافہ اور ترمیم و اضافہ کے ساتھ مسلسل مضامین کے لئے ملاحظہ کتب کی ہدایت لکھتے گئے اور مراجعت کی مدت کے ساتھ بعض مقامات پر متعلقہ کتاب کے باب فی ثانی بھی فرمادی۔ (۲۸)

علامہ عثمانی مرحوم نے بخاری کی اس شرح کو عائبا اپنے رفیق محترم علامہ انور شاہ کشمیری کی خواہش پر ہی شروع کیا تھا۔ مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں

”مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی آرزو تھی کہ جس طرح مولانا شبیر احمد عثمانی نے قرآن کریم کے فوائد و روایات میں لکھے ہیں، اسی طرح بخاری شریف سے نو سو بھی رد و

رواں میں ان کے قلم سے امت کے سامنے آئیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب
تدریس بخاری کے زمانے میں جو علوم و معارف بیان فرماتے تھے اور جس طرح مشکلات
بخاری کو فصیح و بلیغ اور فلفلہ زبان میں حل فرماتے تھے، یہ ان ہی کا حصہ تھا، بلا مبالغہ اس
خصوصیت میں اس کی انکیز نہیں تھی۔" (۲۹)

علامہ عثمانی مرحوم نے درس بخاری کے یہ پیچھے تحریر تو کروادئے، لیکن آپ کی
زندگی میں یہ طبع ہو کر مضر عام پر نہ آ سکے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس بارے میں بھی آپ کے
محقق و مامولانہ محمد نجی صدیقی لکھتے ہیں

مسودات کے حواشی پر مولانا مرحوم نے اپنے قلم سے کچھ ہدایت تحریر فرمائی تھیں،
بحث و استدلال کی عقلی، کسی روایت پر شارحین حدیث میں سے کسی کی وضاحت، اقوال
مفسرین، ماہرین علوم نبوت مثلاً شیخ کبیر، امام غزالی، ابن تیمیہ، ابن قیم اور شاہ ولی اللہ
محمد دہلوی وغیرہم کے صبی ذخائر سے رفع ہو سکتی تھی تو علامہ مرحوم نے اس سلسلہ میں
مختلف علوم کی کتب کے حوالہ جات کی ہدایت فرمائی۔ گویا اس منصوبہ شدہ تقریر کی تکمیل ان
حوالہ جات پر موقوف قرار دی، اب ان حوالوں کا کھوج لگایا اور عربی عبارتوں کے معانی کو
آوردہ میں منتقل کرنا اور پوری صحیح بخاری پر اس خدمت کو انجام دینا "سان کا نہ تھا۔" (۳۰)
بہر حال شدید محنت اور عرق ریزی کے بعد ۱۹۷۳ء میں یہ شرح رسواں فصل
الہادی جلد اول منصف شہور پرتی اور ۱۹۷۵ء میں جلد ثانی بھی زیر طبع سے آراستہ ہو کر شہر
عام پر آ گئی اور اس کے ساتھ ہی جلد اول کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا
کہ اس عظیم شان کتاب کی تکمیل بارہ جلدوں میں ہوگی۔ جلد اول کتاب الوفی سے کتاب
الحکم تک باب ۳۹ اور حدیث نمبر ۶۵ پر ختم ہوتی ہے، جبکہ جلد ثانی باب ۵۰ اور حدیث
نمبر ۶۶ سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام باب ۶۴ اور حدیث نمبر ۳۳۸ پر ہوگا،
تیسری جلد میں کتاب الحکم، کتاب البصائر، کتاب فضائل، کتاب عیسیٰ، کتاب عیسیٰ

کے ابواب اور ان کی تشریحات ہیں۔ جلد ثالث کی ابتداء کتاب اصول سے ہوئی تھی، مگر نامعلوم و چاہات کی بناء پر یہ کام ہو سکتا تھکیل ہے۔ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑہ مولانا قاضی عبدالرحمن (۳۱) نے اٹھایا تھا۔ انہوں نے ہدایت اخلاص، محنت اور جانفشانی سے پہلی دو جلدوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ یہی دو جلدیں ہی اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ سب سے پہلے اس شرح بخاری کے بارے میں چند مستند اہل علم کی تراء، سب سے پہلے کتاب کے مرتب مولانا قاضی عبدالرحمن کی رائے

”جس علمی افادیت کی نسبت حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی طرف ہو، ان کی اہمیت کے لئے حضرت موصوفی کا اسم گرامی ہی بہت بڑی ضمانت ہے۔ شیخ الاسلام کے ان علمی افادات کی تیاری شان یہ ہے کہ ان سے عالمان اسلام کی پیدا کردہ لفظ فہمیاں بڑے مضبوط عقلی و نقلی دلائل سے ختم کی گئی ہیں اور مستند حوالوں اور عقلی شواہد سے طہرین کی لفظ بیانوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ ان میں جو ہر کی ہر سطرسطوت و عظمت کی آئینہ دار ہے۔“ (۳۲)

مولانا قاری محمد حبیب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں

”بدشب علمی حقوق کے لئے یہ ایک غیر معمولی مژدہ اور بشارت عظمیٰ ہے کہ سچا کتاب بعد کتاب اللہ کی شرح و توضیح اپنے وقت کے ایک حلیل و مفکر ذکی بے بدل اور بے مثل جید عالم دین کے قلب و دماغ کے رستہ سے ہو کر امت کے سامنے آ رہی ہے۔ اس لئے اس شرح بخاری کے مقبول و مستند ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کا استناد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسی بلند پایہ ہستی کی طرف ہے۔“ (۳۳)

مولانا ابوالقادر منجم دارالافتاء دہلی فرماتے ہیں

یہ شرح و بیانات اور یہ ابواب و تراجم

اللہ سے ہر نکتہ غافل کی وضاحت

کیا سادہ و پرکار ہے اندر نگارش
 نقوش میں سموئی ہوئی اردو کی سلاست
 سب جس کو سمجھ جائیں وہ آسان حواش
 جمال کی تفصیل ہے معنی کی صراحت
 ادب کی تہذیب ، مضامین کی ترتیب
 شارح کی بصیرت ہے ، مرخبات کی دہانت
 ہر صفحہ قرطاس ہے فردوسِ مدنی
 ایک ایک ورق ضبطِ رشد و ہدایت

(۱۳۳)

مولانا محمد یوسف سورتی فرماتے ہیں کہ

"اردو زبان میں صحیح بخاری کے علوم و معارف پر پہلی تراجمیہ جواہرات سے

مسموہ تقریر ہے۔" (۳۵)

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں

"شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ کی اس تقریر بخاری کے بارے میں کچھ کہنا

سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے کیونکہ موصوف کا اسم گرامی علی بن ابی طالب کے مقام بلند
 کی کافی ضمانت ہے۔ یہ تقریر بخاری اردو زبان میں صحیح بخاری کی بے نظیر شرح ہے اور اس
 میں بعض مضامین تو ایسے آگئے ہیں جو اس حسبِ ہوا و ہودت ترتیب کے ساتھ عربی
 زبان میں بھی نہیں ملے۔" (۲۶)

معروف اسکالر عبداللہ عباس ندوی لکھتے ہیں کہ

"اس کتاب (فضل الباری) کے ذریعے دنیا کی ب سے بڑی پائی کی
 عظیم الشان کتاب کی شرت اس سلوب سے اردو میں آگئی ہے جو اسلوب سے تک صرف

عربی زبان کے سے مخصوص تھا۔ عام مسلمانوں کو اس سے اندر نہ ہوگا کہ سنا محققین کا اس
کتنی وسعت و شہرت اور وقت نظر کا حامل ہوتا ہے۔ (۳۷)

علماء محققین کی درج بالا آراء سے فضل الباری کی اہمیت و جامعیت کا مدار لگانا
مشکل نہیں۔ تاہم چند خصوصیات کا تذکرہ کر دینا مناسب ہوگا۔ پروفیسر انور الحسن شیر کوٹی
نے فضل الباری جلد اول کی تقریظ میں قلم تر دے اوصاف تحریر کروئے ہیں جو فتح البہم
تقریظ میں درج ہیں۔ حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ فتح البہم علامہ حثانی کی خود تحریر کردہ
شرح ہے جبکہ فضل الباری آپ کے پیچھے ہیں۔ تحریر اور تقریر دونوں ایک جیسے نہیں ہوا
کرتے۔ پھر فتح البہم عربی میں ہے، جبکہ فضل الباری اردو میں۔ عربی کا اپنا مخصوص مزاج
اور اسلوب نگارش ہے، جبکہ اردو کا مزاج پختہ اور ہے، پھر دونوں کتابوں یعنی بخاری و مسلم
کا بھی اپنا اپنا مزاج ہے۔ دونوں نے مؤلف، انگ، انگ ہیں۔ اس لئے فتح البہم اور فضل
الباری میں بھی اوصاف و خصوصیات تحریر کرتے ہوئے دونوں کو لگ انگ پر لکھ ہوگا۔ یہ
فتح البہم کے سلسلے میں علامہ راہد، الکثری، علامہ نور شاہ شیرینی و خود شارح علامہ حثانی
نے خود بھی بہت چوتھ تحریر کیا ہے مگر فضل الباری کے سلسلے میں سوائے چند تقاریف اور تبصرات
کے اور کوئی مواد دستیاب نہیں۔ نیز عجیب بات یہ ہے کہ یہ تمام تقریفات اور تبصرے بالکل ایک
جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے فضل الباری کی خصوصیات کو پر لکھنے اور ان پر تبصرہ کرے
کے لئے ایک انگ مضمون کی کھنڈ تاحال موجود ہے اور یہ کام کسی ایسی شخصیت نے راد و تہ
رہا ہے جسے خود علم حدیث، مزاج بخاری، اتر تم بخاری اور شروح بخاری پر کامل دسترس
حاصل ہو۔

یہاں سے دونوں جلدوں کو پڑھ کر یہ مہندی بھی یہ نہ رہا کہ اس کے علم
مردم کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک طے کی شرح میں علم کے ریا ہادیہ ہیں صرف اس
سلسلے میں جاری۔ پھر سب کا سب تاحال موجود ہے اس لئے اسے فاضل شارح

نے۔ اصناف پر مشتمل ایسے ایسے دلائل دیئے ہیں کہ عقل و دماغ رو جاتی ہے۔ ہر کتاب دینی کے پہلے باب "کیف کسان یصلہ الوحی" کی چودھویں میں ایسے ایسے اسرار و رموز، نکات و لطائف، مصداق و حوالہ جات درج کئے ہیں کہ ۱۲۰ صفحات پر پھیلے ہوئے یہ موتی اور جواہر دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رو جاتی ہیں۔ اس میں قرآنی آیات بھی ہیں، حدیث کے فرامین بھی، مفسرین کی توضیحات بھی ہیں اور شارحین کی تشریحات بھی، لغت کے مباحث بھی ہیں اور اعتراضات کے جواب بھی۔

صوفیاء، علماء اور اساتذہ کی آراء بھی ہیں اور شرع متین کے اسرار و حکم بھی۔ اختلاف شریع اور وحدت ادیان کے مباحث بھی ہیں اور آیات و احادیث کی مشابہتوں اور اختلافات کے لطیف زموں بھی۔ سیدہ کرام کے قصص و واقعات سے استدلال بھی ہے اور شافعیہ و حنفیہ کے اختلافات پر جامع تبصرہ بھی۔ اصول حدیث کی باریک بینیاں بھی ہیں اور سیرت حبیب کی لطیف آفرینیاں بھی۔

اہم فری، "مجدد الف جلی"، امام شافعی، اہل غلو و شیخ اکبر اور علامہ سیوطی کے نظریات پر تنقید و موعظ سے جو کہیں حضرت شادوں نے، جو کہیں شیخ ابنہ مودانا محمود الحسن اور علامہ انور شاہ شمشیری کے فرمودات کے حوالے دیئے جا رہے ہیں۔ بہر حال صرف ایک باب کی چھ حدیثوں میں قرآن، حدیث، تفسیر، تاریخ، فلسفہ، کلام، منطق و تصوف، لغت، اصول حدیث، اصول فقہ، ادب و ادب، فہرست کوئی علم یہ نہیں رہا جس سے استفادہ نہ کیا ہو۔ (۳۸) اس دلوں جلدوں کی یہی صورت حال ہے۔

۱۔ ریخت قلعت، سرحد اور زہوں سہل و زاریب و مساعیات قابل مہم ہیں۔
مثال: انکار سے جائز تو صبح مسٹر "اے"۔ ایک مثال، ملاحظہ فرمائیے۔ "ہاں روح و حیات
تے ہوئے محبت کی، اقبہ صیباں فرماں ہیں، "ہاں" یہی صفت بھی ہے۔
۲۔ ریخت میں چشماں میں۔ "ہاں" یہی صفت بھی ہے۔

ہے اور اس کی تشریح فرماتے ہوئے ایک تاریخی واقعہ بھی بطور مثال پیش فرمایا ہے۔

”کبھی فشا میل محبت محسن کا احسان ہوتا ہے کیونکہ الاسان عبد الاحسان
چتر کی بات ہے کہ سبب محبت میں سے احسان ایک اہم سبب ہے۔ چنانچہ خلیفہ مامون
رشید اور آپ کے وزیر جعفر برکی کا واقعہ ہے کہ وزیر بہت ہی دانا اور عقلمند تھا۔ بادشاہ نے
ایک روز وزیر سے کہا کہ تم کو جو مانگ ہو مانگو میں دے گا۔ وزیر نے کہا کہ حضرت میں یہ مانگ
مانگ ہوں کہ آپ میرے لڑکے سے محبت کر لیں، بادشاہ نے تعجب سے کہا کہ یہ بات تو
تم نے عقلمندی کی نہیں کی، کیا محبت کوئی اختیاری چیز ہے کہ میں تمہارے لڑکے سے محبت
کرنے لگوں۔ وزیر نے کہا کہ عطا سبب اس کا اختیار ہی ہو سکتا ہے، آپ میرے لڑکے پر
احسان کرتے رہیے، مگر اس کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوگی اور وہ آپ سے
محبت کرنے لگے گا تو پھر آپ کے دل میں بھی اس کی جگہ پیدا ہوگی۔ اس عقلمندی پر مامون بہت
حوش ہوا۔“

الغرض احسان و اہم ردی باعث و نشا ہوتا ہے۔ میان قلب اور محبت کا اور چونکہ
احسان و اہم ردی کرنا ایک اختیاری فعل ہے، اس لئے یہ محبت بھی اختیاری ہوگی۔ آسانی
کے لئے اس کا نام حب احسانی رکھو۔“ (۳۹)

درنہا، قیاس سے جہاں عدم مروج کی جودت طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہاں
ذاتی اختراع اور برہان تشریح کی حدیث کا پتہ بھی چلتا ہے۔ تاریخی واقعات کا شعور بھی
حصلت ہے اور پیچھے کے انداز تفکر کی اثر آفرینی بھی مترشح ہوتی ہے۔ فضل الباری میں ہے
تحت التشریحات اور امثال و نظائر واقعات کا جائزہ کرنا عابنا اس لئے بھی ملتا ہے کہ
بنیوی طور پر تحریر نہیں بلکہ تقریر سے در تقریر بھی کسی جیسے کی جیسے بلکہ حدیث کے پیچھے ہیں
اور اس سے شکر بھی معنوی درجہ کے ہیں، کہیں اور یس کا مذہبی پیغمبر ہوں۔ یہ تو نہیں
ہے۔ مگر بہت شگفتہ ہوں گے تو کہیں مناظر اس میلانی کہیں بنیوی شریعہ کا

درس ہوگا اور کہیں دوح بندہ اناجیل کی فضاؤں میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدا میں گونج رہی ہوں گی۔

یہ ہے وہ جس منظر جس میں فضل الہاری کے پیچھے مدقوت ہوئے۔ ہر صلیبی سرکشہ دامن دل می کشد کہ جائیگاست کی تصویر ہے۔ فضل الہاری اگر تحریر ہوتی تو شاید اس قدر دلچسپی اور اثر آفرینی کی حامل نہ ہوتی۔ یہ بھی شاید منشاء ابروی ہی تھا کہ اہل علم اور عوام الناس سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ علامہ عثمانی مرحوم "درس حدیث" میں کیا مقام رکھتے تھے اور بطور مدد اس کتبہ اثر فرس پیچھے رکھتے تھے۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر بڑا علم کامیاب اور موثر استاد بھی ہو۔

مفسر قرآن، مصنف فتح الملہم، در شارح بخاری علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پر منکوح تمام ہے۔ تاہم اس مضمون میں اتنی ہی گنجائش تھی۔ اختتام دار معلوم تھا کہ یہ فتح الحدیث سوانا عبدالحق مرحوم کی اس تحریر پر کیا چارہا ہے جو علامہ عثمانیؒ اور اس کی خدمات پر ایک جامع تصویر ہے۔

"علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم بھی علامہ دوح بندہ کے اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہوں نے قرآن وحدیث کی سبب مثال خدمت درس و تدریس، شرح وتفسیر اور وعظ وارشاد کی شکل میں انجام دی۔ ترجمہ فتح الملہم پر ان کے حواشی اور صحیح مسلم کی فقہی اشال شرح فتح الملہم، عرب و عجم سے خراج خمیں پانچکے ہیں۔ فضل الہاری حضرت عثمانیؒ کی تصنیف نہیں بلکہ درسی تقریر، درامانی بخاری شریف کا مجموعہ ہے، جسے علامہ مرحوم کے ایک شاگرد نے درس بخاری کے دوران قلمبند کیا اور پھر صاحب تقریر نے نظر ثانی بھی فرمائی۔ علامہ مرحوم نے نہ صرف نظر ثانی کی بلکہ اضافے بھی کئے اور حوالوں کے لئے کتب مراجعت کی مشاندہی بھی فرمائی۔

حدیث کی ثروت و توفیق میں علامہ مرحوم کا خاص انداز ہے۔ کلام و عقائد کے

اختلافی مباحث کی تحقیق میں مکمل مستعد اور پھر حتیٰ امکان اختلافات ختم کیا تم کرانے والی توجیہات، براہم مسئلہ میں علماء تحقیق کے معرکہ آراء نظریات و آراء کے اقتضائات یا مخفیہ اسرار شریعت کی نشاندہی، روایات حدیث کے مختصر حالات اور پھر ان کی جرح و تعدیل، اسنادی مباحث سے قرض، غریب الحدیث کا حل، مذہب احناف کی مکمل تحقیق، ترجیح اور ان سب باتوں کے علاوہ اپنے اکابر اساتذہ کی عجیب و غریب تحقیقات و شبہات قدیر کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے نئے مسائل اور شہادت کی روشنی میں ہر قسم کے شبہات کا قلع قمع اور دلائل نقلیہ کے ساتھ عقلی شواہد جیسے قتل اور جہاں میم خود بخود قیوں سرکیں اور یہ سب کچھ بیان و توضیح کے اس خاص ملکہ کے ساتھ جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا تھا۔“ (۴۰)

حواشی و حوالہ جات

- (۱) رکینیت دستور ساز اسمبلی، قرار داد مقاصد کی تیاری و منظوری، قائد اعظم کی نماز جنازہ، سلیٹ اور سرحد میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا تحریک پاکستان کے نئے دن رات ایک کر دینا اور پھر پاکستان کا شیخ الاسلام (یہ اعزاز بعد میں آج تک کسی کو نہیں ملا) مقرر ہونای اس بات کا گواہ ہے کہ پاکستان کے ہر چہرہ و جواں کو علامہ صاحب سے کچھ واقفیت ہونی چاہیے۔ تحریک پاکستان میں آپ کا کردار بہت نمایاں ہے۔
- (۲) تفصیلات کے لئے سید عبدالصمد ہجراؤہ کا مضمون ”علامہ شبیر احمد عثمانی اور تحریک پاکستان (۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء) مطبوعہ سہ ماہی فکر و نظر، اپریل جون ۱۹۸۹ء ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

(۳) عبدالرشید ارشد ”میں بڑے مسوں“ مکتبہ رشیدیہ لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۵۳۵۔

(۴) ایضاً

(۵) حکیم آفتاب احمد قریشی "شیخ ابی سلام مولانا شبیر احمد عثمانی" مطبوعہ اردو ڈائجسٹ

ازادی نمبر ۱۹۹۳ء میں ۱۰۱۔

(۶) پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی "تجلیات عثمانی" (ادارہ نشر المعارف ملتان) ۱۹۵۵ء میں ۱۵۔

(۷) روداد مکتوبہ الامام احمد مراد آباد (سوانح شیخ ابی سلام فضل الباری جلد اول ص ۳۸)

(یہ واقعہ جمعیتہ الامام احمد دہلی کی ایک نصابی کمیٹی کا ہے جس میں دارالعلوم کے اعلیٰ اہل علم اور مولانا محمد قاسم کی کتابیں پڑھانے کا ایجنڈہ اذیہ غور تھا۔ مولانا تھانوی اس مجلس کے سرپرست تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ عثمانی مدرسہ فتح پوری دہلی کے صدر مدرس تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی جمعیتہ الامام احمد کے ناظم تھے۔ انہوں نے ہی روداد میں یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے)

(۸) حافظ محمد اکبر شاہ بخاری "اکابر علماء دہلی" لاہور کراچی (ادارہ اسلامیات)

جنوری ۱۹۹۹ء میں ۱۰۲۔

(۹) "تجلیات عثمانی" کے نام سے گیارہ مقامات کا مجموعہ ادارہ اسلامیات لاہور

نے صفر ۱۴۱۱ھ / ستمبر ۱۹۹۰ء میں شائع کیا ہے، اگرچہ اس مجموعہ میں مختلف موضوعات مثلاً "اسلام کے بنیادی عقائد"، "اسلام اور معجزات"، "ایضاً القرآن"، "الروح فی القرآن"، "المعراج فی القرآن"، "العقل والہلک"، "بدیہ سنیہ"، "تحقیق الخطیہ"، "سجود مجلس"، "مسئلہ تقدیر" اور "الشہاب الرحیم الخائف المرقات" شامل ہیں، جن میں ۵۶۸ صفحات پر کیا شائع کیا گیا ہے، مگر ٹائٹل پر علامہ صاحب کے نام کے ساتھ جو لاحقہ درج ہے "محدث دارالعلوم دہلی بندہ" ان کے علاوہ بھی مولانا کے کئی مضامین دیگر رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔

(۱۰) "خطبات مکتوبات عثمانی" کے نام سے ادارہ دارالشعور لاہور نے ۲۷۲ صفحات

پر شائع کیا ہے۔ مرتب ہیں ابو حمزہ قاسمی اور سب اشاعت ہے جون ۱۹۹۹ء۔ اس میں مرتب نے اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب ”پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی“ کی تصانیف کی خوش چمکی سے مرتب کی ہے۔ اس مجموعہ میں مولانا کے ۱۱ خطبات، ۴ بیانات اور ۱۶ سیاسی کھو بات شامل ہیں۔

(۱۱) مولانا عثمانی کے ہم عصر رفقاء نقاد اور سواح نگاروں نے مولانا کی ہمہ جہت شخصیت کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً علامہ انور شاہ نے لکھا ”علامہ عصر خود مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی“ محدث و مفسر و حکم این عصر اند“۔ (تقریباً ۱۹۸۵ء)

آپ کے انتقال پر مفتی کفایت اللہ نے مدرسہ امینیہ کے تعزیتی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا :

”مولانا مرحوم وقت کے بڑے عالم، پاکباز، محدث، مفسر اور خوش بیان مقرر تھے۔“ (امام المحدث، دہلی، ۱۹۸۹ء)

پاکستان کے سپریم وزیراعظم یحییٰ خان نے آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا :

”موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہم سے ایک قبچر عالم، ایک متقی انسان اور ایک سچے مسلمان کو جدا کر دیا اور ہمیں اسلامی معاشرے کی تنقید و تکفیل میں اُن کے ترقدار مشوروں سے محروم کر دیا۔ اس وقت درماندہ نسبت کو رہنمائی اور قیادت کے لئے اُس کی سخت ضرورت تھی۔ مولانا مرحوم کی شخصیت علم اور وسیع نظری کا مجموعہ تھی۔“

(ریسٹور اٹو ممبر ۱۹۸۹ء)

مولانا عبدالعزیز دریا بادی نے مولانا کی وفات پر اپنے اخبار ”صدق“ میں تحریر

فرمایا

”استاذ العلماء علامہ شبیر احمد عثمانی“ شارح صحیح مسلم و مفسر قرآن کا علم - ج

سارے عالم اسلامی کا غم ہے۔ تھانوی کے بعد علامہ عثمانی کی ذات اب اپنے رنگ میں فرد رہ گئی تھی۔ اپنے وقت کے رہبر دست حکم، نہایت خوش تقریر، واعظ، محدث، مفسر، محکم سب ہی کچھ تھے۔ (صدق لکھنؤ دسمبر ۱۹۴۹ء)

(۱۲) پروفیسر انوار الحسن شیر کوئی، تجلیات عثمانی، ص ۲۰۶۔

(۱۳) تجلیات عثمانی کے فاضل مصنف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ علامہ عثمانی ۱۳۲۶ھ سے تدریس حدیث سے وابستہ تھے، کافی حوالے دئے ہیں، تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دورانہ یعنی ۱۳۲۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک (شیخ البند کی روانگی تک) تک آپ باقاعدہ درس حدیث سے وابستہ نہ تھے بلکہ کبھی کبھار حدیث کی کوئی کتاب پڑھاتے ہوں گے۔ شیخ البند کی روانگی کے بعد اب آپ مستقل طور پر مسلم شریف پڑھانے لگے۔

(۱۴) مولانا محمد یحییٰ صدیقی، "فضل الباری کا منظر اور پس منظر"، غار فضل، باری شرح اردو صحیح بخاری جلد اول، رابطہ المصلیہ کراچی، نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۲۲۔

(۱۵) پروفیسر مولانا محمد اشرف (صدر شعبہ عربی اسلامیات کاشنور) "دیوبندی مدرسہ فکر" مطبوعہ ماہنامہ ارشد، بورکانا، اراکھون، دیوبند، ص ۴، شمارہ ۳۲، فروری ۱۹۷۶ء، ص ۸۰ (محمد نواد، باقی، مفتاح کنور السنۃ، دہرہ، ۱۹۳۳ء، مقدمہ)

(۱۶) مولانا محمد میاں نے آپ کی تفسیری خدمات کی وجہ سے آپ کو "مفسر اعظم" کا خطاب دیا، جبکہ مفتی کفایت اللہ آپ کو آپ کے مقام حدیث کی وجہ سے "محدث پاکباز" کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے، جبکہ فضل الباری شرح صحیح بخاری میں "محدث یگانہ" کے لقب سے آپ کو مقرب کیا گیا ہے، ویسے آپ کے دیگر خطابات اور القاب میں شیخ الاسلام، علامہ عصر، قاسم یابی، محکم عصر و خطیب امت اور محقق روزگار وغیرہ سے جیسے بہت سے اعزاز شامل ہیں۔

(۱۷) علامہ راہد انکوثری استنبول (ترکی) کے رہنے والے ممتاز عالم تھے اور خلافت

عائیں کے آخری دور میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے۔ مصطفیٰ کمال کے انقلاب نے نتیجے میں آپ کو پچیس سزائے موت دی گئی جو بعد ازاں تاحیات جلاوطنی میں بدل دی گئی چنانچہ آپ قاہرہ (مصر) میں مقیم ہو گئے اور اپنی بقید زندگی مصر ہی میں گزری۔

(۱۸) شیخ محمد زاہد الکوثری (المتوفی ۱۳۷۱ھ) "مقالات لکھنوی" (عربی) کراچی (ادب منزل پاکستان چوک) مسجد الوداع دہلی ۱۳۷۲ھ ص ۸۲

(۱۹) فتح الہیہ جلد ۳۔

(۲۰) صدق لکھنؤ دسمبر ۱۹۴۹ء۔

(۲) معارف عظیم سڑھ (درر معنی) اپریل ۱۹۵۰ء۔

(۳) ایضاً ص ۳۸۸۔

(۲۳) مفتی محمد رفیع عثمانی، درس مسلم (اقادات) مکتبہ نعیمیہ کراچی ص ۹۴۔

(۲۴) پروفیسر مولانا عبد الرحمن کاشمیری، تبصرہ فتح الہیہ شرح صحیح مسلم (غیر مجبوعہ)

(۲۵) پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی، تجلیات عثمانی، ص ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۳۔

(۲۶) ناشر نے یہ خصوصیات فتح الہیہ کے ٹائٹل کے بعد آغاز ہی میں درج کر دی ہیں۔

پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی نے ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ تجلیات عثمانی میں ص ۲۲۲ سے

۲۲۳ تک یہ تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(۲۷) جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی، اکابر دیوبند کیا تھے؟ دورۂ معارف کراچی ۲۰۰۰ء ص ۹۷۔

(۲۸) مولانا محمد نجی صدیقی، فضل الہیہ کی منتظر اور یس منتظر ص ۲۲، ۲۳۔

(۲۹) مولانا قاضی عبد الرحمن مرتب فضل الہیہ کے مختصر حالات اور تعارف پروفیسر

انوار الحسن شیر کوٹی نے فضل الہیہ کی جلد اول میں تحریر کئے ہیں۔ مختصر، راہِ حبیب دیوبند

کے فارغ التحصیل اور مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے۔ عارف باللہ مولوی نور حسین

کے فرزند تھے۔ بقول پروفیسر شیر کوٹی "فنِ حدیث سے متعلق یہ تحقیقی کام ان کے مقام

حدیث و تفسیر و علوم عقلیہ و نقلیہ سے گہری و سچی کی نشاندہی کر رہا ہے۔ "فضل ابیاری کی جلد اول و دوم کی تمام تقاریط اور آراء میں تمام اہل علم نے قاضی صاحب کو اس کام پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔

(۳۲) علامہ شبیر احمد عثمانی، "فضل ابیاری (حربہ آوازہ قاضی عبدالرحمن) جلد اول ص ۲۰۔

(۳۳) ایضاً (علامہ کرام کی آراء) ج اول ص ۴۵۔

(۳۴) ایضاً (جذبات متکلم و مابعد القدری مدیر مابعد قارئین) ج اول

ص ۲۷۔

(۳۵) ایضاً (علامہ کرام کی آراء) ج اول ص ۳۲۔

(۳۶) ایضاً ج اول ص ۳۳، ۳۵۔

(۳۷) علامہ شبیر احمد عثمانی، "فضل ابیاری جلد ثانی، اربعۃ المصنف کراچی، ۱۹۷۵ء تاثر

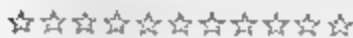
۱۰ اکثر عبدالقد عباس ندوی، صفحہ۔

(۳۸) تفصیلات کے لئے دیکھئے جلد اول صفحہ ۱۱۵ تا ۱۳۳ (کتاب الوحی باب نمبر)

(۳۹) علامہ شبیر احمد عثمانی، "فضل ابیاری، جلد اول ص ۳۳۷ (باب حب النور من

الیمان)

(۴۰) ایضاً (تاثرات موزعہ عبداللہ الحق اکوڑہ خشک ص ۷۰۔



مجلہ ”المصدق“ کا کتابی سلسلہ

شاہ انجم بخاری کی ادارت میں نکلنے والے سالانہ رسالہ ہے۔ مختلف موضوعات پر بہترین مضامین کا حسین مرقع، خصوصاً محدث کبیر مولانا عبدالحق دہلوی کے سوانح اور کارنامے، اس کے علاوہ اور بھی مختلف موضوعات۔

المصدق حیدر آبادی کا ہدف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علوم و معارف ان کی تصنیفات و تالیفات اور علمی و تحقیقی کارناموں کی اشاعت اور ان کے تذکرہ و سوانح سے امت کو آگاہ کرنا ہے۔ پیش نظر شمارہ اس ہدف میں کامیاب بلکہ ہر لحاظ سے جامع ہے۔ ہم المصدق کے مدیر اور خدیم کو، تعظیم پرچہ شائع کرنے پر ہر یک تحریک پیش کرتے ہیں۔

رابطہ کیلئے

556 امامی شاہ کالونی یونٹ نمبر 11 لطیف آباد حیدر آباد سندھ



باب : ۷

سفرِ آخرت

مہر علم کا غروب

اگر یہ مانتے ہو موت عالم موت عام ہے
تو موت مرشد کامل کا بولو نام کیا ہوگا ؟

(علامہ عثمانی)

اس باب کا ریب عنوان شعر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا طبع زاد ہے جو مرحوم نے عرصہ ہوا حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کے سانچہ ارتحال پر اس تعزیتی جلسہ میں اپنے فی البدیہہ مرثیہ کے دوران میں پڑھا تھا جو دیوبند میں منعقد ہوا تھا۔ شاہ صاحب مرحوم عہد و مشائخ دیوبند میں ایک فرشتہ سیرت ہستی تھے۔ علامہ عثمانیؒ کو کیا معلوم تھا کہ ان کا یہ شعر ایک دن خود ان پر بھی بعینہ صادق آئے گا۔ بلاشبہ آپ اہل پاکستان کے مرشد کامل ہیں جس کے ذریعہ انہیں اپنی جدید مملکت میں اسلامی آئین کی ساس (قرارداد مقصد) قائم کرنے کی توفیق کار و مطلق نے ارزاں فرمائی۔

یہ کہتے ہوئے زبان گلگ، دل پارہ پارہ اور داغ متقل ہے کہ ”پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام نے وفات پائی، مگر بندہ کی کیا مجال، بادشاہ خواستہ کہنا پڑتا ہے۔“

اَنَا لَكَ وَ اَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ -

یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرارداد مقاصد کی منظوری کے ساتھ اہل پاکستان پر حضرت شیخ الاسلام کے درویش اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کر دی اور جب حجت الاسلام حضرت

السلامہ اپنا فرض منصبی انجام دے چکے تو رفیق اعلیٰ سے جا ملے، مجلس دستور ساز نے ۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو قرارداد مقاصد منظور کی جس کی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام کو یک گور اطمینان ہو گیا۔

جامعہ عباسیہ :

علامہ مرحوم کی اب صرف یہ تھا کہ تحصیل قحی کہ دیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان میں اس کے شاید شان ایک ایسی دینی جامعہ یا اسلامی یونیورسٹی بن جائے جو کم از کم جامعہ ہر مصر کی ہم پد ہو، پاکستان میں ریاست بہاولپور وہ سرزمین ہے جو تاریخ اسلام کے رزتیں دور یعنی عہد عباسیہ کی مظہر ہے۔ انی ریاست مذکورہ کا مسند سب عراق عرب کے عباسی شہنشاہوں کو، پے جوں میں بیٹا ہوا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے جاتا ہے، جو سرور کونین رحمۃ اللہ علیہ حاتم السجینی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مہتمم ہیں۔ پاکستانی عباسیوں کا دار الحکومت بغداد العجید یہ ہے، جہاں علوم دینیہ کی تعلیم، تدریس کیلئے جامعہ عباسیہ کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم ہے، ریاست بہاولپور کے وزیر تعلیم عزت مآب مخدوم زاود حسن محمود صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کو ایک عرصہ سے دعوت دے رکھی تھی کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں بغداد العجید یہ تشریف لائیں اور جامعہ عباسیہ کی تنظیم اعلیٰ پائے پر کرنے کیلئے اس کے اعزازی سرپرست بننا قبول فرمائیں۔ یہ دعوت قبول ہوئی۔ علامہ مرحوم ایک عمر ضلیل تھے مگر علم دین کی سر بندی کا جذبہ آپ کو کشاکش کشاں جو ۱۹۳۹ء کو بہاولپور لے گیا۔ موصوف، دار الحکومت بغداد العجید یہ میں وزیر تعلیم کے استاء کدہ بند ہوجانے کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔ نئی آرازمیں ﷺ کے ارشاد مبارک۔ مطابق آپ درجہ شہادت سے فارغ ہوئے ہیں، کیونکہ آپ نے علم دین کی راہ میں داعی، جہاں کو جنگ کیا ہے۔

آخری دن :

حضرت شیخ الاسلام کی مبارک زندگی کے آخری لمحات کے متعلق منشی محمد فاضل صاحب (سابق سیکرٹری افغانی سفارت خانہ دہلی) کا بیس مظہر ہے کہ "مجھے ریاست بہاولپور میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے جانا پڑا، جہاں معلوم ہوا کہ جامعہ عباسیہ کے افتتاح کے سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ دم زدہ محمود صاحب وزیر تعلیم کے ہاں تشریف فرما ہیں چونکہ آپ مدت سے بیمار چلے آتے تھے۔ اس لئے موصوف کی عیادت کیلئے بھی مورانا فاروق احمد صاحب شیخ التفسیر جامعہ عباسیہ اور رئیس الاطباء حکیم عبدالرشید صاحب کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا۔ مورانا فاروق صاحب کی استدعا پر حضرت علامہ نے حکیم عبدالرشید صاحب کو بغل دیکھائی اور فرمایا کہ میری قوت ہضم نے عرصہ سے جواب دیا تھا جو کھا تا چاہتا ہوں وہ ہضم ہوئے بغیر اسہال وغیرہ کی صورت میں خارج ہوتا تھا۔ متعدد ڈاکٹروں اور عیسویوں سے علاج کراتے کے بعد میں تبدیلی آب و ہوا کے لئے کوئٹہ و قلات گیا۔ اس تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑا اور قوت ہضم بحال ہو گئی، کمزوری باقی تھی کہ میں نے علاج چھوڑ دیا، پھر اکثر لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان کے اصرار پر میں نے چیف میڈیکل آفیسر کراچی، ڈاکٹر امیر شاہ سے نیکے سروے، راہبوں نے گولیاں بھی کھائے کو دیں جن سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ میں نے تقریبات میں شرکت ترک کر رکھی تھی کہ جامعہ عباسیہ بہاولپور سے دعوت نامہ پہنچا۔ رفقاء نے مشورہ دیا کہ بہاولپور کی آب و ہوا آپ کے لئے مفید ہوگی۔ میں نے یہ مشورہ قبول کیا اور بہاولپور آ کر محفہ دم زدہ حسن محمود وزیر تعلیمات کے ہاں غمخوار جو میرے بچوں کے مانند ہیں۔ ڈاکٹروں نے مجھے مطابقت مہارت کر رکھی ہے۔ مگر مطالعہ ہی میرے لئے سکون قلب کا سامان ہے۔ کراچی سے روانگی پر ڈاکٹر نے یہ قید بھی یاد رکھا کہ اس کا شریازہ مینے تک رہے گا مگر مجھے اس کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا

میں ڈاکٹر کی علاج سے مایوس ہو چلا ہوں۔ میں آج ضعف محسوس کر رہا ہوں۔ آپ نے رفیق موہا بدر صاحب نے کہا کہ "حضرت" آپ دیر سے مصروف گفتگو ہیں، احتیاط فرمائیں۔" اس پر حکیم عبدالرشید صاحب نے کہا بغض کی صلابت غائبائیکہ سے ہے اگر حضور حکم فرمائیں تو نیکہ کی معیاد کا منتظر رہے بغیر یونانی علاج شروع کر دیا جائے۔ اس باتوں سے علامہ موصوف کو زیادہ تھکن محسوس ہونے لگی اور آپ رضائی اوڑھ کر بستر پر دراز ہو گئے، ہم لوگ رخصت لے کر چلے آئے۔

آخری لمحات :

اگلے روز یعنی منگل ۱۲ دسمبر صبح دس بجے شوال اسلام کا بل واٹیا، چنانچہ ہم لوگ حکیم رشید احمد صاحب کے ہمراہ ان کی کار میں سو رہو کر مخدوم راہدہ صاحب کی کونٹھی پیچھے، وہاں پہلے سے سول سرجن صاحب بھی موجود تھے، اس وقت حضرت علامہ پر شدہ یہ ضعف قلب کی کیفیت طاری تھی۔ سول سرجن صاحب سخت پریشان تھے۔ حکیم صاحب نے بھی بغض دیکھ کر اظہار تشویش کیا۔ دراصل یہ نزاع کا وقت تھا، معزز میر بان کے ارشاد کی تعمیل میں حکیم صاحب موٹر میں سو رہو کر دوبارہ اپنے مطلب گئے در تعویذ قلب کے سے مفرق و مقوی ادویہ کی دو چھوٹی چھوٹی پزیریں لے کر بحیثیت قمر الدواہی کا قصد کیا، جب ان کی کار کونٹھی کے احاطہ کے صدر دوازو پر پہنچی تو لوگوں نے اشارہ سے بتایا کہ پاکستان کے مہتمم غروب ہو چکا ہے۔ سب نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ ۱۲ دسمبر کی صبح کو حضرت علامہ کے سینے میں ہلکا سا درد ہوا، نیز آپ کو خفیف سی حرارت تھی، بغض ۹۰ فی منٹ کے حساب سے جاری تھی اور ارجہ حرارت ۹۹ تھا۔ آخر صبح قلب کے آثار نے غلبہ پایا اور بہترین طبی ہدا کے باوجود آپ نے اپنے تئیں ۲۰ گریجواں بہ دوا۔ مرحوم آخری لمحہ تک ہائوش دھواں تھے۔ مہموم ہوا کہ بہاولپور

کے سفر سے پہلے شیخ الاسلام دو بار میری بات میں مبتلا ہوئے تھے۔

آخری رسوم :

حضرت شیخ الاسلام کی میت کی تجنیز و تحنن کے بعد پہلی نماز جنازہ بہاولپور کالج ٹرمیٹ (میدان) میں ادا کی گئی جس میں ہزار بانگوں نے شرکت کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد جنازہ کو کراچی بھیجے کے لئے مقامی ریوے شیش تک بھدرا اور کرام پٹی یا گیا، اس ماحول میں ریاست کے دلی عہد کرل عباسی بالقابہ وزیر اعظم کرل ڈرنگ، جنرل فیصلہ کمانڈر جنرل گریوز، ریاستی ویرا و حکام اعلیٰ و سرحدوں نے اعزاء و اقرباء نے بھی شرکت کی۔، شیش پر ریاستی فوج نے علامہ مرحوم کو گاڑ آف، ترپش کیا۔ اس کے بعد دلی عہد اور وزیر اعظم کی موجودگی میں میت کو ریل گاڑی میں رکھ گیا۔ عقیدہ مندوں کا بے پناہ جھوم ٹرین کی چھت پر چڑھ گیا جس نے شیخ الاسلام کی میت کو چھو لینے کی زبردست کوشش کی، اسی وجہ سے گاڑی دو ٹکڑے ہو کر روانہ ہوئی۔ جامعہ عباسیہ کے پرنسپل اور وزیر تعلیم مش کے ساتھ کراچی تک گئے، جہاں انہوں نے دفن کے وقت ریاست کی نمائندگی کی۔ اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور بالقابہ کو سانحہ ارتحاش کی خبر کراچی پہنچی۔ وہ فوراً عازم دارالحکومت ہو گئے مگر اس وقت علامہ کی میت ریل گاڑی میں کراچی روانہ ہو چکی تھی اس لئے راستے میں بمقام ڈیرہ نواب صاحب اعلیٰ حضرت نے علامہ مرحوم کی آخری ٹکریم ادا کی ورمیت پر پھول برسائے۔ یہ ایصالِ ثواب کیا۔

قرب پاکستان میں ۔

اگلے دن ساڑھے دو بجے صبح شیخ الاسلام کی میت ڈرگ روڈ شیش پر (کراچی) پہنچی۔ جہاں سے میونسپل کار کے ذریعہ اسے آپ کے دولت خانہ پر لے جایا گیا۔ دوپہر ہونے تک پچاس ہزار سے زیادہ لوگ علامہ مرحوم کی آخری زیارت سے شرف ہو چکے

تھے۔ مکان کے سامنے بیٹھا فرزند ان توحید جن میں متعدد وزراء و سفراء اور دیگر اعلیٰ حکام بھی تھے، تلاوت قرآن کریم کر کے مرحوم کو بھلائی خواہ کر رہے۔ دوپہر سے دراپہلے بخونہ گراؤنڈ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جس میں زحالی تیس لاکھ مسلمانوں سے شرکت کی جس کے بعد جنازے کا جلوس واپس مرحوم کے دوست کدوئی طرف روانہ ہو۔ سعودی سفیر عزت مآب سید عبدالحمید الخطیب اور پاکستان مسلم لیگ کے خازن مسٹر قریشی جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ راستہ میں سب لوگ کلمہ شہادت سے ورد کے علاوہ اللہ اکبر اور علامہ شبیر محمد عثمانیؒ رندہ باد کےعرے بھی لگاتے رہے۔ شام کے چار بجے آفتاب علم ہمیشہ کیسے زیر زمین غراب ہو گیا۔

علامہ مرحوم کا مرن موصوف کے دولت خان کے سامنے ہے، اس مقام پر حکومت نے اپنے پیہ شیخ الاسلام کی یادگار قائم کرنے کے سہ سے زمین بخش (الائٹ) کر دی ہے جس پر ایک مسجد اور ایک کتب تعمیر ہوں گے۔ مولانا عثمانیؒ داود تھے۔ آپ بے اپنی یب جتنی کو اپنی بنا کر پا، جس کی شادی مولانا محمد نجی صاحب سے ہوئی۔ اپنی بے پاک بیوی اور داماد سے علامہ مرحوم کو غیر معمولی محبت تھی اور یہ دونوں بھی اپنی خدایت کی جب سے مرحوم کی آنکھوں کی ٹھنڈک بے رہے۔ اس کے علاوہ شیخ الاسلام کے پساندگان میں مرحوم نے تین بھائی شامل ہیں، جن کے ساتھ نہ صرف پاکستان بلکہ اسلامی ہند اور تمام عالم اسلام نے اس صدمہ عظیم میں شرکت کی۔ نیز ان سے تحمل طور پر اظہار ہمدردی کیا۔

اعزاز و ماتم :

حضرت شیخ الاسلام کی وفات پر پاکستان اور دیگر مسلم اسلامیہ میں حاجی بڑیاہیں اور بیٹا رتھرتی جیسے ہوئے، سفارٹین و رراء، سفراء، علماء، امراء، نیز سرکاری و غیر سرکاری حکام نے مسلم و غیر مسلم عوام کے علاوہ خاص طور پر اظہار تزن و سلام کیا، حضرت

علامہ مرحوم کے اعزاز میں صبح صادق منانور اور کھٹکوں میں خاص مآقی تقریبات منعقد کی گئیں۔
پنجاب یونیورسٹی کے جلد تقسیم اسناد میں جو ۱۹ دسمبر کو منعقد ہوا یونیورسٹی کے چانسلر عزت
مآب سردار عبدالرب شترگورز پنجاب نے اعلان فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت
میں ”ڈاکٹر آف اورینٹل لرننگ“ یعنی ”علامہ علوم شرقیہ“ کی ڈگری پیش کی جاتی ہے۔
حضرت علامہ کی وفات حسرت آیت پر دنیا کے اسلام کے طوں و عرض میں جو ل تعداد
تقریبی جلسے اور تقریبیں منعقد ہوئیں، ان میں مآقی قراردیں منظور ہو کر اخبارات میں
شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک جامع قرار داد تعزیت درج دہل ہے جو آئین
سار مجلس العلماء پاکستان لاہور اور جمعیت العلماء اسلام لاہور نے با اتفاق رائے منظور کی
ہے۔ اس کا عنوان ہے ”موت العالم موت العالم“

قرار داد تعزیت

پیش کردہ و مرتبہ حضرت مولانا عیاد احمد عرفان راشدی صابری کما للہ
رکن جمعیت علمائے اسلام آئین ساز مجلس العلماء پاکستان لاہور

لاہور ۱۶ دسمبر جمعیت العلماء اسلام آج بروز جمعہ ۲۵ صفر ۱۴۱۹ھ
اپنے تعزیتی جلسے میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کی وفات حسرت
آیت پر حسب ذیل تعزیتی قرار داد منظور کرتی ہے

(۱) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے انتقال کی امد و ہناک خبر نے عالم
اسلام کے گوشے گوشے میں رنج و غم کی ایک بہرہ ریزی ہے جس کے اثر کو ہر حساس اور اہل
نظر مسلمان نے شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ مسلمانین پاکستان کیلئے یہ ساری عظیم انتہائی

الم اٹلیز اور صبر آزما ہے کیونکہ یہ مولانا عثمانی کی بااثر شخصیت اور بروقت مذہبی رسائی ہا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان پاکستان کے سیاسی نظریے کو سماوی شریعت کی روشنی میں صحیح طور پر سمجھ سکے اور مولانا عثمانی کی "دار پر لیک کہتے ہوئے مسلم ایک کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی مولانا عثمانی کی مذہبی رہنمائی اور انھیں کوششوں کا اثر تھا کہ دستور ساز مجلس پاکستان کے اراکین کو شرعی نظام حکومت کی ہیئت کا احساس ہوا اور پاکستان کے "معدوم مرتب ہونے والے دستور سازی کے متعلق" قرارداد مقاصد" منظور ہوئی جس کی رد سے بائناق رائے اعدا کیا گیا کہ پاکستان کا آئندہ نظام حکومت اسلامی شریعت کے بنیادی اصولوں پر مرتب کیا جائے گا۔ ایسے وقت میں جب دستور ساز مجلس پاکستان آئندہ مرتب ہونے والے دستور سازی کے بنیادی اصولوں پر غور کر رہی ہے اور خود مولانا عثمانی "بنیادی اصولوں پر غور کرنے والی کمیٹی کے رکن اعلیٰ تھے، موصوف کا دنیا سے رخصت ہو جانا نہ صرف شرعی نظام حکومت کے نفاذ کو ناقص چھوڑ دیا بلکہ آپ کے اٹھ جانے سے مسلمانان پاکستان بالخصوص اور مسلمانان عام بالعموم ایک تعلق پر خلوص عالم عامل اور مذہبی پیشوا کی ہدایات اور رہنمائی سے محروم ہو گئے۔ مولانا عثمانی کے انتقال کر جانے سے مسلمانان پاکستان کے مذہبی ماحول میں ایسا خلل پیدا ہو گیا ہے جو آسانی کے ساتھ پُر نہیں ہو سکے گا۔

(۲) مولانا عثمانی "جہاں اپنے علمی تحراز ہدایتی تفسیر قرآن اور دیگر علوم دینیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے، وہاں اسلامی تاریخی و سیاسی روایات سے بخوبی واقف ہوتے ہوئے سیاست عالم اور خصوصاً ملکی سیاست کے تئیں دفرار کا کامل تجربہ رکھتے تھے۔ اس لئے مولانا عثمانی کی موت سے نہ صرف مسلمانان پاکستان کو بلکہ عالم اسلام کو ناقابل حلوائی

نقصان پہنچا ہے۔

(۳) جمعیتِ علمائے اسلام نامہ قرار دیتی ہے اور پاکستان کے گورنر جنرل یحییٰ خان نے ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان ڈاکٹر یحییٰ خان، اور دستور ساز مجلس پاکستان کے صدر مولوی تمیز الدین خان سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ پاکستان کا آئندہ دستور، سہی مرتب کئے جانے کے اس نازک مرحلے پر مولانا عثمانی کے مقالے سے جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اس کو جلد اور جلد حضرت مرحوم کے شرکائے کار کے مشورہ سے پُر کرنے کی کوشش کریں اور مجلس پاکستان کے اسی منصب پر فائز کیا جائے جس پر مولانا فاروقی تھے۔

(۴) اس قرار داد کے ذریعے جمعیتِ علماء اسلام نامہ اور دستور ساز مجلس پاکستان کے جملہ اراکین سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ شرعی نظام حکومت کی ترتیب و نفاذ کے جس عام فریضے کو مولانا اب تک انجام دیتے رہے ہیں، اس کو پانچ تھیں تک پہنچانے کے لئے وہ کوئی دقیقہ اٹھانہ نہ رکھیں اور جس قرار داد مقدمہ کو مولانا عثمانی نے اپنی تحفہ کوششوں سے منظور کرایا ہے، اس کو عملی جامہ پہنانے کی ہر ممکن کوشش سے دریغ نہ کریں۔

(۵) اس قرار داد کے ذریعے جمعیتِ علمائے اسلام نامہ اور مسلمانان پاکستان سے استدعا کرتی ہے کہ مولانا عثمانی کا وہ خوب کہ سرزمین پاکستان میں دیوبند اور جامعہ برکات پور کے پیمانے پر ایک دارالعلوم دینیہ قائم کیا جائے جو اسلام کی سب سے بڑی دینی درسگاہ کی حیثیت سے دینیات کے طلبہ کو سیر کر سکے، اس خواب کو چر کرنے اور مولانا عثمانی کی روح کو ثواب پہنچانے اور ایک دینی یادگار کے سرچشمہ رفیع کے ذریعہ مولانا کے حق میں صدقہ جاریہ قائم کرنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے کہ دیدہ رنی، ذی مقدرت اور ہر مسلمان میں کرکراہتی یاں ہو، جہاں مناسب تجویز ہو، یہ دارالعلوم دینیہ کی بنیاد اس کے لئے اپنی

خدمات پیش کریں۔

(۶) اخیر میں جمعہ علمائے اسلام مولانا عثمانیؒ کی اہلیہ ادا ماد اور خاندان کے جملہ افراد متعلقین اور پسماندگان سے ان کے رنج و غم میں یہ صمیم قلب اظہار و تعزیت کرتی سے اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہے کہ وہ مولانا عثمانیؒ کی روح کو اپنی جو رحمت میں جگہ دے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پاکستان سے اسلامی ہند کی تعزیت

استاذ العباد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارح صحیح مسلم و مفسر قرآن کا غم آج سارے عالم اسلامی کا غم ہے۔ حق ہے کہ آج تعزیت دیئے سلام سے بشمول ہندوستان کی جائے اور پاکستان سے تو علی الخصوص حکیم انست تھاٹویؒ کے بعد علامہ عثمانیؒ کی ذات سب اپنے رنگ میں فرو رو گئی تھی۔ افسوس ہے کہ آج یہ بڑی نعمت بھی ہندوستان اور پاکستان سے اٹھ گئی۔ دیوبند اور ڈابھیل دونوں مدتوں علامہ کے غم میں ہنگامہ رہیں گے، بخاری کی شرح تہ عمدۃ القاری کے نام سے علامہ یعنی حنفی مدت ہوئی لکھ چکے تھے لیکن صحیح مسلم کا قرض حنفیہ پر صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ مولانا کی ذات تھی کہ فتح الہم کے نام سے بسوسطہ مستند شریعت لکھ کر دینے حنفیت سے فرض کیا۔ ادا کر دیا پھر شیخ نبند مولانا محمود حسن کے ترجمہ القرآن پر ان کے جو فاضلات، محققانہ حاشیے ہیں، وہ بھی بھونسنے والی چیز نہیں، اپنے وقت کے ریروست مشہور، نہایت خوش تقریر، اعظا، محدث و مفسر سب ہی کچھ تھے اور درس و تدریس کی خدمات اس سلسلہ کے علاوہ حق تعالیٰ علی سے اہلی مدرج نصیب کرے۔ بہا جرتوں موت یوں بھی شہادت کا درجہ رکھتی ہے، چہ جائیکہ وطن قامت (سرچی) سے بھی ۱۱ بہاولپور میں۔ (ارقم مولانا عبدالہجد دریاہ دینی)

رحلتِ شبیرؒ

ایک چکر فلک نے اور دیا
موت کی زر میں آگئے شبیر
خون روتے ہوئے ستاروں کے
منہ سے نکلا کہ ہے مسموم و گلیہ
بچھڑیا تیری انجمن کا چراغ
اٹھ گیا یک اور عاں دماغ

(حافظ امیر ترقی)

تاریخِ رحلت

ز دنیا رفت چوں شبیر احمد
پاشد ماتے از روم تا شام
چوں سال رحلتش پر سند نامی
بگو مرد مجتہد شیخ الاسلام

۱۳۶۹ھ

(از قلم میر محمد امجدی صاحب نامی)

وَلَّہ

مرتل شد چوں شیخ عثمانیؒ
گفت نامی بسا لرحلت او
دب ما شدہ تیغ غم و غم
شیخ الاسلام قدوہ اعظم

۱۳۶۹ھ

ز ' صوفی شیدا کا شمیری

وفات امام ملتؒ

امیر قوم وہ شیر احمد عامل قرآن
 فروغِ مسیت بیضا ! چراغِ محفلِ عرفان
 رموزِ دین کا ماہر عزم و استقلال کا پیکر
 جو پاکستان میں تھا عاملِ دین کا سلطان
 منور جس کے فیضِ علم سے تھی شمعِ ایمانی
 گزہ کارِ ارادت میں تھا بیٹکِ صاحبِ بیان
 ہوا خاموش آغوشِ اجل میں وہی ناکامی
 غلامِ خواجہ شربِ ندیم قومِ پاکستان
 ہے قانونِ الہی گرچہ کل من علیہ فان
 فنا ہوتا نہیں لیکن نشانِ بندۂ یردان
 ذہانت میں لطافت میں بصیرت میں لیاقت میں
 نہ ہمسر اُس کا پیدا کر سکے گی گردشِ دوراں

رہے گی چشمِ ملت محوِ یہ دیکھنا شیدا ”بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رہیدہ“



باب : ۸

منظوم خراج عقیدت

پروفیسر ریاضہ مجسم فاضلی صاحب

بیاد شیخ الاسلام

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

نام تھا شبیر احمد اور عثمانی بھی تھے
یعنی عثمان غنی کے سینے کے فرد تھے
مُن کی سادہ لوحی پر خود رشک فرما تھی حیات
سرزمینِ پاک پر وہ ایک ایسے مرد تھے

قابِ اعظم کی خواہش پر وہ آئے تھے یہاں
شبیر قائد جگمگا اٹھا انہی کے نام سے
اس سے لے لڑائی سے تفسیر قرآن کی کبھی
خود خدا بھی مسکرایا ہوگا ایسے کام سے

کے مقالہ نگار تھے وہ اسکی علمی شان سے
اب بھی ہے علم و ادب میں باعثِ صد افتخار
سے مجسم اُس کی ہیں تعریف میں اب کیا لکھوں
علم کی رحمتیں خود اُس پہ ہوتی ہیں نثار

پروفیسر نواز الحسن شیر کوٹی

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی یاد میں

گلہائے عقیدت

ہر وہ شریعت راہ دکھاتا رہا
ترجمان فقہ و تفسیر و حدیث مصطفیٰ
لکھ کے شرح مسطور تفسیر قرآن کریم
تھ رہاں پر اس کی قال اللہ اور قال الرسول
رحمۃ العالمین کے دین کی لے کر ضیاء
حکمت رازئی و اسرار عزلی کا امیں
تھاز باب قائم کی اور روح ولی اللہ تھا
تھالسن الغیب اور شاہن نظروں میں وہ
یاد ہے اب تک تری شیریں گاہی جس سے تو
تجھ پہ نازاں ہے ترا دارالعلوم دیوبند
الہ پاک و ہند تیری ذات کے ممنون ہیں
تھاصداقت اور حق گوئی ترا شیوہ سدا
نہا ہی نعمت تھی مگر علامہ عثمانیؒ کی ذات

منزل مقصود تک ملت کو پہناتا رہا
آفتاب ہم دیں دنیا کو چمکاتا رہا
امت اسلام پر حسان فرماتا رہا
نعمہائے سنت و قرآن سدا گاتا رہا
اپنے علم و فضل کے نور برساتا رہا
حکمت و سرار کے عقدوں کو سلجھاتا رہا
جس پہ محمود حسن بھی فخر فرماتا رہا
غیب کے مضمون ہمیں آنکھوں سے دکھلاتا رہا
کوثر و تنسیم کی موجوں کو شرارتا رہا
ادہ علمی پہ تو بھی ناز فرماتا رہا
جن پہ بے فیض کی بارش تو برساتا رہا
حق بیاں کرتا رہا باطل کو ٹھکراتا رہا
پھوس بن کر گلشن ہستی کو مہکتا رہا

وہ ہوئے دنیا سے کیا رحمت کہ نواز الحسن

زندگی کا حلف جینے کا حرا جاتا رہا

ماہنامہ "ساحل" کراچی

جدید دور کے جدید ترین مضامین پر مشتمل ہر سونے سترہ سال سے ملتی دینی
اصلاحی، فلاحی اور تحقیقی مضمونوں میں ایک بہ مقبول سلیبس روبرو تخلیقی اور ادبی تحریروں
کا حسین مجموعہ۔ ساحل کہنے کو کچھ اور بھی تو پہنچے۔

ساحل ایک نئے عہد کا آغاز کر رہا ہے۔ ساحل حیرت میں نغمہ سادہ، چھوٹا سا
مکتوب ہے۔ اس مکتوب کو آپ کے کسی عملی تعاون کی ضرورت ہے۔ ساحل آپ سے نہ
چندہ مانگتا ہے۔ وہ تعاون طلب کرتا ہے نہ آپ پر بوجھ ڈالنا چاہتا ہے اسے صرف
آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔

اس کے دو سال بعد وہ ہیں تھکاملک بحر میں ساحل کی تقسیم و ترسیل کا مکمل بھی کام تمام
کرنا ممکن نہیں اس کے قارئین کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ہم یہ رسالہ سب تک
پہنچانے سے قاصر ہیں۔ لہذا ایک نئے حراجات بہت زیادہ ہیں۔ ساحل پاکستان
کا دوسرا سال ہے جس کی قیمت تڑشتہ دس روپے سے صرف اس روپے ہے اس سے
کہ سماج کی ترقی و ترقی کے لیے اس رسالے کی تقسیم و ترسیل کرتے ہیں۔ یہ رسالہ
دوستوں کے اور عزت حاصل رہے گا اور یہ نہیں یہ خیرات کو بہتر بنانے کی ترقی کی
دشش ہے۔

یہ رسالہ ایک نغمہ سادہ ہے، ایک تھیر و شش ہے اور پاک ایک مضمونی اور مضمونوں
یہ چھوٹی سی موز اور ایک رتی ہوئی رہا جو اس حق کی روشنی کو عام کرتا
چاہتی ہے۔ اس کا خیر میں آپ بھی حصہ بننے، استیاض اور بیسے کی تمنا ہے بغیر بے
بوش طریقے سے ہرے شعور سے ساتھ اور تلاش کی گہریوں سے آج ہی خط
نکھیے اور سال سے استفادہ کیجئے۔

رابطہ کیلئے - بی۔ ۳۲۶ - سیکٹر الیون - اسے مار تھ کراچی

جریدہ

خصوصی اشاعت (۳۰)

جامعہ سراپہی نے شہینہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کی جانب سے مجدد سار تحقیقی و تجزیاتی مقالات پر مشتمل 'جریدہ' کی تیسویں (۳۰) خصوصی اشاعت منظر عام پر آگئی ہے جو غیر مطبوعہ کتابیں ممبر کی دوسری جلد ہے۔ بروہسلی رادو عشت زبانون کے فکل عام کی تاریخ 'عبد القادر بیدل اور عالمی ادبیات اس پرستہ کے خصوصی ہدف ہیں۔ معروف ادیب 'مظفر' انشور اور مصر حاضر کے محقق جناب سید خالد جامعی کا مرتب کردہ یہ 'عظیم تاریخی جریدہ ایک تحقیقی اور تحقیقی دستاویز ہے۔ مغربی نگار و نگار ان تہذیب و تمدن اور ممبر کی پنجہ و دستوں کا بھرپور تقاب ہے فکر و متعل اور سوچ و تدبیر کے ساتھ نفسی وانی جامع مدلل اور مفصل تحریریں دلچسپ اور فکر و دانش کو اپیل کرتی ہیں۔ جناب سید خالد جامعی اور ان کے رہاء کار صد ہزار ہر یہ تمویک کے مستحق ہیں۔ ان کی یہ عظیم تحقیقی کاوش تاریخ کا روشن باب ہے۔ زرتقون ۳۰۰ روپہ واجبی قیمت ہے۔

اکابر دیوبند سے متعلق عظیم علمی و تاریخی تصانیف

حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری کے قلم سے

۱۔ چالیس بڑے مسلمان (جلد ۱)

دکابر علماء و مشائخ کے حالات و واقعات اور خدمات پر مشتمل
نیر و صفحہ کی تفصیل، بھی دستاویز

ناشر ادارۃ القرآن سبیل چوک کراچی

۵۔ کاروانِ حق نوٹ

تفصیلات حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے وابستہ دور
سردار علامہ ابوالخیر کے حالات و واقعات کا حسین برقع

ناشر ادارۃ المعارف دورِ اعظم کراچی نمبر ۱۶

۲۔ تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین

غریب ترقی پسند پاکستان کے مضبوط امور کلیدی علماء کی علمی
"بہی" اصلاحی بورڈی شاہد کارناموں پر مشتمل ساڑھے
"تھوڑے" کی عظیم علمی تالیف

ناشر ادارۃ تالیفات اشرفیہ چوک ملتان شہر

خطبات شیخ الاسلام عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

ناشر ادارۃ القرآن سبیل چوک کراچی

۳۔ خطبات مفتی اعظم

حضرت مفتی اعظم بریلوی صاحب

۴۔ گزشتہ مفتی اعظم پاکستان

مفتی محمد شفیع صاحب

۶۔ ذکرِ طیبیت

تفصیلات علامہ علامہ فاروقی صاحب

ناشر ادارۃ اسلامیات نازکلی ناہور

۷۔ خطبات اور لیس

شیخ محمد شین امام محمد اور لیس خانہ حلوی

۸۔ خطبات مالک

مولانا محمد مالک خان حلوی

۹۔ بیس علماء حق

پانچ سو بزرگوں کے بیس علماء حق کے شہداء کارناموں
اور خدمات پر مشتمل علمی شاہکار
حصات 700 صفحات

ناشر مکتبہ رحمانیہ اردو دار بریل ناہور

۱۰۔ اکابر علماء دیوبند

بڑے بزرگ علماء دیوبند کے حالات و خدمات اور
خدمات پر مشتمل جامع تذکرہ

صحت 600 تقریباً

شیخ محمد شین امام محمد اور لیس خانہ حلوی

تذکرہ اویسیائے دیوبند

ذکر خیر محمد

تقریباً ۱۰۰ کاہرہ کا تذکرہ

تذکرہ مولانا خیر محمد پابند حرقی

ناشر کتبستان قرآن پشاور ۱۹۷۷ء

تذکرہ شیخ الاسلام پاکستان

۱۰۰ کاہرہ بن مجلس صیانت السنین

سوانح مولانا شیخ احمد رحمانی

تقریباً ۱۰۰ کاہرہ کا تذکرہ

حیاتِ اقدس

۱۰۰ مفتی اعظم پاکستان اور ان کے ممتاز خلفاء

سوانح مولانا خٹاب الحق قادری

۱۰۰ مقالات مفتی اعظم

۱۰۰ سوانح علماء

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

مدرسہ اشرفیہ سوانح مولانا خٹاب الحق قادری

۱۰۰ خطباتِ حقیت

۱۰۰ خطباتِ اقدس

تعلیم الاسلام تاریخی حقیقت

حضرت مولانا خٹاب الحق قادری

۱۰۰ یادِ شریف

۱۰۰ خطباتِ اکابر

تذکرہ مولانا محمد شریف پابند حرقی

۱۰۰ ایک سو سے زائد کاہرہ کے خطبات

۱۰۰ پچاس مشائخِ شخصیات

۱۰۰ مفتی محمد حسن اور ان کے خلفاء

۱۰۰ درحضور، دیوبند، ۱۰۰ کاہرہ کا تذکرہ

مفتی محمد حسن و مرتبین و مولانا محمد اشرفیہ

۱۰۰ آپ جی گیدانی

۱۰۰ ناشر دارالتألیفات اشرفیہ نور و نوحہ کتاب

سیدنا خراسانی

۱۰۰ تحریک پاکستان اور علماء دیوبند

۱۰۰ ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ کتاب

۱۰۰ سیدنا عثمان غفرلہ شاہکار

۱۰۰ میں ملانے رہائی

۱۰۰ سیرتِ سید عالم

۱۰۰ پیش مشاہیر علماء دیوبند کا مکتبہ تذکرہ

۱۰۰ سوانح حضرت مولانا سید بدر عالمی

۱۰۰ مقالاتِ ترجمانی

۱۰۰ ناشر اچھا ایم سید گفنی پاکستان چوک کراچی

۱۰۰ مفتی سید عبدالغفور رزاقی

۱۰۰ ذکر متین

۱۰۰ سید محمد اکبر شاہ بخاری

۱۰۰ تذکرہ مولانا محمد حسین صاحب

۱۰۰ محمد علی رشتی مجلس صیانت السنین، سید شریف جان

۱۰۰ سوانح فضیل

۱۰۰ سید محمد باقر صاحب (پاکستان)

۱۰۰ حضرت مولانا مفتی محمد حسین

القاسم اکیڈمی کی ایک نئی اور تاریخی پیشکش

إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ



تَذَكُّرَةُ الْمُصَنِّفَيْنِ

المعروف

شَرَّاحُ جَمِيعِ الْعُلَمَاءِ

تالیف

شیخ مولانا مفتی ابوالقاسم محمد عثمان القاسمی بنوریہ

پیشہ کار محقق و محرم اسلام آباد پاکستان



علمائے صرف، لغویات، کلام، فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض، تاریخ، منطق، تفسیر، ہندسہ، حساب، ریاضت، الجبر، ادب عربی، تاریخ ادب فارسی، فارسی کے علماء، مصنفین کا تفصیلی تذکرہ و تعارف۔۔۔۔۔

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین عظیم علمی اور فقہی پیش کش

اسلامی آدابِ زندگی

تحریر ! محمد منصور الزمان صدیقی

پیش لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

قرآنی تعلیمات، احادیث نبوی، عبادات، معاملات، اعمال کے فضائل، بلند فی اخلاق و خصائل، محبت و اطاعت رسول، محرمات سے اجتناب، منہیات کی نشان دہی، فرقہ پلہ کا تقابلاً روز بدعات، دعوت سنت و اتحاد امت، قدمہ انسانیت، الغرض زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے ہدایات سے معمور مہد سے لحد تک اہم ضروری مسائل و احکام، سلیس اور یادگار زبان میں ایک مطالعاتی معکم اور محسن کتاب اپنے موضوعات کے خواجہ، تفہیم و تسہیل، افادیت اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک لاجواب کتاب۔

صفحات : 938 ریگزین قیمت : 350

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

القاسم اکیڈمی کی تازہ، عظیم اور شاہکار علمی پیش کش



شرح شمائل ترمذی

(تین جلد مکمل)

ایک عظیم خوشخبری

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ایک تازہ تحفہ

حدیث کی جلیل القدر کتاب شمائل ترمذی کی سہل و دلنشین تشریح، پہنچی ہوئی سلیس تحریر، اکابر علماء دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، انہوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر مخصوص دلائل و تفصیل، روایۃ حدیث کا مستند تذکرہ، تازہ مسائل پر تحقیق اور قول فیصل، معرکۃ الآراء مباحث پر جامع کلام، علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق، بحال عمر رحمۃ اللہ علیہ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے، اردو زبان میں پہلی بار منصفہ شہود پر — جدید ایڈیشن میں تمام حوالہ جات اور عربی عبارات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

صفحات : 1608 ریگزین قیمت : 750 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

خصائل اور سیرت نبوی ﷺ
 مولانا عبدالقیوم حقانی
 کی علمی اور عظیم تدریخی کاوشیں

صفحہ نمبر	عنوان	ردیف
۲۰۶	جمال محمد کا دربار منظر	①
۱۵۶	روئے زبیا علیہ السلام کی تابانیاں	②
۲۱۰	ماہنامہ نبوت علیہ السلام کی شواہد و اثبات	③
۲۰۲	آفتاب نبوت علیہ السلام کی ضیاء پاشیاں	④
۱۹۷	محبوب خدا علیہ السلام کی دربار ادا میں	⑤
۱۸۷	محبوب خدا علیہ السلام کی عبادت و اعتدال	⑥
۱۶۶	خصائل نبوی علیہ السلام کا دلآویز منظر	⑦
۱۵۳	شہنشاہ نبوی علیہ السلام کا ایمان افروز مرتع	⑧

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد نوشہرہ